تحریکِ آزادئ ہند میں

مسلم علماء اور عوام کا کردار

محمد سلمان منصورپوری
مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۴۷۵۵۳
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

تحریکِ آزادیٔ ہند میں
مسلم علماء
اور
عوام کا کردار
از
محمد سلمان منصورپوری
مدرسہ شاہی مُرادآباد
تعارف شخصیات
معزالدین احمد (امارتِ شرعیہ ہند)
ناشر
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (انڈیا)

تفصیلات

• نام کتاب • تحریک آزادی ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار

• سن اشاعت • جون ۲۰۰۴ء

• قیمت • 90/-

• ناشر • کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

ملنے کا پتہ

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (انڈیا)

فون:۔ آفس 223294 رہائش 224556 فیکس فون:۔ 222491(01336)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

انتساب

اکابر و اسلاف کے مجاہدانہ کارناموں سے متعلق یہ حقیر کوشش بصد ادب و احترام
جانشین شیخ الاسلام امیر الہند فدائے ملت اور صدر جمعیۃ علماء ہند
حضرت مولانا **سید اسعد مدنی** دامت برکاتہم

کی خدمت عالیہ میں پیش ہے

جن کی

عالی ہمتی، بلند کرداری، ملت کے لئے دل سوزی اور پُر عزم اصابت رائے

کی بدولت

دورِ حاضر میں اکابر و اسلاف کا مشن روشن و تابندہ ہے۔
اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کے سایہ کو تا دیر برقرار رکھے اور
عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

خادم: احقر محمد سلمان منصور پوری عفی عنہ

۱۰ رجب ۱۴۲۰ھ

پیش لفظ

حامداً و مصلیاً و مسلماً اما بعد!

اگست ۱۹۹۷ء میں آزادیٔ ہند کی پچاسویں تقریب پورے ملک میں شان و شوکت سے منائی گئی لیکن پروگراموں میں دانستہ طور پر مسلم علماء کے ناقابل تردید مجاہدانہ کردار کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ رسالہ "ندائے شاہی" (ترجمان جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد) میں خصوصی ضمیمہ کے طور پر ہر مہینہ اکابر کی مجاہدانہ خدمات پر روشنی ڈالی جائے تاکہ کسی حد تک عوام و خواص کو واقفیت حاصل ہو سکے۔ چنانچہ یہ سلسلہ سوال و جواب کی شکل میں ستمبر ۱۹۹۷ء سے شروع ہو کر اگست ۱۹۹۸ء تک ۱۲ قسطوں میں مکمل ہوا۔

اس کی تکمیل کے بعد متعدد احباب نے اسے الگ سے شائع کرنے کی خواہش کی، مگر احقر چاہتا تھا کہ جب یہ الگ رسالہ کی شکل میں شائع ہو تو اس میں ذکر کردہ حضرات اکابر علماء وغیرہ کے مختصر حالات بھی شامل ہوں تاکہ اسے ایک تاریخی دستاویز کی مقام حاصل ہو، اور وہ بہت سی معلومات کے لیے اشاریہ کی حیثیت میں ہو جائے۔ تاہم یہ عرق ریزی کا کام احقر کے لیے بہت مشکل اور باعث طوالت تھا، اس لیے احقر نے محب گرامی جناب مولانا معز الدین احمد قاسمی زید فضلہ (ناظم امارت شرعیہ ہند) جن کو تاریخی اور تحقیقی معلومات کا کافی ذوق ہے، پر زور ڈالا کہ وہ تعارفی اشاریہ تیار کریں۔ موصوف نے یہ درخواست باوجود دیگر مشغولیات کے قبول کر لی اور مضمون میں مذکور معروف اور غیر معروف حضرات میں سے جن کا بھی ذکر انھیں دستیاب ہو سکا تعارفی اشاریہ میں شامل کر دیا۔ موصوف کی اس محنت سے بلاشبہ یہ رسالہ شائقین کے لیے بہت قیمتی اور باوزن ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو اجر جزیل سے نوازے، آمین۔

اس رسالہ سے بالخصوص مدارس دینیہ کے طلبہ اور وابستگان صحیح روشنی اور فائدہ اٹھا سکتے ہیں، طلبہ کے جلسوں میں یہ سوال و جواب مکالمہ کی شکل میں پیش کرنے سے بھی یہ معلومات یاد رکھنے اور دوسروں تک پہنچانے میں سہولت ہو سکتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کو ترقیات عالیہ سے نوازے، اور اکابر و اسلاف کی خدمات کو قبول فرما کر ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت سے نوازے، آمین۔ فقط والسلام

احقر محمد سلمان منصورپوری عفی عنہ

۱۰ رجب ۱۴۲۱ھ

فہرست

تحریک آزادی ۱۸۵۷ء

اکابر دیوبند کی جہاد آزادی ۱۸۵۷ء میں شرکت

تحریک شیخ الهند

علماء کرام قومی دھارے میں

لمحوں کی خطا

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

تعارف شخصیات

❖ ● ❖

ابتدائیہ

فضول سمجھ کر بجھا دیا ہے جن چراغوں کو
وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

۱۵ راگست ۱۹۹۷ء کو آزاد ہندوستان نے اپنی عمر کے پچاس مرحلے طے کر لیے۔ اس موقع پر دلی میں قومی مارچ ہوا، گھر گھر چراغاں ہوا۔ آزادی کا پورا دن ملکی ترانوں کی دھنوں اور خوشی کی شہنائیوں پر ناچنے میں صرف ہوا۔ یہ خوشیاں منانے والے اکثر وہ لوگ تھے جنھیں آزادی پھولوں کے گلدستہ کی شکل میں ملی تھی۔ انھیں نہ اپنے بڑوں کو قربانیوں کا احساس تھا۔ نہ ان کی عظیم خدمات سے واقفیت تھی۔ نہ یہ فکر تھی کہ آزادی جس مقصد سے حاصل کی گئی تھی وہ پوری طرح حاصل ہو سکا یا نہیں؟ وہ تو بس ایک رسمی خوشی سے سرشار تھے جس نے انھیں اپنے ماضی اور مستقبل سے بے خبر کر دیا تھا۔ حالانکہ اقوام و ملل کی تاریخ بار بار تجربات کی روشنی میں یہ بتا چکی ہے کہ جو قوم اپنے ماضی سے کٹ جاتی ہے وہ کبھی بھی مستقبل میں کامیابی کے نقوش ثبت نہیں کرپاتی۔ کامیاب منصوبے ہمیشہ ماضی کی تاریخ سامنے رکھ کر ہی بنائے جاتے ہیں اور جب ماضی کو بھلا دیا جائے یا تاریخ کو مسخ کر دیا جائے یا اس سے دانستہ تجاہل برتا جائے تو پھر اخلاقی زوال قوم کا مقدر بن جاتا ہے۔

ہندوستان میں آزادی کے بعد ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں سے جو

بتدریج امتیاز برتا گیا اور انھیں قومی دھارے سے الگ کرنے کی جو مسلسل کوششیں کی گئیں اور کی جارہی ہیں وہ اسی اخلاقی زوال کا ایک ادنیٰ سا مظاہرہ ہیں احسان فراموشی کی اس سے بدترین مثال کیا ہوگی کہ آزادی کے لیے فضا جنھوں نے ہموار کی اور مردہ دلوں میں روح جنھوں نے پھونکی، خواب گراں میں مست لوگوں کو جنھوں نے جھنجھوڑ کر آزادی کی راہ کا راہ رو بنایا۔ اور برطانوی استعمار کے مقابلہ میں جنھوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ پھانسی کے پھندوں کو چوما اور سینوں پر گولیاں کھاکر شہیدان قوم وملت کی فہرست میں اپنا نام سنہرے حروف سے نقش کرلیا۔ آج انہی علماء کی مخلصانہ خدمات کو ملکی تاریخ سے حرف غلط کی طرح مٹادیا گیا۔ اور وہ مسافر جو اس کفن بردوش قافلہ میں سرراہ آکر شامل ہوگئے تھے، ان کو قافلہ کی قیادت کا تاج پہنادیا گیا۔

گذشتہ پچاس سالوں میں ملک کی نسل بدل چکی ہے۔ پرانی عمر کے لوگ پابہ رکاب ہیں اور نئی عمر والے زمام اقتدار سنبھال رہے ہیں، اس نئی نسل کی پرورش ان اسکولوں میں ہوئی ہے جہاں نصابی کتابیں خاص ذہنیت کے ماتحت لکھ کر پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کتابوں میں تاریخ کے متعلق جو سبق پڑھایا گیا ہے وہی آج نئی نسل کا منتہائے علم ہے جن چند ناموں کو وہ پچاس سال سے رٹتے آرہے ہیں صرف انھیں ہی وہ ملک کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں اور ان گنے چنے ناموں کے علاوہ کسی اور کے بارے میں نہ انھیں معلومات ہیں اور نہ ہی واقفیت حاصل کرنے کا جذبہ۔

ہمیں دوسروں پر نہ زیادہ افسوس نہ ان سے گلہ کرنے کا زیادہ موقع۔ مگر خود ہمارا اپنے اسلاف کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ اور ہمارا رشتہ اپنے شاندار ماضی سے کتنا مضبوط ہے؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔ آج مسلم اسکولوں میں آزادی کے نام پر جو پروگرام ہوتے ہیں ان میں بھی بس وہی تاریخ دہرائی

جاتی ہے۔ جو پچاس سالوں میں از سر نو مدوّن کی گئی ہے۔ ہم خود اپنی موجودہ نسل کو علماء اسلام کے کارناموں سے روشناس نہیں کراتے۔ حالانکہ ضرورت ہے کہ اس فرقہ وارانہ ماحول میں اپنے ماضی سے پوری واقفیت ہو اور ہم پورے شرح صدر کے ساتھ یہ کہہ سکیں کہ مادر وطن کے ذرہ ذرہ پر ہمارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا اور کسی قوم کا، بلکہ اور آگے بڑھ کر تاریخ کے حوالے سے یہ کہیں کہ "ہم نے اس ملک کی قسمت جگانے میں جتنا خون بہایا ہے اتنا پسینہ بھی دوسری قوموں نے مل کر نہیں بہایا۔"

آج ہمیں اپنی نئی نسل کو یہ بتانا ہے:

الف: تحریک آزادی کے ابتدائی سو سالوں میں جدو جہد کے میدان میں قائدانہ کردار صرف علماء ہی ادا کرتے رہے بعد میں دوسرے لوگ بھی سامنے آئے مگر علماء نے اپنا امتیازی کردار آزادی کی صبح تک جاری رکھا۔

ب: برطانوی اقتدار و استعمار کی بیخ کنی اور مذہبی اقدار کی حفاظت علماء کا نصب العین تھا۔

ج: علماء کی جدو جہد نہ صرف ہندوستان بلکہ مشرق وسطیٰ، عالم اسلام، بلکہ پورے ایشیا کی آزادی کے لیے تھی۔ اس لیے کہ ہندوستان کی آزادی پر ہی ان ممالک مقبوضہ کی آزادی کا مدار تھا۔ نیز یہ بھی بتانا ہے کہ آخر وہ کیا وجوہات تھیں جنھوں نے بوریہ نشیں علماء کو میدان کارزار میں قدم رکھنے پر مجبور کر دیا تھا؟ اور پھر — یہ یہ بھی خبر دیتی ہے کہ علماء کی اس جدو جہد کے بعد ملک اور مسلمانوں پر کیا اثرات رونما ہوئے؟ نیز، اس جانب بھی توجہ دلاتی ہے کہ علماء نے اسلام اور اسلامی شعائر کی حفاظت کے لیے جو خدمات انجام دیں ہیں اور دے رہے ہیں، ان میں مسلم عوام نے اپنی ذمہ داریاں کہاں تک نبھائی ہیں اور کس حد تک نبھانے کی ضرورت ہے؟ اور ہماری اصل منزل کیا ہے اور ہم کدھر جارہے ہیں؟ انہی سب امور سے واقف کرانے کے لیے ماہنامہ

"ندائے شاہی" میں "تحریک آزادی میں علماء کے کردار" کے عنوان سے یہ خاص سلسلہ شروع کیا گیا تھا جو ستمبر ۱۹۹۷ء سے اگست ۱۹۹۸ء تک ۱۲ قسطوں میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس میں آسان سوال و جواب کے انداز میں تحریکِ آزادی میں علماء حق کی جدوجہد کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ باذوق قارئین نے اس سلسلہ کو بنظر تحسین دیکھا۔ جس کی بنا پر ضرورت محسوس کی گئی کہ اسے الگ رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ تاکہ سارا مواد یکجا ہو جائے۔ اور ناواقف حضرات کو ضروری معلومات حاصل ہو جائیں۔ امید ہے کہ بزرگوں کی خدمات اجاگر کرنے کے سلسلہ میں یہ حقیر کوشش قبولیت حاصل کرے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ!

تحریک سید احمد شہیدؒ

۱۸۱۸ء-تا-۱۸۳۱ء

- جدوجہد کا آغاز
- حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا فتویٰ جہاد
- سید صاحبؒ کی تحریک جہاد
- سکھوں سے مقابلہ
- عارضی اسلامی حکومت
- معرکۂ بالاکوٹ اور حادثۂ شہادت

جدوجہد کی ضرورت کیوں؟

سوال: تحریکِ آزادی کی ابتداء کب ہوئی؟ اور اس جدوجہد کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: ۱۴۹۸ء میں واسکوڈی گاما کی قیادت میں پرتگال (یورپ) کے ملاحوں نے پہلی مرتبہ ہندوستان کی سرزمین میں قدم رکھا اور ساحلی مقام کالی کٹ میں اپنی تجارتی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ پھر اسی بہانے پرتگیزیوں نے جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں پر قدم جمانے شروع کردیے اور جو بھی ان کے توسیع پسندانہ عزائم کے درمیان رکاوٹ بنا اسے انھوں نے نہایت بے دردی سے مشق ستم بنایا۔ بحر ہند میں قزاقی اور لوٹ مار کا وہ بازار گرم کیا کہ بحری سفر پُر خطر بن گیا۔ جس علاقہ میں انھیں اقتدار حاصل ہوا۔ وہاں انھوں نے لوگوں کو جبراً عیسائی بنالیا۔ پادریوں کے نام نہاد دار القضاء جابجا قائم کیے جو اپنے مخالفوں کے لیے بدترین اور وحشت ناک سزائیں تجویز کرتے تھے۔ پرتگیزیوں کی دیکھا دیکھی یورپ کے دیگر ممالک بھی حرص و طمع سے مغلوب ہو کر دولت سمیٹنے کے لیے سونے کی چڑیا کہے جانے والے ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ انگلستان کے ۱۰۱ تاجروں نے تیس ہزار پونڈ کا سرمایہ جمع کرکے "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے نام سے ایک کمپنی بنائی اور ۱۶۰۱ء میں اس کے جہاز پہلی مرتبہ ہندوستان روانہ کیے گئے[1] انھوں نے اپنا بڑا مرکز بنگال کو بنایا یہیں سے ہندوستان میں انگریزوں کی آمد شروع ہوئی۔ اور تجارت کی آڑ میں وہ اپنی فوجی طاقت بھی رفتہ رفتہ ہندوستان منتقل کرتے رہے اس دوران یہ لوگ شاہانِ مغلیہ

---

[1] نقش حیات ۲/۱۳

کے دربار میں بھی جا پہنچے اور اپنے کو محض تاجر ظاہر کر کے بادشاہ سے پروانۂ امن حاصل کیا اور رفتہ رفتہ اپنے پاؤں مضبوط کرتے رہے[1] لیکن سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات یعنی ۱۷۰۷ء تک مغلیہ حکومت مضبوط ہونے کی وجہ سے انگریزوں کو باقاعدہ کوئی کامیابی نہ مل سکی۔ اورنگ زیبؒ کی وفات کے بعد جب دہلی کا مرکز کمزور پڑ گیا اور صوبہ جات میں طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا تو اب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے بال و پر نکالنے شروع کر دیے، جس کا پہلا افسوسناک سانحہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں رونما ہوا جب بنگال کے نواب سراج الدولہ کی فوجیں اپنوں کی درپردہ سازش کا شکار ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی مٹھی بھر منظم فوج کے مقابلہ میں شکست سے دوچار ہو گئیں۔ اور اس طرح بنگال میں کمپنی کی عملی حکومت کا راستہ صاف ہو گیا۔

اس دور میں کمپنی کے ارباب حل و عقد نے بنگال کی ہنرمند آبادی پر جو مظالم ڈھائے ہیں۔ اور جس طرح انھیں لوٹا کھسوٹا گیا ہے وہ ہندوستان کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ پھر بتدریج کمپنی کی حکومت کا دائرہ بڑھتا رہا۔ اکثر امراء اور نواب اپنی آپسی چپقلش کی بنا پر ایسٹ انڈیا کمپنی سے مصالحت پر مجبور ہو گئے۔ اور آخر میں صرف ایک بہادر اور نڈر جرنیل سلطان ٹیپو شہید رہ گیا تھا۔ مگر وہ بھی جب ۱۷۹۹ء میں انگریز کے مقابلہ میں یہ کہتے ہوئے شہید ہو گیا کہ "شیر کی زندگی کا ایک لمحہ گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے۔" تو انگریز فوج کے کمانڈر "لارڈ ہارس" نے سلطان شہید کی لاش دیکھ کر بے اختیار یہ کہا تھا کہ "آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔"[2] سارے ہندوستان کو بالواسطہ یا بلاواسطہ زیر نگیں کرنے کے بعد اب انگریز کا نشانہ دہلی کا پایہ تخت تھا، جہاں مغلیہ حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ ۱۸۰۰ء کے اخیر میں لارڈ لیک کی قیادت میں انگریز فوجیں دہلی کی طرف بڑھنے لگیں۔ مغلیہ اقتدار کی محافظ مرہٹہ فوجیں انگریزوں کی طاقت کے سامنے نہ ٹھہر سکیں اور ۱۸۰۳ء میں انگریز فاتحانہ دہلی میں داخل ہوئے اور مجبور و مقہور بادشاہ "شاہ عالم" سے یہ جبر و قہر معاہدہ لکھوالیا کہ "خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا۔"[3] یہ اعلان اس بات کا اظہار تھا

---

[1] نقش حیات ۱/۱۷۰ [2] سیرت سلطان ٹیپو شہید۔ ص ۳۴۳ [3] علماء ہند کا شاندار ماضی، ص ۲/۷۸

کہ اب ہندوستان سے اسلامی اقتدار رخصت ہو چکا ہے، عدل و انصاف اور امانت و دیانت کی باتیں خواب و خیال بن گئیں ہیں۔ انسانیت دم توڑ رہی ہے اور اس کی جگہ ظلم و ستم، وحشت و بربریت، استعماریت و فسطائیت کی مہیب گھٹا چھاتی جا رہی ہے۔ انگریز کے زیر نگیں علاقوں کے مظالم کی بازگشت اب دور دور تک سنائی جانے لگی تھی۔ احساس ہر ایک کو تھا مگر امراء و دولت اپنی بچی کچی نوابی کو بچانے کے لیے اور عوام اپنی جان بخشی کے لیے انگریز اور اس کی حلیف طاقتوں کے خلاف زبان کھولنے کے روادار نہ تھے۔ مگر ایک بوریہ نشین فقیر دہلی میں بیٹھ کر اپنی بے مثال چشم بصیرت سے مستقبل کا نقشہ کھلے بندوں دیکھ رہا تھا۔ اس کو یہ چشم بصیرت اپنے والد ماجد حجۃ الاسلام والمسلمین شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ورثہ میں ملی تھی جن کی اثر انگیز تربیت نے اس نورِ جگر کو واقعی "الولد سر لابیہ" کا مصداق بنا دیا تھا، یہ سپوت کوئی اور نہیں، یہ فقیر کوئی غیر معروف نہیں بلکہ وہ ذات تھی جس کو آج دنیا مسند الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی اسم گرامی سے یاد کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے نازک ماحول میں انتہائی جرأت و حمیت اور دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دہلی پر عملاً کمپنی کی حکومت قائم ہو جانے کے بعد ایک تفصیلی فتویٰ جاری کر کے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا اعلان کیا۔ یہی فتویٰ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کا نقطۂ آغاز ہے۔ جس نے دردمندان ملت کے دل میں یہ اُمنگ پیدا کی کہ اب مادرِ وطن میں اسلام اور دین کی حفاظت کے لیے سفید فام استعمار سے ٹکر لینا لازمی ہے[1]۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

سوال: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ کیا تھا؟

جواب: آپ کا اصلی فتویٰ فارسی زبان میں ہے جو آپ کے فتاویٰ میں ص ۱۷ پر شائع ہو چکا ہے۔ جس کا اُردو ترجمہ ذیل میں پیش ہے:

"اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں ہے اور عیسائی افسران کا آرڈر

---

[1] ماخوذ از مقدمہ تحریک شیخ الہند مولانا محمد میاں صاحب و علماءِ ہند کا شاندار ماضی۔ جلد دوم

بلا روک ٹوک جاری ہے، اور احکام کفر جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری، رعایا کے انتظامات، خراج، باج اور عشر (مالگذاری) اموال تجارت، ڈاکوؤں اور چوروں سے حفاظت کے انتظامات، نزاعات کے فیصلوں اور جرائم کی سزاؤں کے مقدمات میں کافر ہی بطور حاکم مقرر ہو گئے ہیں۔ اور یہاں اگر چہ انھوں نے بعض احکام اسلام مثلاً جمعہ، عیدین اذان اور گائے کے ذبیحہ سے کوئی (فی الحال) تعرض نہیں کیا لیکن ان چیزوں کی اصلِ اصول (یعنی مذہبی آزادی اور شعائر اسلامی کی حیثیت) ان کی نظر میں قطعاً بے حیثیت اور فضول ہے۔ اسی وجہ سے وہ مسجدوں کو بے تکلف مسمار کر دیتے ہیں۔ اور کوئی بھی مسلمان یا ذمی ان کی اجازت اور امان کے بغیر اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔"

فتویٰ کا کیا اثر ہوا؟

سوال: حضرت شاہ صاحب کے فتویٰ کے بعد اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کے لیے کیا طریقے اپنائے گئے اور ان کا عوام و خواص پر کیا اثر ہوا؟

جواب: حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے سب سے پہلا یہ کام کیا کہ ۱۸۰۸ء میں مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر اور ان کے منہ بولے بھائی نواب امیر خاں نے جب انگریز کے خلاف متحدہ محاذ قائم کیا تو آپ نے اپنے خاص مرید اور معتقد حضرت سید احمد رائے بریلویؒ کو نواب امیر خاں کی فوج میں شامل ہونے کا حکم دے دیا[1] سید صاحب تقریباً ۷ رسال اس فوج سے وابستہ رہے، اور جب آپ نے دیکھ لیا کہ نواب امیر علی خاں بھی انگریز سے صلح کا ارادہ رکھتا ہے تو ۱۸۱۷ء میں آپ اس کی فوج سے علیحدہ ہو کر دہلی تشریف لے آئے[2]

ایک نئی اور با قاعدہ تحریک

سوال: سید صاحبؒ کی دہلی واپسی کے بعد کیا منصوبہ بنایا گیا؟

جواب: اب کام کی ترتیب یہ طے کی گئی کہ سید احمد رائے بریلویؒ کی قیادت میں اور

۱۔ علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۸۶۔ ۲۔ علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۸۸

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت مولانا عبدالحئیؒ جیسے جلیل القدر علماء کی مشاورت میں ایک جماعت تشکیل کی جائے جو ملک کے طول و عرض کا دورہ کر کے عوامی اصلاح کا کام انجام دے اور ان میں انقلاب کی روح بیدار کرے[1] عوام میں دینی اسپرٹ پیدا کیے بغیر جہاد کا تصور ہی دُشوار تھا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ عوام کو شرک و بدعت کی گھنگھور اندھیریوں سے نکال کر عقائد صحیحہ سے آراستہ کیا جائے اور ان کی ایمانی قوت کو اتنا مضبوط کر دیا جائے کہ وہ دین کے لیے ہر مصیبت بآسانی برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

سید احمد رائے بریلویؒ کا انتخاب کیوں؟

سوال: اس جماعت کی سربراہی حضرت سید احمد شہیدؒ کے حوالے کیوں کی گئی۔ حالانکہ آپ عمر میں بھی اپنے خاص رفقاء سے چھوٹے تھے۔ جیسا کہ آپ کی سیرت میں لکھا ہے کہ جب آپ کو اس جماعت کا سربراہ بنایا گیا تو آپ کی عمر ۴۰ رسال تھی۔ اور حضرت مولانا عبدالحئیؒ (داماد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ) کی عمر ۵۰ رسال اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی عمر ۴۸ سال تھی[2] تو ان حضرات پر سید صاحب کو ترجیح دینے کی کیا وجہ تھی؟

جواب: حضرت سید احمد صاحب رائے بریلویؒ کم عمر ہونے کے باوجود کئی ایسی امتیازی خصوصیات کے حامل تھے جو آپ کے دیگر رفقاء میں اس درجہ کی نہ پائی جاتی تھیں مثلاً آپ کے بے مثال روحانی کمالات، جس کی بنا پر خود حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے اعزاء و اقارب کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ سید صاحبؒ کے دست مبارک پر باقاعدہ بیعت طریقت کریں اور اس روحانیت کا اثر بہت جلد لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ نہایت مختصر مدت میں ہزارہا ہزار عوام و خواص نے آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہو کر اپنی آخرت سنوار لی اور راہ ہدایت پر گامزن ہو گئے دوسرے یہ کہ آپ سات سال نواب امیر خان کے لشکر میں رہ کر محاذ جنگ کا جو عملی تجربہ حاصل کر چکے تھے وہ دوسروں کو حاصل نہ تھا[3]

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۸۹ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۹۱ [3] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۹۱

جدو جہد کا آغاز

سوال: تحریک کا آغاز کس طریقہ پر ہوا؟

جواب: حضرت سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں ۱۸۱۸ء میں پچاس افراد پر مشتمل دردمندان ملت کا قافلہ دہلی سے روانہ ہوتا ہے اس تحریک کے سرپرست اعلیٰ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے روانگی کے وقت اپنی سیاہ دستار اور سفید استعمال شدہ کرتا اپنے دست مبارک سے قائد حریت اور مصلح امت حضرت سید احمد شہیدؒ کو پہنایا اور رخصت سفر مرحمت فرمائی۔[1]

سوال: اس دورہ کا اصل مقصد کیا ظاہر کیا گیا؟

جواب: اس دورہ کا ظاہری مقصد صرف سماجی اور معاشرتی اصلاح قرار دیا گیا اور اس کی بنیادی وجوہات دو تھیں۔ اول یہ کہ بغیر تدین اور معاشرتی اصلاح کے، جہاد کی تحریک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ دوسرے یہ کہ انگریز کی بالادستی کے دور میں ابتداء ہی میں اس کے خلاف نعرۂ جہاد بلند کرنا سیاسی طور پر نامناسب تھا۔[2]

سوال: اس دورہ میں آپ نے کن کن علاقوں کو اپنی تشریف آوری سے مشرف کیا؟

جواب: دہلی سے آپ غازی آباد، مرادنگر، میرٹھ، سردھنہ، بڑھانہ، پھلت، مظفرنگر، دیوبند، سہارنپور تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے دہلی ہوتے ہوئے گڑھ مکتیسر، مرادآباد، بریلی، شاہ جہانپور ہوتے ہوئے اپنے وطن اصلی رائے بریلی کی خاندانی خانقاہ تکیہ شاہ علم اللہ میں چند ماہ قیام فرمایا۔ پھر آپ الہ آباد، کانپور، بنارس، سلطان پور، تشریف لے گئے۔ اور بعد میں تقریباً تین ماہ لکھنؤ میں قیام فرمایا جو اس وقت مملکت اودھ کا دارالسلطنت تھا۔[3]

سوال: دورہ کے اثرات کیا رہے؟

جواب: جہاں جہاں آپ تشریف لے گئے شرک و بدعت اور ضلالت وگمراہی کی گھٹائیں چھٹتی چلی گئیں۔ آپ کی پر تاثیر مجالس اور آپ کے مخلص اور جاں نثار رفقاء کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر جانے والے مواعظ ایسے اثر انداز ہوئے کہ ہزارہا ہزار دین سے بے بہرہ اور جاہلانہ رسوم میں مبتلا عوام و خواص سچے دل سے تائب ہوئے اور مسلم معاشرہ میں

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی، ۲/ ۹۳ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی، ۲/ ۹۳ [3] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/ ۹۳

دینی اصلاح کی ایک ایسی عجیب و غریب لہر دوڑی جس کی مثال قریبی زمانہ میں نہیں ملتی۔
سوال: کیا اس دورہ میں جہاد کی ترغیب بھی ہوتی تھی؟
جواب: جی ہاں آپ موقع محل کی مناسبت سے جہاد کی ترغیب بھی دیتے تھے اور خود بھی اسلحہ لگاتے تاکہ دوسروں کو اس کی اہمیت معلوم ہو۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک مرید کو ایک طمنچہ دیا اور فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے ہتھیار لگاؤ۔ پیٹ بھر کھاؤ اور اسلحہ کے استعمال کی مشق کرو، اس سے بہتر کوئی فقیری اور درویشی نہیں۔[۱]
سوال: اس دورہ میں آپ دہلی کب واپس آئے؟
جواب: دورہ کے درمیان آپ سہارنپور سے رائے بریلی جاتے ہوئے مئی یا جون ۱۸۱۹ء میں دہلی تشریف لائے تھے اور یہاں آپ نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے ملاقات کی اور یہ ان سے زندگی میں آپ کی آخری ملاقات تھی۔[۲]

سید صاحبؒ کا دوسرا دورہ

سوال: اس کے بعد اگلا قدم کیا اٹھایا گیا؟
جواب: ۱۸۲۱ء میں رائے بریلی سے سید صاحب نے اپنے دوسرے عظیم الشان اصلاحی دورہ کا آغاز فرمایا۔[۳]
سوال: اس دورہ کا مقصد کیا ظاہر کیا گیا؟
جواب: مقصد اصلی تو بہر حال جہاد تھا لیکن عنوان اس وقت یہ اختیار کیا گیا کہ کچھ علماء نے عرصہ دراز سے اس طرح کے فتوے صادر کر رکھے تھے کہ راستے کا امن وامان مفقود ہونے کی وجہ سے اب اہل ہند پر حج فرض نہیں رہا ہے۔ ان فتاویٰ کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگوں نے سفر حج پر جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے سید صاحبؒ نے ضروری سمجھا کہ دورہ کے مقاصد میں اصلاح کے ساتھ ساتھ فریضہ حج کی ادائیگی کا عنوان بھی سامنے لایا جائے تاکہ عوام وخواص میں اس فریضہ کے انجام دینے کا حوصلہ پیدا ہو۔[۴]
سوال: آپ کس راستہ سے حج کو تشریف لے گئے۔
جواب: رائے بریلی سے الہ آباد، مرزاپور، پٹنہ، مونگیر، بھاگلپور، مرشدآباد ہوتے ہوئے

---

۱ سیرت سید احمد شہید ۱/۲۳۶، علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۱۰۲ ۲ علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۱۰۹
۳ علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۱۳۲ ۴ سیرت سید احمد شہید

آپ کلکتہ رونق افروز ہوئے اور وہاں دو ماہ قیام فرمایا[1] صرف کلکتہ کے زمانہ قیام میں تقریباً ساٹھ ہزار افراد نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ دو مہینہ تک روزانہ ایک ہزار آدمی کے قریب بیعت سے مشرف ہوتے تھے[2]

سفر حج

سوال: آپ کے ساتھ سفر حج پر جانے والے حضرات کی تعداد کیا تھی؟

جواب: رائے بریلی سے جب آپ چلے تھے تو چار سو افراد آپ کے ہمراہ تھے لیکن کلکتہ پہنچتے پہنچتے یہ تعداد آٹھ سو تک پہنچ گئی۔ چنانچہ سفر کے لیے پانی کے گیارہ جہاز کرائے پر لئے گئے جن پر یہ مقدس قافلہ روانہ ہوا[3]

سوال: حجاز مقدس میں آپ کے قافلے کا کتنے دن تک قیام رہا؟

جواب: ساڑھے تیرہ مہینے آپ حجاز مقدس میں مقیم رہے، جس میں زیادہ وقت مکہ معظمہ میں گذارا[4]

سوال: اس پورے سفر میں یعنی رائے بریلی سے چل کر رائے بریلی واپس آنے تک کل کتنی مدت صرف ہوئی؟

جواب: اس پورے سفر کی مدت دو سال دس ماہ رہی[5]

سوال: آپ واپس کب ہوئے؟

جواب: ۲۹ ؍ اپریل ۱۸۲۴ء کو آپ اپنے وطن عزیز رائے بریلی واپس ہوئے[6]

کیا سید احمد شہیدؒ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے پیروکار بن گئے تھے؟

سوال: یہ پروپیگنڈہ بہت شدت سے کیا جاتا ہے کہ سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء سفر حج کے بعد محمد بن عبد الوہاب کے نظریات سے متفق بلکہ ان کے مبلغ بن گئے تھے۔ اور وہ ہندوستان میں بھی عام مسلمانوں کی رائے کے برخلاف انہی نظریات کی تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: یہ سراسر جھوٹا الزام ہے۔ اور انگریز نے سید صاحبؒ کی تحریک کو بے اثر کرنے

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی، ۲/ ۱۳۱ [2] سیرت سید احمد شہیدؒ، ۱/ ۳۲۳ [3] نقش حیات ۲/ ۲۳

[4] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/ ۱۳۳ [5-6] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/ ۱۵۶

کے لیے ایک باقاعدہ منصوبہ کے تحت اس الزام کی اتنی تشہیر کی کہ آج بھی بہت سے ذہنوں میں یہی بات راسخ ہے۔ حالانکہ تاریخی حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ محمد بن عبدالوہاب (جو اپنے دور کے ایک سخت گیر مصلح تھے) سے یا ان کی تحریک سے سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء اور جماعت کا کبھی بھی کسی طرح کا کوئی رابطہ نہیں رہا محمد بن عبدالوہاب اور ان کے حامی نجدی امراء کی حکومت ۱۷۴۶ء سے ۱۸۱۸ء تک رہی اس کے بعد ترکی اور مصری فوجوں نے ان کی حکومت کا بالکل خاتمہ کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ نجد میں ان کے صدر مقام درعیہ کو بھی فتح کر لیا۔ اور ۱۸۱۸ء کے بعد ان کا کوئی اثر حجاز مقدس اور حرمین شریفین میں باقی نہیں رہا، بلکہ ان کی بیجا سختیوں کی وجہ سے علماء اور عوام نجدی حکومت سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ اسی زمانہ میں (۱۸۲۲ء میں) حضرت سید احمد شہیدؒ حجاز مقدس تشریف لے جاتے ہیں تو اس وقت ان کا "وہابی تحریک" سے متاثر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خود محمد بن عبدالوہابؒ بھی ۱۷۹۲ء میں وفات پا چکے تھے۔ ان سے سید صاحب کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس لیے سید صاحب یا ان کے رفقاء یا بعد میں پیدا ہونے والے علماء و مجاہدین کو وہابی کہنا انگریز کے شاطرانہ منصوبہ کا ایک حصہ ہے۔[۱] آج بھی بہت سے مسائل میں علماء نجد (وہابیوں) اور علماء حق (علماء دیوبند وغیرہ) کے درمیان اختلافات موجود ہیں۔

سید صاحبؒ کی تحریک کا سرپرست کون؟

سوال: سید صاحبؒ کی تحریک کا سرپرست کون تھا؟

جواب: اپنے استاذ و مربی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے حکم و ایماء پر حضرت سید احمد شہیدؒ نے اس اصلاحی اور سیاسی جدوجہد کا آغاز فرمایا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ہی اس تحریک کے سرپرست اعلیٰ تھے۔

سوال: کیا سفر حج سے واپسی پر سید صاحبؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز سے ملاقات فرمائی؟

---

[۱] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۲۲۶-۲۳۵

جواب: سید صاحبؒ براہ کلکتہ ۲۹ ر اپریل ۱۸۲۴ء کو رائے بریلی پہنچے اور اس کے کل سات دن بعد ۶ ر مئی ۱۸۲۴ء کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں دہلی میں وصال فرما گئے۔ اس لیے سید صاحبؒ کو آپ سے ملاقات کا موقع نہ مل سکا[1]

سوال: حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بعد ان کا جانشین کون منتخب ہوا؟

جواب: حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی جانشینی کی سعادت حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے حصہ میں آئی[2]

سفر جہاد

سوال: سفر حج سے واپسی پر سید صاحب کی سرگرمیاں کیا رہیں؟

جواب: حج کے مقدس سفر سے وطن واپس آکر آپ ہمہ تن جہاد کی تیاریوں میں مشغول ہوگئے۔ منشی محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں:

"وطن پہنچ کر کچھ عرصہ تک تو مرمت مکانات میں جو آپ کی غیر حاضری میں ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ آپ مصروف رہے۔ اس سے فارغ ہو کر سفر جہاد کی تیاری کرنے لگے۔ مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحئیؒ وغیرہ علماء کو واسطے بیان کرنے مضامین ترغیب ہجرت و جہاد اطراف ہندوستان میں روانہ کر دیا گیا۔ اس وقت سید صاحب کے مکان پر بجائے مراقبہ و مشاہدہ اور توجہ دینی کے فضیلت ہجرت و جہاد کا بیان اور تلوار و بندوق کی صفائی اور قواعد چاند ماری و گھوڑ دوڑ ہوا کرتی تھی۔ اب بجائے صوفی و درویش ہر شخص سپاہی بن گیا۔ تسبیح کے عوض ہاتھ میں تلوار اور فراخ و جبہ کی جگہ چست الخالق اور پیچ دار سربند لباس ہو گیا[3]"

سوال: آپ کتنے دن وطن میں جہاد کی تیاریوں میں مشغول رہے؟

جواب: تقریباً دو سال تک آپ تیاری فرماتے رہے۔

سوال: سفر ہجرت و جہاد کا آپ نے کب آغاز فرمایا؟

جواب: ۱۷ ر جنوری ۱۸۲۶ء کو آپ رائے بریلی سے "مرکز جہاد" صوبہ سرحد کی طرف روانہ ہوئے[4]

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/ ۱۷۷ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/ ۱۷۹

[3] سوانح احمدی ص ۸۹ بحوالہ علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/ ۱۸۳ [4] تحریکات ملی ص ۱۶ بحوالہ سید احمد شہید ۱/ ۲۲۹

جہاد کا مرکز

سوال: پورا ہندوستان چھوڑ کر صوبہ سرحد اور آزاد قبائلی علاقہ کو سید صاحب نے جہاد کا مرکز کیوں بنایا؟

جواب: صوبہ سرحد کو مرکز جہاد بنانے کی کئی اہم وجوہات تھیں (۱) جہاد کے مرکز کے لیے ایسے علاقے کی ضرورت تھی، جو خالص مسلم ہو۔ اور کسی خارجی طاقت کے زیرنگین نہ ہو یہ بات اس وقت صوبہ سرحد میں بظاہر بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ (۲) مشہور تھا کہ آزاد قبائل میں بسنے والے غیور پٹھان دینداری اور ملی غیرت و حمیت میں دیگر مسلمانوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کا تعاون حاصل کرنے کی غرض سے سرحد کو مرکز بنانا مناسب معلوم ہوا۔ (۳) متواتر اطلاعات آرہی تھیں کہ پنجاب میں سکھوں کی حکومت (جو انگریزوں کی حلیف تھی) اپنی مسلم رعایا کو مشق ستم بنا رہی ہے۔ اس ظلم وستم کو روکنے کے لیے بظاہر صوبہ سرحد بہترین مرکز بن سکتا تھا۔ (۴) نیز افغانستان، ایران اور دیگر اسلامی ممالک سے امداد حاصل کرنے کے لیے بھی یہ مرکز نہایت موزوں تھا۔[۱]

سوال: سید صاحب صوبہ سرحد میں سب سے پہلے کہاں آکر مقیم ہوئے اور راستہ میں کن کن علاقوں میں سے آپ کا گذرا ہوا؟

جواب: آپ رائے بریلی سے گوالیار، ٹونک، اجمیر، حیدرآباد، سندھ، شکارپور، کوئٹہ، قندھار، غزنی اور کابل سے گذرتے ہوئے پشاور پہنچے پھر وہاں سے چارسدہ پہنچ کر قیام فرمایا اور اسی جگہ کو اپنا مرکز قرار دیا اس سفر میں تقریباً ۱۰ ماہ خرچ ہوئے۔[۲]

سوال: اس سفر میں آپ کے ساتھیوں کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: ابتداء میں پانچ سو مجاہدین تھے۔ مرکز پہنچتے پہنچتے ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار ہوگئی۔ بعد میں مجاہدین کی جماعتیں ہندوستان کے طول و عرض سے آتی رہیں۔

مقابل انگریز یا سکھ

سوال: جہاد کی ابتداء کب ہوئی؟

---

[۱] ماخوذ سیرت سید احمد شہید ۱/ ۲۲۴-۲۲۶ [۲] علماء ہند کا شاندار ماضی، ۲/ ۱۸۹

جواب: آپ کا سب سے پہلے سکھوں سے مقابلہ ۲۱؍دسمبر ۱۸۲۶ء (مطابق ۲۰ جمادی الاول ۱۲۴۰ھ) کو ہوا جس میں ۳۷ مجاہدین شہید اور ۳۵ زخمی ہوئے۔ تاہم یہ مقابلہ کامیاب رہا۔ جس سے پورے علاقہ میں مجاہدین کی قوت اور بہادری کا شہرہ ہو گیا۔ اور علاقہ کے سردار رفتہ رفتہ سید صاحب کے ارد گرد جمع ہونے لگے[1]

سوال: سید صاحبؒ کا اصل مقابلہ سکھوں سے تھا یا انگریز سے؟

جواب: واقعہ یہ ہے کہ سید صاحبؒ اور ان کی جماعت کا اصل منشا انگریزی استعمار کو ہندوستان سے ختم کرنا اور یہاں حقیقی مذہبی و معاشرتی آزادی قائم کرنا تھا۔ اس کی واضح دلیل آپ کا وہ مکتوب ہے جو آپ نے مرکز جہاد سے ریاست گوالیار کے مدارالمہام راجہ ہندو راؤ کے نام تحریر فرمایا۔ اس فارسی مکتوب کے بعض اقتباسات اردو میں پیش ہیں، سید صاحب فرماتے ہیں:

"جناب کو خوب معلوم ہے کہ وہ بیگانہ اور اجنبی جو وطن عزیز سے بہت دور رہنے والے دنیا و جہان کے مالک بن گئے اور سودا بیچنے والے دوکاندار بادشاہ کے درجہ کو پہنچ گئے بڑے بڑے امیروں کی عمارت اور بلند مرتبہ روٴسا کی ریاست کو برباد کر دیا ہے اور ان کی عزت اور ان کا اعتماد بالکل ختم کر دیا ہے۔ چونکہ وہ لوگ جو ریاست و سیاست کے مالک تھے وہ گوشہ گمنامی میں بیٹھ گئے ہیں۔ ناچار چند بے سروسامان فقیر کمر ہمت کس کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ کمزوروں کی یہ جماعت محض اللہ کے دین کے تقاضہ سے اس خدمت کے لیے کھڑی ہو گئی ہے، یہ لوگ جاہ طلب دنیا دار نہیں ہیں۔ بلکہ ایک مذہبی اور اخلاقی فرض سمجھ کر اس خدمت کے لیے اٹھے ہیں۔ مال و دولت کا قطعاً کوئی لالچ نہیں ہے۔

جس وقت ہندوستان کا میدان ان غیر ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائے گا اور ہماری کوششوں کا تیر مراد کے نشانہ تک پہنچ جائے گا، حکومت کے عہدے اور منصب ان کے سپرد ہوں گے جو اس کے مستحق ہیں اور انہی کی شوکت و عظمت کی جڑیں مضبوط کی جائیں گی۔ ہم کمزوروں کو بڑے بڑے روٴسا اور بلند مرتبہ عمائدین سے صرف اتنی بات درکار ہے کہ اہل اسلام کو ان کا دلی تعاون حاصل رہے اور مسند حکومت ان کو مبارک ہے[2]"

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۲۱۶ [2] نقوش حیات ۲/۱۳-۱۴

اس طویل اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ سید صاحب کا اصل مقابلہ انگریزوں سے تھا لیکن صورتحال کچھ اس طرح بن گئی کہ سکھوں سے مقابلہ ناگزیر ہو گیا یا بالفاظ دیگر یہ کہیے کہ انگریز نے اپنی فطری چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس تحریک کا رخ اپنی طرف ہونے کے بجائے سکھوں کی جانب پلٹ دیا اس سے نہ صرف یہ کہ انگریز کو سید صاحبؒ کے مقابلہ سے نجات مل گئی بلکہ سکھوں سے اپنی دوستی کی مضبوطی اور صوبہ پنجاب میں مکمل دخل اندازی کا بہانہ بھی ہاتھ آگیا اور اس حکمت عملی سے انگریز نے ایک تیر سے دو شکار کئے یعنی سید صاحب کو سکھوں کے ذریعہ شکست دلوا کر خود سکھوں کی حکومت کے حصے بخرے بھی کرا دیئے۔ جس کا نتیجہ چند سالوں میں ہی کھل کر سامنے آگیا۔

سوال: سید صاحبؒ نے کیا سمجھ کر سکھوں سے مقابلہ کیا؟

جواب: سکھوں سے جہاد کرنے میں سید صاحبؒ کے لئے اصل محرک دو چیزیں تھیں:(۱) انھیں برابر یہ خبریں مل رہی تھیں کہ سکھ اپنی مسلم رعایا پر ظلم وستم کر رہے ہیں۔ (۲) سکھوں کی حکومت اسلامی علاقوں اور انگریز کے مقبوضہ علاقوں کے درمیان واحد رکاوٹ تھی۔ اس لیے درمیان میں اسے ختم کئے بغیر انگریز سے کسی فیصلہ کن جنگ کا موقع نہ تھا۔ اس لیے ضروری محسوس ہوا کہ پہلے سکھوں کی ظالم وجابر حکومت کا خاتمہ کیا جائے اور پھر ایک مضبوط طاقت بنا کر انگریزوں سے براہ راست مقابلہ کی راہ ہموار کی جاسکے۔ چنانچہ آپ نے سرحد سے سکھوں کے راجہ رنجیت سنگھ کے نام یہ پیغام بھیجا تھا:

"ہم لوگ نہ تیرے ملک و مال کے طالب ہیں نہ تیری جان اور عزت کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ نہ لڑنے کے خواہاں ہیں۔ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ساتھ دے اور ہمارا رفیق بن جا۔ دشمنوں کے خلاف جہاد کر کے ہم ملک تیرے حوالے کر دیں گے۔ یہ دعوت منظور نہ کی تو لڑائی کے سوا چارہ نہیں ہے[1]"

جب رنجیت سنگھ نے سید صاحبؒ کے اس پیغام کو منظور نہ کیا تو پھر مجبوراً اس کے خلاف اعلان جنگ کرنا پڑا۔

---

[1] سرگذشت مجاہدین۔ ص ۔۔۔ بحوالہ مقدمہ تحریک شیخ الہند۔ ص ۵۶

عارضی حکومت

سوال: سکھوں سے جہاد کے لیے سید صاحبؒ نے کیا نظام بنایا؟

جواب: دسمبر ۱۸۲۶ء میں پہلا معرکہ سر کرنے کے بعد آپ نے اپنے زیر اثر علاقہ میں ۱۰ر جنوری ۱۸۲۷ء کو عارضی حکومت قائم کر دی۔ اور قصبات میں اپنے عمال اور مبلغین مقرر فرمائے۔ نیز ملک کے دُور دراز علاقوں میں مراکز قائم کیے تاکہ جہاد کے لیے سامان رسد مہیا ہوتا رہے۔ اور افراد کی تشکیل کی جاتی رہے[1]۔

سوال: عمال و مبلغین کے تقرر کا کیا اثر ہوا؟

جواب: سید صاحبؒ کے عمال نے ہر جگہ اسلامی احکامات جاری کیے عشر و خراج کے وصولی کا نظام بنایا۔ اور غیر شرعی رسومات کا اپنے علاقہ سے بالکل خاتمہ کر دیا گویا کہ ایک چھوٹی سی واقعی اسلامی ریاست وجود میں آگئی[2]۔"

سوال: کیا اس حکومت کو علاقہ کے سرداروں نے قبول کر لیا تھا؟

جواب: ظاہر میں تو سب اطاعت گذار تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت کی بالادستی اور رسومات کی بیخ کنی سے اغراض پرست امراء کی نیند حرام ہو گئی تھی اور وہ برابر سید صاحبؒ کی تحریک کو نقصان پہنچانے میں لگے رہتے تھے[3]۔

ملک کے دیگر حصوں سے سید صاحبؒ کا رابطہ

سوال: کیا سرحد میں تحریک جہاد کے دوران سید صاحبؒ کا ملک کے دیگر علاقوں سے بھی رابطہ رہا؟

جواب: دہلی کے مرکز سے آپ کا مسلسل رابطہ تھا، جہاں کے ذمہ دار حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ برابر تحریک کے لیے مالیہ اور رسد کی فراہمی کا کام انجام دے رہے تھے اس کے علاوہ آپ نے سرحد آنے کے بعد اپنے خاص متوسلین مولانا محمد علی رامپوری، مولانا ولایت علی صاحبؒ، مولانا عنایت علی صاحبؒ، مولانا محمد قاسم پانی پتی اور مولانا سید اولاد حسن صاحبؒ قنوجی کو بالترتیب مدراس، حیدرآباد، بنگال، بمبئی اور

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/ ۱۹۰-۱۹۲ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/ ۱۹۱ [3] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/ ۲۱۶

یو۔پی کے مختلف حصوں میں تبلیغ و تنظیم کے مقاصد سے روانہ فرمایا تھا۔ ان مراکز سے نہ صرف مالیہ فراہم ہوتا تھا بلکہ مجاہدین کی بھی تشکیل ہوتی تھی۔[۱]"

غداریوں کا ظہور

سوال: علاقہ کے امراء کی طرف سے سب سے پہلے غداری کا ظہور کہاں ہوا؟

جواب: عارضی حکومت کے قیام کے چند روز بعد "سیدو" کے میدان میں سکھ فوج سے معرکہ کارزار گرم ہوا۔ اسی رات میں یار محمد خاں حاکم پشاور نے سید صاحبؒ کے کھانے میں زہر ملا کر بھجوایا، جسے کھا کر سید صاحبؒ کی حالت غیر ہو گئی۔ مگر سید صاحبؒ اسی حالت میں ہاتھی پر سوار ہو کر میدانِ جنگ پہنچ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت سید صاحبؒ کی فوج میں ایک لاکھ افراد شریک تھے۔ جنگ میں ابتداءً مجاہدین کا پلہ بھاری تھا۔ مگر سردارانِ پشاور اپنی فوج اور سامانِ جنگ لے کر میدان سے فرار ہو گئے اور یہ فتح شکست سے بدل گئی۔ بمشکل تمام مجاہدین جان بچا کر ایک گاؤں میں پناہ گزیں ہوئے۔ جہاں ایک ہفتہ کے بعد سید صاحبؒ کو صحت نصیب ہوئی۔[۲]"

مفاد پرست مسلم امراء سے مقابلہ

سوال: سید صاحبؒ کا مخالف سرداروں کے ساتھ کیا رویہ رہا؟

جواب: اب سید صاحبؒ نے اپنا مرکزی مقام "پنجتار" کو بنایا جو نسبتاً ایک محفوظ مقام تھا اور اپنی ساری طاقت وہیں جمع کر لی۔ اور وہیں سے "مقابلوں" کا نظام بنایا جاتا رہا۔ سکھوں کی سازش سے اب مقابلہ میں وہی مفاد پرست امراء آنے لگے جو پہلے سے سکھوں کے باج گزار تھے۔ اور محض وقتی طور پر سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے تھے۔ پہلے ہنڈ کے سردار خان ولی خاں سے مقابلہ ہوا جس میں مجاہدین کو فتح ہوئی اور قلعہ ہنڈ پر قبضہ کر لیا گیا۔ پھر یار محمد خاں سردار پشاور کی فوجوں سے مقابلہ ہوا۔ اس میں بھی مجاہدین کو کامیابی ہوئی اور ۱۸۲۹ء کے اواخر میں پشاور بھی مجاہدین کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔[۳]"

---

[۱] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/ ۱۹۱ [۲] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/ ۲۱۸-۲۱۹ [۳] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/ ۲۱۷-۲۱۸

سوال: فتح پشاور کا ردعمل کیا ہوا؟
جواب: فتح پشاور رنجیت سنگھ کی حکومت اور اس کے زیر اثر امراء و سرداروں کے لیے موت کا پیغام تھی۔ اس لیے اس واقعہ سے شکست خوردہ سرداروں میں آتش انتقام اور تیز ہوگئی اور انھوں نے سید صاحبؒ کے خلاف خفیہ سازشیں شروع کر دیں[1]

المناک سانحہ اور سید صاحبؒ کی مایوسی

سوال: سید صاحبؒ کی تحریک کے خلاف مخالفوں نے کیا حربہ اپنایا؟
جواب: شکست خوردہ سرداروں نے انگریزوں اور سکھوں کے اشارہ پر سید صاحبؒ کی تحریک کو "وہابی تحریک" کا نام دے کر بدنام کرنا شروع کر دیا۔ اور چونکہ اس وقت وہابی تحریک کی تشدد آمیزی کی بنا پر مسلمانوں میں اس کے خلاف شدید نفرت کے جذبات پائے جاتے تھے۔ اس لیے وہابیت کے پروپیگنڈے سے سرحدی پٹھانوں میں سید صاحبؒ اور ان کے عمال کے خلاف سخت غصہ کا ماحول پیدا ہو گیا۔
سوال: اس پروپیگنڈے کا انجام کیا ہوا؟
جواب: اس جھوٹے پروپیگنڈے سے اس قدر اشتعال پیدا ہوا کہ مفاد پرست پٹھان سرداروں کے اشارے پر ایک ہی شب میں علاقہ میں پھیلے ہوئے سیکڑوں عمال و مجاہدین کو مقامی لوگوں نے نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر دیا۔ گویا کہ سید صاحبؒ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کی بساط ہی الٹ دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ چار ہزار مجاہدین کا ایک رات میں قتل عام کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون[2]"
سوال: اس المناک سانحہ سے سید صاحبؒ پر کیا اثر ہوا؟
جواب: اس وحشت ناک حادثہ نے سید صاحبؒ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ ان مفاد پرست سرداروں پر اب بھروسہ ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے آپ نے اپنے مرکز "پنجتار" سے منتقل ہو کر "سندھ" کو مرکز بنانے کا فیصلہ کر لیا[3]" اور سرحد کے مرکز سے روانہ ہو گئے۔ اور ساتھیوں کو اجازت دے دی کہ جو جانا چاہے چلا جائے۔ مگر کسی نے سید صاحبؒ کی جدائی گوارا نہ کی۔

---
[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۲۲۰ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۲۲۱ [3] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۲۲۲

سوال: آپ پنجتار سے کب روانہ ہوئے؟
جواب: فتح پشاور کے ۱۶ مہینے کے بعد آپ پنجتار سے روانہ ہوئے[1]
سوال: آپ کی عارضی حکومت کتنے دن قائم رہی؟
جواب: عارضی حکومت کی کل مدت چار سال چار ماہ ہے[2]

معرکۂ بالاکوٹ

سوال: پنجتار سے روانگی کے بعد کیا صورت پیدا آئی؟
جواب: سید صاحبؒ کے روانہ ہوتے ہی علاقہ پشاور اور سمہ پر سکھ فوج نے قبضہ جمالیا۔ اور دوسری طرف یہ فوجیں سید صاحبؒ کا قافلہ روکنے لگیں۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکیں تاآنکہ یہ مقدس قافلہ بالاکوٹ پہنچ گیا اور پہاڑوں کے بیچ ایک محفوظ مقام پر خیمہ زن ہوگیا۔
سوال: سید صاحبؒ کا آخری مقابلہ کس سے ہوا؟
جواب: مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بیٹا شیر سنگھ بالاکوٹ سے چند میل کے فاصلے پر بیس ہزار فوج کے ساتھ مقیم تھا اور کوشش میں تھا کہ سید صاحبؒ کی طاقت کو بالکل ختم کردیا جائے تاکہ آئندہ سکھ حکومت کو کوئی خطرہ نہ رہے چنانچہ اس نے بعض غداروں سے سازباز کرکے راتوں رات راستہ کی رکاوٹوں کو عبور کیا اور صبح کو اچانک مجاہدین کی جماعت پر بھرپور حملہ کردیا۔ سید صاحبؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مردانہ وار دفاع کیا۔ لیکن دشمن کی کثرت اور پہلے سے باقاعدہ تیاری نہ ہونے کی وجہ سے کوئی جدوجہد کارگر نہ ہوسکی۔ اور ۷ رمئی ۱۸۳۱ء مطابق ۲۴ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ جمعہ کا مبارک دن تھا جب دن میں دس گیارہ بجے اس مقدس جماعت کے ۳۰۰ جیالوں نے اپنے قائد سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی قیادت میں جام شہادت نوش کرکے حیات جاودانی حاصل کی[3] اور دین پر جان قربان کردینے والوں میں سنہرے حروف سے اپنے نام نقش کرگئے۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔

---

[1] [3] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۲۲۲ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۲۲۳

بپا کردند خوش رسمے خاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سوال: سید صاحبؒ کی تجہیز وتکفین کہاں ہوئی؟
جواب: سکھ فوج نے جنگ ختم ہونے پر سب شہیدوں کا احترام کیا۔ سکھ فوج کے مسلمان سپاہیوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ اور اسی میدان میں اعزاز کے ساتھ شہیدوں کو دفن کیا گیا[1]۔"

سیّد صاحبؒ کے اخلاق واوصاف

سوال: سیّد صاحبؒ کے اخلاق واوصاف کیسے تھے؟
جواب: قائد تحریک سیّد صاحبؒ جامع اوصاف وبلند اخلاق کے حامل تھے۔ مولانا سیّد ابوالحسن علی میاں ندوی علیہ الرحمہ نے آپ کے اخلاق واوصاف کا ایک جامع خاکہ ان الفاظ میں لکھا ہے کہ:

"سیّد صاحبؒ کے اخلاق واوصاف کا مرکزی نقطہ اور نمایاں وصف یہ ہے کہ آپ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مناسبت تامہ اور مزاج نبویؐ سے طبعی وذوقی اتحاد نظر آتا ہے۔ آپ کے حالات واخلاق کا جو شخص دیانتداری اور غیر جانبداری کے ساتھ مطالعہ کرے گا، وہ آپ کے فیصلوں، طبعی رجحانات اور حدیث وسیرت کے واقعات میں بکثرت توارد پائے گا، اور یہی طبعی مناسبت کے معنی ہیں کہ جہاں علم نہ ہو وہاں بھی بے تکلف طبیعت اسی طرف مائل ہو جائے جدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا میلان ہوتا۔ سلامت طبع، توازن دماغی، اعتدال وتوسط، جامعیت، معاملہ فہمی، سادگی کے ساتھ گہرا فہم، حیا کے ساتھ جرأت واظہار حق، تحمل وعفو کے ساتھ حمیت شرعی اور غیرت دینی، شفقت کے ساتھ جذبہ جہاد واجرائے حدود، ذوق عبادت کے ساتھ ذوق جہاد وشوق شہادت، مسلمانوں کے معاملے میں لینت ورفق کے ساتھ اہل کفر پر شدت، قناعت واستغنا کے ساتھ عالی ہمتی وبلند حوصلگی، فقر اور فاقے کی حالت میں سخاوت ودریادلی، رفقا کے ساتھ مساوات واشتراک عمل، شجاعت وقوت

---

[1] سوانح احمدی، ص ۱۷۹ بحوالہ علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۲۲۳

قلب کے ساتھ رقتِ قلب و لطافتِ نفس، صبر و تحمل کے ساتھ نزاکتِ فہم و ذکاوتِ حس، تواضع کے ساتھ وقار و ہیبت، مروجہ علوم کے بغیر اعلیٰ درجے کی حکمت و فقاہت، بسط و تفصیل کے بجائے اجمال و اختصار، فروع و جزئیات کے بجائے اصول و کلیات کی طرف رجحان، اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہ لینا، نہ کسی کا دل توڑنا، احکام و حدود کے سلسلے میں کسی کی پروا نہ کرنا، ہر شخص کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا کہ وہ یہ سمجھے کہ اس سے زیادہ مقرب و محبوب کوئی نہیں، لیکن حدیث أُمِرْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ (لوگوں کو ان کے مرتبوں پر رکھو) پر پورا عمل۔ یہ وہ اوصاف و خصوصیات ہیں جن میں شمائلِ نبوی کا پرتو صاف نظر آئے گا۔ یہ اتباعِ سنت اور اقتداءِ کامل کا وہ اعلیٰ درجہ ہے، جو فطری مناسبت، تربیتِ ربانی اور سنت میں فنا ہوئے بغیر حاصل نہیں ہوتا[1]"

سوال: کیا سید صاحبؒ کی تحریک میں کسی ہندو کی شرکت کا بھی ثبوت ملتا ہے؟

جواب: اگرچہ سید صاحبؒ نے بعض ہندو امراء سے تعاون کی درخواست کی، لیکن فوجیوں اور میدانِ جنگ کے جانبازوں میں ہندو نظر نہیں آتے۔ ایک شخص راجہ رام توپچی (جس نے اتمان زئی کے مقام پر جنگ کے دوران توپ خانہ کے فرائض انجام دیے تھے) کی شرکت کا پتہ چلتا ہے[2]"

سوال: سید صاحبؒ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کے بعد بھی تحریک چلتی رہی؟

جواب: جی ہاں! سید صاحبؒ کے بعض خلفاء نے دوبارہ تحریک کو منظم کیا اور وقفہ وقفہ سے جہاد کا علم بلند کرتے رہے۔

---

[1] سیرت سید احمد شہیدؒ ۲/۶۶-۴۶۵ [2] نقش حیات ۲/۳۲

ملک کے مختلف علاقوں میں
حضرت سید احمد شہیدؒ
کے متوسلین کی جدوجہد

- دہلی کے مرکز کی سرگرمیاں
- علماء صادق پور کی قربانیاں
- آزاد قبائلی علاقہ میں جہادی تحریکات

سیّد احمد صاحبؒ کی شہادت کے بعد

سوال: حضرت سید احمد صاحبؒ کی بالا کوٹ میں شہادت کے بعد آپ کے متوسلین نے کیا نظام بنایا؟

جواب: واقعہ شہادت کے بعد سرحدی مقام "استھانہ" میں چھاپہ مار (گوریلا جنگ) کے لیے مرکز جہاد قائم کر دیا گیا[1]

سوال: اس مرکز کے ذمہ دار کون تھے؟

جواب: ابتداءً سید صاحبؒ کے ممتاز عقیدت کیش مولانا محمد قاسم صاحب پانی پتی مظفر آباد (کشمیر) سے روانہ ہو کر یہاں پہنچے اور انھوں نے باقی ماندہ مجاہدین کو جمع کیا[2]

دہلی کے مرکز کی سرگرمیاں

سوال: "استھانہ" کے مرکز کو اندرونِ ملک کہاں سے تعاون ملتا تھا؟

جواب: تحریک کا ایک اہم مرکز دہلی تھا جہاں حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے نواسے حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ مقیم تھے اور مجاہدین کے لیے مالیہ کی فراہمی اور افراد کی تشکیل کا کام پہلے سے ہی انجام دیتے آئے تھے چنانچہ آپ ہی کے حکم سے آپ کے داماد حضرت مولانا سید نصیر الدین صاحب (جو حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے نواسہ تھے) اپریل ۱۸۳۵ء میں ہجرت کی نیت سے دہلی سے روانہ ہوئے اور ریواڑی، جے پور، ٹونک، اجمیر، جودھپور، سندھ ہوتے ہوئے تقریباً ۴ سال کے بعد ۱۸۳۹ء کے اواخر یا ۱۸۴۰ء کے اوائل میں "استھانہ" پہنچے اور جماعت مجاہدین کی

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۱/۲۲۴ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ۳/۲ (حاشیہ)

امارت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔[۱]

سوال: کیا "استھانہ" کے مرکز کے لیے اس وقت کے مسلم عوام میں تعاون کا کوئی جوش اور ولولہ پایا جاتا تھا؟

جواب: تحریک کے رہنماؤں نے ایسی فضا بنادی تھی کہ خود بخود لوگ اس تحریک میں کسی طرح بھی شرکت اپنے لیے ایک مذہبی فرض سمجھنے لگے تھے۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب لکھتے ہیں: ایک بہت بڑے انگریز نے جو شمال مغربی صوبہ میں نیل کی بہت بڑی تجارت کرتا تھا، ولیم ولسن ہنٹر (مشہور انگریز مورخ) کو بتایا کہ اس کے بہت سے دیندار مسلمان ملازموں کا یہ عام قاعدہ تھا کہ وہ اپنی تنخواہوں کا معین حصہ "استھانہ کیمپ" کے لیے علیحدہ کردیا کرتے تھے۔ اور جو ان میں زیادہ جوشیلے اور بہادر تھے وہ کسی نہ کسی مدت کے لیے منصب امام کے ماتحت خدمات انجام دینے کے لیے چلے جاتے تھے۔[۲]

سوال: مولانا سید نصیر الدین صاحبؒ کا دائرۂ اثر کہاں تک پھیلا ہوا تھا؟

جواب: مولانا نے ملک کے اہم علماء اور زعماء ملت کو خطوط لکھ کر انھیں آزادی کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا تھا۔ مولانا غلام رسول مہر نے ایک سو چھ ایسے حضرات کے نام لکھے ہیں جن سے مسلسل مولانا سید نصیر الدینؒ کا رابطہ رہا ہے۔ اور ان میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جنھوں نے بعد میں تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں بھی حصہ لیا۔[۳]

سوال: حضرت مولانا نصیر الدین صاحبؒ کب تک اس جماعت کے امیر رہے؟

جواب: مولانا موصوف کو ابھی استھانہ پہنچے ہوئے ایک سال بھی پورا نہ ہوا تھا کہ آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور ۱۸۴۰ء میں وصال فرماگئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔[۴]

سوال: کیا مولانا نصیر الدین صاحبؒ اور ان کے رفقاء نے عملاً جہاد میں حصہ لیا تھا؟

جواب: جی ہاں مولانا دہلی سے چل کر جب سندھ ہوتے ہوئے پنجاب پہنچے تو یہاں ۱۸۳۷ء میں آپ نے سکھوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ اس کے بعد آپ بلوچستان ہوتے ہوئے غزنی پہنچے اور وہاں آپ نے والی کابل امیر دوست محمد خاں کی حمایت میں انگریزوں اور سکھوں کے خلاف نہایت جاں نثاری کے ساتھ جہاد کیا لیکن اپنوں

---

۱ مقدمہ تحریک شیخ الہند۔ ص ۵۵ ۲ علماء ہند کا شاندار ماضی ۲/۳

۳ علماء ہند کا شاندار ماضی ۶۸/۳ ۴ سرگزشت مجاہدین

عی کی غداری سے یہ جدو جہد بھی ناکامی پر منتج ہوئی۔ اور بہت سے مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔ بہرحال یہاں سے نکل کر کسی طرح حضرت مولانا نصیر الدین صاحبؒ باقی ماندہ رفقاء کے ساتھ "استھانہ" پہنچے۔ وہاں مجاہدین کی امارت فرمائی[۱]۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کی ہجرت

سوال: مولانا نصیر الدین صاحبؒ کی وفات کے بعد دہلی کے مرکز کا کیا حال ہوا؟

جواب: دہلی میں حالات ناموافق ہونے لگے تھے۔ اس لیے حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ اپنے برادر گرامی حضرت شاہ محمد یعقوب صاحبؒ اور دیگر متعلقین کے ہمراہ ۱۸۴۴ء میں ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔

سوال: آپ کی جگہ دہلی میں کون جانشین ہوا؟

جواب: دہلی میں حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ کی مسند پر حضرت شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ رونق افروز ہوئے جن کے شاگردوں بالخصوص حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور امام ربانی قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں نمایاں طور پر حصہ لیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے بعد حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ بھی مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے۔

علماء صادق پور کی قربانیاں[۲]

سوال: کیا سید صاحبؒ کے دیگر متوسلین نے بھی ملک کے کسی حصہ میں تحریک جاری رکھی تھی؟

جواب: حضرت سید احمد شہیدؒ کے بلند پایہ متوسل حضرت مولانا ولایت علی صاحب صادق پور پٹنہ کے باشندہ تھے انھوں نے تحریک کے ابتدائی دور میں ہی پٹنہ میں تحریک کا مرکز قائم کر دیا تھا۔ پھر سرحد کے سفر میں بھی آپ اپنے بھائی مولانا عنایت علی صاحب کے ساتھ سید صاحب کے ہمراہ تھے۔ مگر آپ سید صاحبؒ کے ایماء پر سرحد سے حیدر آباد آ گئے تھے، جبکہ آپ کے بھائی مولانا عنایت علی صاحب کو سید

---

[۱] موج کوثر ۲۲-۲۳ [۲] علماء صادق پور سے متعلق تمام تر معلومات "علماء ہند کا شاندار ماضی" جلد سوم سے لی گئی ہیں۔

صاحبؒ نے بنگال بھیج دیا تھا۔ مولانا ولایت علی صاحب کی سرگرمیاں حیدر آباد کے انگریز نواز حکمراں کو پسند نہ آئیں۔ اس لیے آپ وہاں سے ممبئی آگئے۔ ابھی آپ ممبئی میں کام کر رہے تھے کہ سانحہ بالا کوٹ پیش آگیا۔ چنانچہ آپ وہاں سے اپنے مرکز (پٹنہ) کے لیے روانہ ہوئے اور برہان پور، جبل پور، نرسنگھ پور وغیرہ میں وعظ و تبلیغ کی خدمات انجام دیتے ہوئے تقریباً دو سال میں پٹنہ رونق افروز ہوئے اور بکھرے ہوئے نظام کی شیرازہ بندی میں مصروف ہو گئے۔

سوال: ان حضرات نے کام کرنے کا کیا طریقہ کار متعین کیا؟

جواب: طریقہ وہی تھا جو سید صاحبؒ نے متعین کر دیا تھا، یعنی عوامی مجامع میں دینی تقریریں کی جاتیں اور ان میں خاص طور پر جہاد کا مضمون بیان کیا جاتا۔ نیز جابجا درسِ قرآن اور درسِ حدیث کا سلسلہ جاری کیا جاتا۔ اسی طرح ضرورت پڑنے پر چھوٹے چھوٹے اصلاحی کتابچے شائع کیے جاتے تھے۔

سوال: پٹنہ کے مرکز کے ذمہ دار حضرات کون تھے؟

جواب: اس مرکز کے اصل ذمہ دار تو مولانا ولایت علی صاحب تھے جو تحریک کی عمومی نگرانی فرماتے اور متفرق مقامات پر موجود تحریک کے ارکان کو مستقل ہدایات جاری کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح اس مرکز کا رابطہ مولانا عنایت علی صاحب سے بھی تھا جو حضرت سید صاحبؒ کے حکم سے بنگال میں کام کر رہے تھے اور انھوں نے وہاں مجاہدین کی بڑی جماعت تیار کر دی تھی۔ اس جماعت نے نثار علی عرف ٹیٹو میاں کی قیادت میں ۱۸۳۱ء میں انگریز کے خلاف علم بغاوت بھی بلند کیا۔ ۱۸۴۶ء تک اس جماعت کے مجاہدین کی تعداد اسّی ہزار تک پہنچ گئی۔ اسی طرح پٹنہ کے مرکز سے مولانا محمد علی رامپوری کا بھی رابطہ تھا جو مدراس کے علاقہ میں کام کر رہے تھے۔ پٹنہ کے مرکزی دفتر میں خفیہ انداز میں ایک عمارت بنائی گئی تھی جس میں مجاہدین آکر قیام کرتے تھے اور آئندہ کے منصوبے بنائے جاتے تھے۔

سرحد کے مرکز سے رابطے

سوال: کیا پٹنہ کے مرکز کا سرحدی قبائل کے مرکز سے بھی رابطہ ہوا؟

جواب: تقریباً آٹھ دس سال تک مولانا ولایت علی صاحب بنگال، بہار اور بمبئی میں کام کرتے رہے۔ اس درمیان آپ نے مختلف علاقوں کا دورہ بھی فرمایا اور سفر حج پر بھی تشریف لے گئے۔ ۱۸۴۵ء میں بالاکوٹ کے سردار سید ضامن شاہ کی طرف سے آپ کے پاس یہ پیغام پہنچا کہ سکھ حکمراں راجہ گلاب سنگھ کے مقابلہ میں اس کی مدد کی جائے۔ چنانچہ مولانا سید ولایت علی صاحب نے ابتداً پانچ سو مجاہدین کا ایک دستہ مولانا عنایت علی صاحب کی قیادت میں بالاکوٹ روانہ کر دیا اور کچھ دنوں کے بعد خود بھی رخت سفر باندھا اور ۱۷ر شوال ۱۲۶۲ھ مطابق ۹/اکتوبر ۱۸۴۶ء بروز جمعہ بالاکوٹ پہنچ کر کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔

سوال: اس سفر میں آپ کے ممتاز رفقاء کون تھے؟

جواب: اس سفر میں مولانا فیاض علی صاحب، مولانا یحییٰ صاحب، مولانا اکبر علی صاحب جو رئیس پٹنہ مولانا الٰہی بخش صاحب کے صاحبزادے تھے، آپ کے ساتھ تھے۔

سوال: مولانا ولایت علی صاحب کے سرحد آجانے کے بعد صادق پور (پٹنہ) کے مرکز کا کون ذمہ دار رہا؟

جواب: اس مرکز کی ذمہ داری مولانا ولایت علی کے چھوٹے بھائی مولانا فرحت حسین کے سپرد ہوئی جسے وہ ۱۸۵۸ء تک بخیر و خوبی نبھاتے رہے۔

ضامن شاہ کی غداری

سوال: سید ضامن شاہ کی حمایت میں راجہ گلاب سنگھ سے مجاہدین کے مقابلہ کا کیا نتیجہ رہا؟

جواب: اس مقابلہ میں گلاب سنگھ شکست کھا گیا۔ اور ایک خاص علاقہ پر مجاہدین کی عملداری قائم ہوگئی۔ لیکن مجاہدین کا یہ اثر و رسوخ خود سید ضامن شاہ کے لیے بوجھ بننے لگا۔ دوسری طرف انگریزوں کی درپردہ سازش سے علاقہ کے لوگوں کو مجاہدین کے خلاف بھڑکا دیا گیا۔ اور تقریباً وہی صورت پیش آئی جو حضرت سید احمد شہید کے زمانہ میں پیش آئی تھی، یعنی رازداری کے ساتھ ایک تاریخ متعین کر کے مجاہدین کے مقرر حکام کو شہید کر دیا گیا۔

مولانا ولایت علی صاحبؒ کی گرفتاری

سوال: اس قتل عام کے بعد مجاہدین نے کیا حکمت عملی اپنائی؟

جواب: اس حادثہ کے بعد مولانا ولایت علی صاحبؒ نے "سوات" میں واقع استھانہ کیمپ جانے کا ارادہ فرمایا۔ راستہ میں ایسا علاقہ پڑتا تھا جہاں انگریز حکومت کی عملداری تھی۔ پہلے تو انگریزوں نے مولانا موصوف کو پروانہ راہداری دے دیا لیکن جب آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کے علاقہ میں پہنچے تو بے وفائی کرتے ہوئے آپ کی جماعت کا محاصرہ کر لیا گیا اور آپ کو گرفتار کر کے واپس پٹنہ پہنچا دیا گیا اور دو سال کے لیے وہاں نظر بند کر دیا گیا۔

دوبارہ ہجرت اور وفات

سوال: دو سال پورے ہونے پر مولانا ولایت علی صاحب نے کیا تدبیر اختیار کی؟

جواب: دو سال کی مدت پوری ہوتے ہی مولانا ولایت علی صاحب ہجرت کے قصد سے اپنے ساتھیوں سمیت پٹنہ سے نکل پڑے اور سوات (استھانہ کیمپ) کا قصد کیا اور آرہ، غازی پور، دہلی، لدھیانہ وغیرہ ہوتے ہوئے تقریباً دو سال کے عرصہ میں استھانہ کیمپ پہنچ گئے۔ جہاں غازیانِ اسلام کے ذمہ دار سید اکبر شاہ آپ کے پہلے سے منتظر تھے۔ لیکن ابھی کوئی قابلِ ذکر معرکہ پیش نہیں آیا تھا کہ پیغام اجل آ پہنچا۔ اور آپ ۱۸۵۲ء میں وفات پا کر استھانہ میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مولانا عنایت علیؒ کی امارت

سوال: مولانا ولایت علیؒ کی وفات کے بعد اس جماعت کا کون امیر بنا؟

جواب: مولانا ولایت علیؒ کے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی صاحب جو جوشِ جہاد میں استھانہ کیمپ کے علاوہ انگریزوں کے حلیف جہاندار خاں والی "امب" کے مقابلہ کے لیے الگ محاذ کھول چکے تھے اور پھر بعد میں یوسف زئی قبائل میں جذبات حریت وجہاد پیدا کرنے میں مصروف تھے وہ مولانا ولایت علیؒ کی وفات کے بعد استھانہ کے

مرکز میں آگئے اور سب مجاہدین نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

سنگین صورت حال

سوال: مولانا عنایت علی صاحبؒ کے زمانہ میں مجاہدین نے کیا خدمات انجام دیں؟

جواب: مولانا نے انگریزوں کے حلیف جہاندار خاں والیٔ امب کے خلاف جہاد کیا اور اس کی طاقت کو کمزور کر دیا۔ جہاندار خاں کی حمایت میں انگریزی فوجیں بھی آتی رہیں لیکن انھیں خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔ انگریز مورخ ڈبلیو، ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے: ''میں ان بے عزتیوں، حملوں اور قتل و غارتگری کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا جو ۱۸۵۶ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے۔ اس دوران میں مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا۔ ایک ہی بات سے حالات کا بڑی حد تک اندازہ ہو جائے گا۔ یعنی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۷۵ء تک ہم علیحدہ علیحدہ سولہ فوجی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے، جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد ۳۵ ہزار ہو گئی تھی۔ اور ۱۸۵۶ء سے ۱۸۷۰ء تک ان فوجی مہموں کی گنتی بیس تک پہنچ گئی تھی اور باقاعدہ فوج کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار تک ہو گئی تھی۔ بے قاعدہ فوج اور پولیس اس کے علاوہ تھی۔''

سوال: مجاہدین کو رسد کہاں سے پہنچتی تھی؟

جواب: ۱۸۵۷ء تک تو پورے ملک کے مراکز بالخصوص پٹنہ سے جانی اور مالی امداد کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں جب راستے مخدوش ہو گئے تو اندرون ملک سے رسد کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اور مجاہدین سخت مشکلات سے دوچار ہو گئے یہاں تک کہ مسلسل فاقہ کشی کی نوبت آ گئی۔ درختوں کے پتوں اور کونپلوں سے بقدر رمق غذا حاصل کی جانے لگی۔ چند ماہ مسلسل غلہ کا دیدار تک نہ ہو سکا۔ مولانا عنایت علی صاحبؒ نے اپنی ساری پونجی مجاہدین پر خرچ کر ڈالی۔

استھانہ کیمپ کی بربادی

سوال: اس دوران انگریزوں سے باقاعدہ مقابلہ کی نوبت آئی؟

جواب: جب استھانہ کیمپ سے وابستہ مجاہدین کی سرگرمیاں شدید ہو گئیں تو ۱۸۵۸ء کی

تحریک آزادی کو ناکام بنانے کے بعد انگریز فوجوں نے استھانہ پر چڑھائی کی اور مجاہدین کے مرکز کو بالکل تباہ کر ڈالا۔ مجاہدین اپنا مرکز چھوڑ کر اطراف کی پہاڑیوں میں پناہ گزیں ہو گئے، انہی حالات میں جماعت کے امیر مولانا عنایت علی صاحبؒ نے وفات پائی۔ یہ ۱۸۵۸ء کے اواخر کا واقعہ ہے۔

مگر تحریک جاری رہی

سوال: کیا مولانا عنایت علیؒ کی وفات اور استھانہ مرکز کی تباہی کے بعد یہ تحریک بند ہو گئی؟

جواب: یہ وقتی دشواریاں مجاہدین کے عزم و استقلال میں خلل نہ آنے دے سکیں، بلکہ انھوں نے فوراً مولانا نوراللہ صاحب کو تحریک کی زمام قیادت سپرد کر دی۔ مگر چند ہی دنوں کے بعد ان کی بھی کابل جاتے ہوئے وفات ہو گئی۔ اس لیے اس کی جگہ میر مقصود علی صاحب کو امیر منتخب کیا گیا۔ اور ان کی وفات کے بعد ۱۸۶۲ء میں مولانا عبداللہ صاحب (فرزند اکبر مولانا ولایت علی صاحب) امیر بنائے گئے جو اپنی حیات ۱۹۰۲ء تک امیر رہے پھر ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالکریم صاحب نے قیادت قبول کی، بعد ازاں ۱۹۰۵ء سے مولانا نعمت اللہ صاحب (نبیرہ مولانا عبداللہ صاحبؒ) امیر بنائے گئے اور ان کے بعد مولانا رحمت اللہ غازی منصب امارت پر فائز ہوئے۔

انگریزوں سے مقابلہ

سوال: اب تحریک کی اصل سرگرمیاں کیا تھیں؟

جواب: مجاہدین دراصل گوریلا جنگ لڑنے پر اتر آئے تھے اور اپنے خفیہ ٹھکانوں سے باہر آ کر نقصان پہنچاتے اور پھر بخیر و عافیت اپنے مراکز کو واپس ہو جاتے تھے۔

سوال: کیا انگریزوں سے روبرو بھی کوئی جنگ ہوئی؟

جواب: ۱۸۶۳ء میں انگریزوں سے مجاہدین کا مقابلہ ہوا جس میں طویل مدت تک لڑائی ہوتی رہی، بالآخر اس علاقہ میں انگریزوں کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ حتیٰ کہ خود انگریزوں کی پنجاب گورنمنٹ نے اعلان کیا کہ اس سے پہلے کسی اور موقع پر بھی

کوہستان میں اس قدر شدید اور دیرپا جنگ نہیں ہوئی تھی۔ تقریباً ایک ہزار انگریزی فوجی اس جنگ میں مارے گئے۔

سوال: اس وقت مجاہدین کی کل تعداد کیا تھی؟

جواب: انگریزوں کے بقول مجاہدین کی تعداد ۵۳ ہزار تھی جو سب تربیت یافتہ اور جنگجو تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اصل مجاہدین کی تعداد صرف بارہ سو اور چودہ سو کے درمیان تھی مگر ان کے حوصلہ اور عزم و ہمت کے سامنے انگریز جیسی طاقت نے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔ پھر ۱۸۶۸ء میں بھی انگریزوں نے اس مرکز پر بڑا حملہ کیا لیکن پھر بھی وہ مجاہدین کو پوری طرح مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

صادق پور (پٹنہ) کا مرکز

سوال: اس دوران پٹنہ کے مرکز کا کیا حال رہا؟

جواب: پٹنہ میں مولانا ولایت علی صاحبؒ کے ہجرت فرمانے کے بعد مولانا فرحت حسین صاحب نگرانی کر رہے تھے۔ لیکن ۱۸۵۸ء میں ان کی وفات ہو گئی تو مولانا یحییٰ علی صاحب نے نگرانی کا کام اپنے ذمہ میں لے لیا۔ مگر ۱۸۶۴ء میں مولانا یحییٰ علی صاحبؒ کو ایک بڑی جماعت کے ساتھ گرفتار کر کے جزیرہ انڈمان بھیج دیا پھر جو بھی اس مرکز کا نگراں بنا اسے انگریز نے انڈمان بھیج دیا، تا آنکہ ۱۸۶۸ء میں مولانا مبارک علی صاحب کی گرفتاری اور پھر وفات پر یہ مرکزی نظام معطل ہو گیا اور سرحد کے مجاہدین سے بھی اس کا رابطہ برقرار نہ رہ سکا۔ اس طرح سرحدی تحریک صرف اپنے علاقہ میں سمٹ کر رہ گئی تاہم اس تحریک سے جو جذبات حریت آزاد قبائل میں پیدا ہو گئے تھے وہ بعد کی تحریکات میں معاون ثابت ہوئے چنانچہ تحریک شیخ الہند کا مرکز بھی اسی علاقہ کو بنایا گیا۔ اور ۱۹۴۷ء تک کسی نہ کسی انداز میں وہاں انگریزوں سے چھاپہ مار جنگ جاری رہی اور اندرون ملک سے انھیں مالیہ وغیرہ کی فراہمی کی جاتی رہی۔ الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر کے ایک مضمون میں اس حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے توسط سے سرحد میں موجود مجاہدین کو آخر تک مالیہ فراہم کیا جاتا رہا۔

تحریک آزادی ۱۸۵۷ء

- ملک کے گوشہ گوشہ میں انقلابی تحریکات کا آغاز
- میرٹھ میں فوجی بغاوت
- علماء کا فتویٰ جہاد
- تحریک کی ناکامی اور دلّی پر انگریز کا مکمل تسلط
- قتل و غارت گری

تحریک کا پس منظر

سوال: ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف تحریکات میں شدت کیوں پیدا ہوئی، اس کے اسباب و علل کیا تھے؟

جواب: یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عروج کا زمانہ تھا۔ کمپنی کی فوجیں تقریباً پورے ہندوستان پر غلبہ پاچکی تھیں۔ مغلیہ حکومت ایک لاشۂ بے جان بن چکی تھی، جس کے اختیارات صرف لال قلعہ تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ لیکن اس جانکنی کے عالم میں بھی ہندوستانی رعایا مغل بادشاہ کو واقعی بادشاہت کا اہل سمجھتی تھی اور مغلیہ حکومت کے خلاف کمپنی کی کامیابی کی خبریں ان کے دلوں میں تیر بن کر پیوست ہوتی تھیں۔ دوسری طرف انگریز نے اپنے زیر نگیں علاقوں میں تیزی سے عیسائیت کی تبلیغ شروع کروی تھی۔ برطانیہ سے آنے والے پادری شہر در شہر پھرتے اور ہندوستانیوں کو اپنے دین و مذہب سے بے گانہ بنانے کی کوششیں کرتے تھے۔ عیسائی مشنریوں نے کمپنی کی سرپرستی میں عیسائیت کی ترویج کے لیے ہزاروں کی تعداد میں لٹریچر کی اشاعت کر کے اسے بستی بستی میں پھیلا دیا تھا۔ ہندوستانی معاشرہ پر مغربیت کے مہیب سائے پڑنے شروع ہو گئے تھے جس کی بناء پر یہاں کے لوگوں کو یقین ہونے لگا تھا کہ وطن کی غلامی کے بعد اب شاید مذہب بھی خطرہ میں پڑ سکتا ہے۔ اسی دوران پے در پے یہ خبریں آنی شروع ہوئیں کہ: (۱) انگریزی حکومت نے ہندوستانیوں (ہندو مسلم) کا مذہب خراب کرنے کے لیے آٹے میں گائے اور سور کی ہڈیوں کا برادہ ملا دیا ہے۔ (۲) گھی میں ناپاک چربی ملادی گئی ہے۔ (۳) کنویں میں گائے اور سور کا گوشت ڈلوا دیا گیا ہے تاکہ پینے کا پانی ناپاک ہو جائے۔ (۴) اور سب سے غضبناک

بات یہ مشہور ہوئی کہ انگریزی فوج میں استعمال ہونے والے کارتوسوں میں گائے اور سور کی چربی ملادی گئی ہے۔ اور ہر فوجی پر کارتوس منہ سے کھولنا ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ ایسی خبریں تھیں جنھوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ عوام تو عوام انگریزوں کی دیسی فوج کے سپاہیوں میں بھی سخت بددلی پھیل گئی۔ اور بغاوت بلکہ بالفاظ صحیح انقلاب کے جذبات پروان چڑھنے لگے۔[1]"

بارک پور میں چنگاری بھڑکی

سوال: اس بے چینی کا سب سے پہلے مظاہرہ کہاں ہوا؟

جواب: سب سے پہلے انقلاب کی چنگاریاں کلکتہ کے مضافات دم دم، بارک پور اور بہرام پور میں نمودار ہوئیں جہاں ہندوستانی سپاہیوں نے "دین دین" کا نعرہ لگا کر انگریزوں کی مذہب مخالف پالیسی پر سخت احتجاج کیا۔ مگر انگریزوں نے اپنی طاقت کی مدہوشی میں احتجاج پر سنجیدہ موقف اپنانے کے بجائے بزور تشدد اس تحریک کو دبانا چاہا۔ چنانچہ احتجاجی سپاہیوں کے لیڈر منگل پانڈے اور اس کے ایک ساتھی کو اپریل ۱۸۵۷ء میں پھانسی دے دی گئی۔ اور انگریز کی چونتیسویں رجمنٹ کی سات کمپنیوں سے ہتھیار چھین کر انھیں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ لیکن جب یہ خبریں رفتہ رفتہ شمالی ہند میں پہنچیں تو یہاں عوام و خواص میں سخت اشتعال پیدا ہو گیا۔ اور انگریز کے خلاف فیصلہ کن جنگ کی تیاری ہونے لگی۔[2]

شاہجہاں پور کے ایک انقلابی جلسہ کا منظر

سوال: شمالی ہند (یو۔ پی و دہلی) میں انگریز کے خلاف کس انداز کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور ان میں کون لوگ پیش پیش تھے؟

جواب: کیونکہ اس انقلاب کا اصل محرک انگریز کی مذہب مخالف پالیسی تھی۔ اسی بنا پر اس تحریک کے پیشوا اور اصل مذہبی قائدین تھے، مسلمانوں کی قیادت علماء کے ہاتھ میں تھی، تو ہندوؤں کی رہنمائی ان کے پنڈت کر رہے تھے۔ جابجا ہندو مسلمانوں کے

---

[1] ملخص از علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد چہارم [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۸۵-۸۷

مشترکہ جلسے ہوتے اور عوام کو انقلاب پر آمادہ کیا جاتا۔ ایسے ہی ایک جلسے کی روداد تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کے مستند ترین مورخ ڈاکٹر ایوب قادری ایک یورپین صحافیہ "مریم" کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

شاہجہانپور (یو۔پی) میں مفتی مظہر کریم دریابادی کے مکان پر یکم مئی ۱۸۵۷ء کو جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی شریک ہوئے تھے۔ اس موقع پر امام المجاہدین مولوی سرفراز علی نے جو تقریر کی وہ نہایت اہم ہے۔ اس تقریر کو مریم کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

"مولوی صاحب نے اپنا ہاتھ داڑھی پر پھیرتے ہوئے آہستہ آہستہ کچھ پڑھا۔ پھر ہر چہار سمت نظر ڈال کر فرمایا۔ آپ کو معلوم ہے کہ فرنگی مکاری سے ہمارے آقا بن بیٹھے، ملک میں سوداگری کے بھیس میں آئے، سیاسیات میں دخل انداز ہو کر ایک صوبے دار کو دوسرے کے خلاف بھڑکایا اور خود تنازعات کا فائدہ اٹھانے لگے۔ اس طرح انھوں نے کرناٹک پر قبضہ کر لیا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ جس عیاری سے انھوں نے کلکتہ کو دار السلطنت بنایا۔ کبھی مکاری سے کبھی خوشامد سے اور کبھی دونوں سے بادشاہِ وقت پر اثر ڈالا۔ بنگال کی صوبے داری کی مسند لے لی۔ پھر میسور کی حکومت حاصل کر لی، مرکزی ہندوستان کے سبزہ زاروں پر قبضہ جمایا۔ روہیل کھنڈ جیسے نفیس صوبہ پر دسترس حاصل کی۔ پنجاب اور بہار پر دست درازی کی۔ بالآخر ایک نمایاں تخریب سے جس کی کوئی مثال تاریخ میں نہیں ملتی انھوں نے شاہ اودھ کو بلا وجہ معزول کیا اور باغ ہند کے غیر متنازعہ آقا بن بیٹھے۔ اس طرح تھوڑا تھوڑا کر کے انھوں نے ہمارا سب ملک چھین لیا۔ اور اپنی ملعون حکومت ملک کے گوشہ گوشہ میں قائم کر لی...... "الخ۔

آگے چل کر مولانا سرفراز علی نے فرمایا:

"آپ کہیں گے ہم محکوم قوم ہیں، قدرت کی طرف سے ہمارا یہی مقسوم ہے۔ ہم کو شکایت کا حق نہیں ہے، نہ سہی۔ لیکن اے بھائیو! اب تو ہمارا دین و مذہب بھی خطرے میں ہے، ملکی حکومت گئی، کافر کی اطاعت بھی کی۔ کیا اب ہم وہ ناقابل انتقال نعمت بھی حوالے کر دیں جو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے۔

شاید آپ یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ میرے بیانات کن واقعات پر مبنی ہیں۔ دوستو! جان بوجھ کر کافروں کی عیاریوں پر پردہ نہ ڈالو۔ کیا ملک کے طول و عرض میں ان کے پادری نہیں پھیل گئے ہیں۔ کیا وہ نصرانی عقائد کے منوعہ بیج نہیں بو رہے ہیں۔ کیا سادہ لوح ان پڑھوں کو ان کے مذہب سے نکالا نہیں جا رہا ہے، کیا انھوں نے گیہوں کے آٹے میں ہڈی کا برادہ ملا کر فروخت کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ کیا انھوں نے فوج کے سپاہیوں کو گائے اور سور کی چربی لگا کر کارتوس نہیں دیے ہیں۔ اور اس ناپاک شے کے استعمال کو بزور جاری کرنے کے لیے کیا انھوں نے ہر اس شہر میں جہاں دیسی فوج ہے، دو ہزار لوہے کی ہتھکڑیاں ڈھلوا کر اس حکم کے ساتھ نہیں بھیجی ہیں کہ جو کوئی دانت سے کاٹنے پر انکار کرے اس کو فوراً گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جائے۔

برادران ہنود! تمھاری قومی تقدیس خطرے میں ہے۔ تمھارے مذہبی امتیاز پر جو تمھارا طرۂ افتخار ہے، گمراہ کن نووارد فرنگیوں نے حملہ آوری کر دی۔ مسلح ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ ہائے تو اب کب اٹھو گے۔ افسوس! کیا ہم میں کوئی بھی ایسا صاحب فہم نہیں جس میں اپنے مذہب کے تقدس کی خاطر ایسی مردانہ وار ہمت ہو کہ وہ ہماری مذہبی آزادی میں دخل اندازی کا مقابلہ کرے۔ کیا ہم مردہ ہیں۔ بالکل مردہ ہیں۔"

اس پرجوش تقریر میں عید کی نماز کے بعد بغاوت کا اعلان کیا گیا۔ اور لفظ "دین" کو نشان امتیاز بنایا گیا۔ اور اختتام تقریر پر سب اہل جلسہ جوش میں آگئے۔ ہندوؤں نے اپنا مذہبی نعرہ لگایا اور مسلمان پرجوش آواز سے چلا اٹھے۔ نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر[1]

اس جلسہ کی روداد سے انقلاب کی نوعیت اور اسباب کا آسانی پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ مختلف دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ ۳۱ر مئی ۱۸۵۷ء کو پورے ملک میں ایک ساتھ بغاوت کا منصوبہ بنالیا گیا تھا[2] لیکن بعض مقامات پر وقت سے پہلے ہی جذبات بے قابو ہو گئے جس سے تحریک کو نقصان پہنچا۔

اور میرٹھ میں لاوا پھٹ پڑا

سوال: شمالی ہند میں فوجی بغاوت کہاں سے شروع ہوئی؟

جواب: بنگال میں ہندوستانی سپاہیوں پر مظالم کی خبروں نے میرٹھ کی چھاؤنی میں مقیم

---

[1] تحریکات ملی ۳۲-۳۶ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۸۸

ہندوستانی سپاہیوں کی صفوں میں بھی کھلبلی مچادی تھی اور انھیں اندیشہ تھا کہ ان سے بھی ناپاک چربی سے بنے ہوئے کارتوس دانتوں سے کٹواکر چلوائے جائیں گے۔ اس کا اظہار انھوں نے انگریزی افسران سے کیا، جس پر انھیں سمجھانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن سپاہی مطمئن نہ ہوسکے۔ میرٹھ میں چونکہ انگریز فوج بڑی تعداد میں مقیم تھی اور یہاں کا توپ خانہ سب سے بہتر توپ خانہ سمجھا جاتا تھا اس لیے انگریزی حکام کو یہ تصور بھی نہ تھا کہ یہاں سے وابستہ سپاہی بغاوت کرسکتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے ۶ر مئی کو ہر بٹالین کے منتخب فوجیوں پر مشتمل ۹۰ ر بااثر سپاہیوں کی ایک پریڈ کرائی۔ اور کارتوس تقسیم کرکے انھیں دانت سے کاٹنے کا حکم دے دیا گیا۔ ۹۰ ر میں سے صرف پانچ سپاہیوں نے افسر کی بات مانی جبکہ پچاسی سپاہیوں نے (جن میں ۴۹ مسلمان اور ۳۶ غیر مسلم تھے) اس معاملہ میں اپنے افسر کا حکم ماننے سے انکار کردیا۔

سوال: انگریز نے اس حکم عدولی پر ان فوجیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

جواب: ۹ر مئی کو ان ۸۵ جانبازوں کو دس دس سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی، ان کے خطابات چھین لیے گئے۔ وردیاں پھاڑ دی گئیں اور بیڑیوں میں جکڑ کر شہر میں گشت کراتے ہوئے جیل خانہ میں پہنچادیا گیا۔ جب انھیں جیل خانہ لے جایا جارہا تھا، اس وقت کا منظر بڑا ہی حسرتناک اور اشتعال انگیز تھا۔ اسی وقت ان فداکاروں کے ساتھی سپاہیوں نے تہیہ کرلیا تھا کہ اب خاموش رہنے کا وقت نہیں ہے بلکہ ملی غیرت وحمیت کے امتحان کا وقت آپہنچا ہے۔[۲]

انقلاب زندہ باد!

سوال: انقلابی سپاہیوں نے اپنے ارادوں کو کب عملی جامہ پہنایا؟

جواب: اپنے ساتھیوں کی بے قصور گرفتاری پر ہندوستانی سپاہیوں کے جذبات اتنے مشتعل ہوچکے تھے کہ وہ مقررہ تاریخ (۳۱ مئی) کا بھی انتظار نہ کرسکے۔ اور انھوں نے اگلے ہی دن ۱۰ر مئی کو شام ہوتے ہوتے اچانک علم بغاوت بلند کردیا۔ بیرکیں جلادی گئیں اور جیل خانہ کو توڑ کر نہ صرف اپنے جانباز پچاسی ساتھیوں کو رہائی دلائی بلکہ آٹھ سو اخلاقی قیدیوں کو بھی جیل کی سختیوں سے آزاد کرالیا۔ جو انگریز سامنے آیا

---

۱ علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۸۷ ۲ علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۸۸

اسے گولیوں سے اڑا ڈالا۔ اور راتوں رات یہ جانبازوں کی جماعت اپنے ہتھیاروں سمیت پاپیادہ سفر کر کے ۱۱ مئی کی صبح کی پو پھٹتے ہی دارالسلطنت دہلی کے دروازہ پر پہنچ گئی اور راستہ کی چوکیوں کو آگ لگاتی ہوئی بلا کسی مزاحمت کے لال قلعہ میں داخل ہو کر مغلیہ حکومت کے آخری فرماں روا بہادر شاہ ظفر کے حضور میں پہنچ گئی اس لیے کہ عام ہندوستانی رعایا کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے اس وقت بہادر شاہ ظفر سے زیادہ کوئی ایسی موزوں شخصیت نہ تھی جسے اس تحریک کا قائد اور سپہ سالار بنایا جاتا[1]

سوال: بادشاہ نے اس پر کیا رد عمل ظاہر کیا؟

جواب: ابتداء میں انقلابی فوجیوں نے بادشاہ سے فریاد رسی کی اور ان کارروائیوں کا حوالہ دیا جو انگریز نے ہندوستانیوں کے دین مذہب کو غارت کرنے کے لیے انجام دے رکھی تھیں۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھے بادشاہ کون کہتا ہے میں تو فقیر ہوں۔ سلطنت تو سو برس پہلے میرے گھر سے جا چکی ہے۔ البتہ میں اتنا کر سکتا ہوں کہ تمھارے اور انگریزوں کے درمیان صلح صفائی کرا دوں۔ چنانچہ انگریز کمشنر کو بلوایا گیا۔ اور بادشاہ نے اس سے صورت حال کی تحقیق کی۔ کمشنر نے اس انقلابی تحریک کو ایک معمولی واقعہ قرار دیا اور پھر انقلابی فوج کے نمائندوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے انھیں ہر طرح اطمینان دلانے کی کوشش کی۔[2]

سوال: انقلابی فوجیوں نے اس تقریر کا کیا جواب دیا؟

جواب: کمشنر کی تقریر کے جواب میں فوجی نمائندوں نے کہا:

"آپ نے جن احسانات کا ذکر کیا ہے درست ہے مگر ہماری قربانیوں کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ہم نے ہر موقع پر ہر حکم کی تعمیل کی، یہاں تک کہ برما سے افغانستان تک پورا ملک فتح کر کے آپ کے حوالہ کر دیا۔ مگر ہماری ان تمام قربانیوں کا بدلہ ہمیں یہ ملا کہ سرکار ہمارے دین کے درپے ہے۔ چربی لگے کارتوس دانتوں سے کٹوانے کا اصرار ہے۔ تو لوگ اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر کس طرح بے دین ہو جائیں۔ ہم کو مر جانا قبول ہے مگر دین سے بے دین نہ ہوں گے۔ اب سرکار جو چاہے ہمارا کرے۔ ہم سب مرنے کو تیار ہیں۔ اور ہم اپنے کو اسی وقت مردہ تصور کر چکے ہیں

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۸۱-۹۱ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۹۵

جب ہم نے جیل خانہ توڑ کر افسروں کو برآمد کیا تھا۔[1]"

کمشنر جس کا نام فریزر تھا ابھی انقلابی فوجیوں کو سمجھانے میں مصروف ہی تھا کہ اس پر گولی سے حملہ کیا گیا وہ وہاں سے بادشاہ کی خدمت میں آیا اور پھر اپنی چھاؤنی میں جانے کے لیے قلعہ سے باہر نکلا ہی تھا کہ فوجیوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ نیز اس دن جو بھی انگریز افسر، جہاں ملا، انقلابیوں کے جوشِ انتقام سے بچ نہ سکا۔ بالآخر بادشاہ نے شہر کے انتظامی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے، عدلیہ، پولیس اور خوراک کے الگ الگ ذمہ دار متعین کر دیے گئے۔ اور گویا کہ انقلابی فوج کے سہارے مغلیہ حکومت کا ٹمٹماتا چراغ سنبھالا لینے لگا۔

انگریز کی حکمتِ عملی

سوال: دہلی کی غیر متوقع صورتحال کے خلاف انگریزوں نے کیا حکمتِ عملی اپنائی؟

جواب: شروع میں تو انگریز اس انقلاب سے حواس باختہ ہو گئے۔ چنانچہ اس افراتفری میں ان کا کافی جانی و مالی نقصان بھی ہوا۔ لیکن جلد ہی وہ سنبھلے اور انھوں نے دہلی کی ایک اونچی پہاڑی پر (جسے انگریزی دور میں فتح گڈھ کہا جاتا تھا اور اب جنت گڑھ کہا جاتا ہے) اپنا مضبوط مورچہ قائم کر لیا۔ یہ پہاڑی اس وقت اتنی بلندی پر تھی کہ وہاں سے پورے شہر دہلی کا نقشہ نظر آتا تھا۔ دوسری طرف پنجاب میں مقیم انگریزی فوجیں فیصلہ کن جنگ کے لیے دہلی کی جانب بڑھنے لگیں اور دہلی کے اواخر میں دہلی میں مورچہ بند ہو گئیں۔ اور رفتہ رفتہ دیگر صوبوں سے بھی ان کے پاس کمک پہنچنے لگی اور ترتیب و تنظیم ہر اعتبار سے انگریز نے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی اور پورے شہر کو اپنے توپ خانے کی زد میں لے لیا۔[2]

انقلابی فوج کا حال

سوال: انقلابی فوجیوں کی طرف سے دفاع کی کیا حالت رہی؟

جواب: انقلابی افواج میں اگرچہ جذبات کی بہتات تھی، لیکن ایک تو تنظیم کی کمی، پھر رسدات کی کمی نے ان کی صفوں میں تزلزل پیدا کر دیا تھا۔ تا آنکہ جولائی ۵۷ء کے

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۹۷ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۱۲۵-۱۲۸

اوائل میں روہیلہ کمانڈر جنرل بخت خاں ایک بڑی فوج کے ساتھ خاندان مغلیہ کی حفاظت کے لیے دہلی میں خیمہ زن ہوئے۔ان کی فوج کی سربراہی امام المجاہدین مولانا سرفراز علی کر رہے تھے۔قبل ازیں ہزاروں مجاہدین ملک کے طول و عرض سے سمٹ کر دہلی میں جمع ہو چکے تھے۔جنرل بخت خاں نے انھیں منظم کرنے کی کوشش کی اور تقریباً ڈھائی مہینہ تک انقلابی فوج لال قلعہ کی اپنے خون سے حفاظت کرتی رہی۔ اس درمیان انگریز فوج سے نہایت خوں ریز معرکے ہوئے اور بار بار انگریز فوج کو پسپا ہونا پڑا۔

علماء کا فتویٰ جہاد

سوال: اس درمیان علماء اسلام نے جہاد کی طرف عوام کو ترغیب دینے کے لیے کیا طریقہ اپنایا؟

جواب: ملک کے طول و عرض میں جا بجا وعظ و تقریر کی شکل میں ترغیب جہاد کا کام تو شروع ہی سے جاری تھا۔ مگر جنرل بخت خاں کے دہلی پہنچنے کے بعد دہلی کے مشہور و مقبول علماء نے ایک تاریخی فتویٰ جاری کیا جس میں صورت حال کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے جہاد کو فرض عین قرار دیا گیا تھا۔ استفتاء اور فتویٰ کا متن درج ذیل ہے:

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دہلی پر چڑھ آئے اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں۔اس صورت میں اب اس شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے تو فرض عین ہے یا نہیں؟ اور لوگ جو اور شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہیں ان کو بھی جہاد کرنا چاہیے یا نہیں۔ بیان کرو اللہ تعالیٰ تمھیں جزا دے۔

الجواب: در صورت مرقومہ فرض عین ہے اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے، اور استطاعت ضروری ہے اس کی فرضیت کے واسطے۔ چنانچہ اب اس شہر والوں کو طاقت مقابلہ اور لڑائی کی ہے۔ بہ سبب کثرت اجتماع افواج کے اور مہیا اور موجود ہونے آلات حرب کے، تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا؟ اور اطراف و جوانب دہلی پر جو دور ہیں باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے۔ ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں

مقابلہ سے، یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں ان پر بھی فرض عین ہو جائے گا۔اور اسی طرح اور اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر شرقاً اور غرباً فرض عین ہوگا اور جو عدو بستیوں پر ہجوم اور قتل و غارت کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض ہو جائے گا بشرطیکہ ان کی طاقت کے۔

المجیب المصیب العبد نور جمال عفی عنہ

سوال: اس فتویٰ پر اور کن کن علماء کے دستخط تھے؟

جواب: اس فتویٰ پر درج ذیل علماء کے دستخط اور مہریں بھی ہیں:

(ا) سید محمد نذیر حسین (۲) رحمت اللہ (۳) مفتی محمد صدر الدین (۴) مفتی اکرام الدین معروف سید رحمت علی (۵) محمد ضیاء الدین (۶) عبد القادر (۷) فقیر احمد سعید احمدی (۸) محمد میر خاں (یا میر محمد خاں یا میر خان محمد) (۹) محمد عبد الکریم (۱۰) فقیر سکندر علی (۱۱) محمد کریم اللہ (۱۲) خادم العلماء محمد عبد الغنی (۱۳) فرید الدین (۱۴) محمد سرفراز علی (۱۵) سید محبوب علی جعفری (۱۶) ابو احمد بن محمد حامی الدین (۱۷) سید احمد علی (۱۸) الٰہی بخش (۱۹) محمد مصطفیٰ خاں ولد حیدر شاہ نقشبندی (۲۰) محمد انصار علی (۲۱) محمد سعید الدین (۲۲) حفیظ اللہ خاں (۲۳) محمد نور الحق عفی عنہ (۲۴) سراج العلماء ضیاء الفقہاء مفتی عدالت العالیہ محمد رحمت علی خاں (۲۵) حیدر علی (۲۶) سیف الرحمٰن (۲۷) سید عبد الحمید عفی اللہ عنہ (۲۸) محمد ہاشم (۲۹) یا سید حافظ (۳۰) محمد امداد علی عفی عنہ (۳۱) خادم شرع شریف رسول الثقلین قاضی القضاۃ محمد علی حسین[1]

جب دلّی پر یونین جیک لہرایا

سوال: فتویٰ جہاد کے عام ہونے کے بعد دلّی کی سیاسی صورت حال کیا رہی؟

جواب: جنرل بخت خاں اگرچہ اپنے فوجیوں کے ساتھ محاذ پر جما ہوا تھا اور فتویٰ کے عام ہونے سے اطراف کے لوگ بھی جنگ میں شرکت کے لیے جوق در جوق آرہے تھے لیکن یہ ساری جمعیت انگریز کی منظم اور مسلح فوج کے مقابلہ میں بہرحال کمزور تھی، یہ لوگ اپنی جانبازی کے جوہر دکھاتے ہوئے چار مہینہ تک پورے حوصلہ کے ساتھ

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۱۷۸-۱۷۹۔

شہر کا دفاع اور مغلیہ حکومت کے تحفظ کی کوشش کرتے رہے۔ مگر بالآخر انگریزی فوج نے اگست ۱۸۵۷ء کے اواخر میں دلی کا شدید محاصرہ کر لیا اور پھر پندرہ ستمبر ۵۷ء سے لال قلعہ پر قبضہ کے لیے پیش قدمی شروع کر دی اور راستہ کی تمام رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے اور ہزاروں محبانِ وطن کی لاشوں کو پار کرتے ہوئے ۲۰ ستمبر ۵۷ء کو لال قلعہ پر باقاعدہ قبضہ کر لیا اور قلعہ پر سے مغلیہ حکومت کا جھنڈا اُتار کر برطانوی یونین جیک لہرایا گیا[1]

بہادر شاہ ظفر

سوال: بہادر شاہ ظفر انگریزی قبضہ کے وقت قلعہ ہی میں تھے یا باہر جا چکے تھے؟

جواب: قبضہ سے ایک دن پہلے ۱۹ ستمبر ۵۷ء کو بہادر شاہ ظفر قلعہ چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان کو انگریز نے لال قلعہ پر قبضہ کے اگلے دن گرفتار کر لیا اور جوان بخت کے علاوہ جو شہزادے ساتھ تھے انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا[2] اور پھر بہادر شاہ کو بغاوت کے جرم میں جلا وطن کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ وہیں ان کی وفات ہوئی۔

جنرل بخت خاں

سوال: اس وقت جنرل بخت خاں نے کیا راستہ اپنایا؟

جواب: جس وقت بہادر شاہ ظفر انگریزی محاصرہ سے تنگ آ کر قلعہ چھوڑنے کا ارادہ کر رہے تھے تو جنرل بخت نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست لکھی کہ وہ بھی ان کے ساتھ دلی چھوڑ کر روہیل کھنڈ چلے جائیں اور اپنا محاذِ جنگ تبدیل کر لیں۔ لیکن بادشاہ کے انگریز نواز مشیروں نے اس تجویز کو عمل میں نہ لانے دیا۔ چنانچہ مایوس ہو کر جنرل بخت خاں اپنی فوج کو باسلامت دہلی سے نکال کر روہیل کھنڈ لے گئے۔ اس کے دلی سے نکلنے کے بعد ہی لال قلعہ پر انگریز کا قبضہ مکمل ہوا[3]

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۱۶۱ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۱۹۳

[3] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۱۹۲

قتل و غارتگری

سوال: دہلی قبضہ کے وقت انگریزوں نے یہاں کے شہریوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟
جواب: دہلی کو فتح کرنے کے لیے انگریزوں نے نہایت بے دردی کے ساتھ ہزاروں جانبازوں کو تہہ تیغ کیا اور پوری دلی لوٹ مار کر کے کھنڈر میں تبدیل کر دیا۔ پھر قبضہ کی تکمیل کے بعد بقول مصنف قیصر التواریخ ۲۷ ہزار افراد کو پھانسی پر لٹکا دیا۔[1] مولانا اسیر ادروی نے انگریز مصنف ایڈورڈ ٹامسن کی کتاب "تصویر کا دوسرا رخ" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ چاندنی چوک ہی نہیں بلکہ شہر کے ہر چوراہے پر سولیاں نصب کر دی گئیں۔ جو بھی معزز مسلمان انگریزوں کے ہاتھ چڑھ گیا، اسے ہاتھی پر بٹھایا۔ درخت کے نیچے لے گئے، پھندا اس کی گردن میں ڈال کر ہاتھی کو آگے بڑھا دیا، لاش پھندے میں جھول گئی۔ آنکھیں ابل پڑیں، زبان منہ سے باہر نکل پڑی، ذبح کیے ہوئے مرغ کی طرح جاں کنی کا وہ ہیبت ناک منظر کہ الامان، والحفیظ۔ ایک انگریز عورت نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ بسا اوقات ان پھانسیوں پر لٹک جانے والوں کی لاشیں تڑپ تڑپ کر انگریزی ہندسہ کا 8 بن جاتی تھیں[2] اور کبھی یہ وحشت ناک طریقہ اختیار کیا جاتا کہ کسی معزز مسلمان کو توپ کے دہانے پر رسیوں سے باندھ کر توپ داغ دی جاتی تھی جس سے پورے جسم کا گوشت بوٹی بوٹی ہو کر فضا میں اڑ جاتا تھا۔[3]

ایک ہندو مورخ سیوا رام گپت نے لکھا ہے کہ: "ایک اندازہ کے مطابق ۱۸۵۷ء میں پانچ لاکھ مسلمانوں کو پھانسیاں دی گئی تھیں۔[4]"

---

[1] تحریکات ملی، ص ۳۷ [2] تحریک آزادی اور مسلمان، ص ۳۴
[3] تحریک آزادی اور مسلمان، ص ۳۴ [4] مسلمان مجاہدین، ص ۲۴۰

اکابر دیوبند کی

جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء میں شرکت

- ○ جہادِ شاملی
- ○ اسلامی حکومت کا قیام
- ○ انگریز کی طرف سے دار و گیر
- ○ کیرانہ کا محاذ
- ○ مجاہدِ اعظم مولانا احمد اللہ شاہ
- ○ انگریزوں کا اعتراف

اکابر دیوبند کی تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں شرکت

سوال: کیا اس تحریک میں اکابر دیوبند نے بھی حصہ لیا تھا؟

جواب: جس وقت میرٹھ میں انگریزی فوج کے سپاہیوں نے علم بغاوت بلند کیا تھا، اسی وقت سہارنپور اور تھانہ بھون کے اطراف میں بھی اس کی بازگشت سنائی دینے لگی تھی۔ اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ تھانہ بھون کے مشہور رئیس قاضی عنایت علی صاحب کے بھائی قاضی عبدالرحیم صاحب اپنی ضرورت سے ہاتھی خریدنے کے لیے سہارنپور تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں ہاتھی بہت بڑی جنگی طاقت سمجھا جاتا تھا۔ کسی نے انگریز کو مخبری کردی کہ قاضی صاحب بغاوت کے لیے ہاتھی خرید رہے ہیں۔ چنانچہ سہارنپور کے مجسٹریٹ مسٹر اسپنکی نے ان کو گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکا دیا۔[۱] خبر جب تھانہ بھون پہنچی تو پورے علاقہ میں کھلبلی مچ گئی۔ اور انگریز سے نفرت کا لاوا اُبلنے لگا۔

سوال: پھر کیا اقدام کیا گیا؟

جواب: سب سے پہلے جہاد کے لیے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حافظ ضامن شہید صاحبؒ نے اپنے مرشد برحق حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی، اور ان کی قیادت میں باقاعدہ اپنے علاقہ میں حکومت کا نظام قائم کر کے منظم انداز میں فوجی کارروائیاں شروع کردی گئیں۔[۲]

حکومت کی ذمہ داریاں

سوال: نظام حکومت و جہاد کس طرح بنایا گیا؟

---

۱ علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۲۷۰-۲۶۹ ۲ علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۲۷۴

جواب: اس پوری کارروائی کا خلاصہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

پھر جہاد کی تیاری شروع ہوگئی اور اعلان کردیا گیا۔ حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کو امام مقرر کیا گیا اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو قاضی بنایا گیا۔ اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانویؒ میمنہ اور میسرہ (داہنے بازو اور بائیں بازو) کے افسر مقرر کئے گئے۔ چونکہ اطراف وجوانب میں مذکورہ بالا حضرات کے تقویٰ علم (تصوف اور تشرع) کا بہت زیادہ شہرہ تھا۔ ان حضرات کے اخلاص وللّٰہیت سے بہت زیادہ لوگ متاثر تھے، ہمیشہ سے ان کی دینداری اور خداترسی دیکھتے رہتے تھے۔ اس لیے ان پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ علاوہ مریدین اور تلامذہ کے عام مسلمان بھی بے حد معتقد تھے۔ اس لیے بہت تھوڑی مدت میں جوق درجوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا۔ اس وقت تک ہتھیاروں پر پابندی نہیں تھی عموماً لوگوں کے پاس ہتھیار تھے جس کو رکھنا اور سیکھنا مسلمان ضروری سمجھتے تھے۔ مگر ہتھیار پرانی قسم کے تھے۔ بندوقیں توڑے دار تھیں، کارتوس اور رائفلیں نہ تھیں۔ یہ صرف انگریزی فوجوں کے پاس تھیں۔ مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوگئے اور تھانہ بھون اور اطراف میں حکومت قائم کرلی گئی۔ اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دیے گئے۔

خبر آئی کہ توپ خانہ سہارنپور سے شاملی بھیجا گیا ہے۔ ایک پلٹن لارہی ہے۔ رات کو یہاں سے گزرے گی۔ اس خبر سے لوگوں میں تشویش ہوئی کیونکہ جو ہتھیار ان مجاہدین کے پاس تھے، وہ تلوار، توڑے دار بندوقیں اور برچھے وغیرہ تھے۔ مگر توپ کسی کے پاس نہ تھی۔ توپ خانہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے گا۔ حضرت گنگوہی نے فرمایا فکر مت کرو۔

سڑک ایک باغ کے کنارے گذرتی تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو تیس چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ نے افسر مقرر کردیا تھا۔ آپ اپنے ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے۔ اور سب کو حکم کیا کہ پہلے سے تیار رہو، جیسے میں حکم کروں، سب ایک دم فائر کرنا۔ چنانچہ جب پلٹن مع توپ خانہ باغ کے سامنے

تھی تو سب نے ایک دم فائر کر دیا۔ پلٹن گھبرا گئی کہ خدا جانے کس قدر آدمی یہاں چھپے ہوئے ہیں، توپ خانہ چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ حضرت گنگوہیؒ نے توپ خانہ کھینچ کر حضرت حاجی صاحب کی مسجد کے سامنے لا کر ڈال دیا۔ اس سے لوگوں میں ان حضرات کی فراست ذکاوت، فنونِ حربیہ کی مہارت، معاملہ فہمی اور ہر قسم کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔

شاملی اس زمانہ میں مرکزی مقام تھا، ضلع سہارنپور سے متعلق تھا، وہاں تحصیل بھی تھی۔ کچھ فوجی طاقت وہاں بھی رہتی تھی۔ قرار پایا کہ اس پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ چڑھائی ہوئی اور قبضہ کر لیا گیا، جو طاقت پولیس اور فوج کی وہاں تھی وہ مغلوب ہو گئی۔ حضرت حافظ ضامن صاحب اسی ہنگامہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت حافظ ضامن صاحبؒ کا شہید ہونا تھا کہ معاملہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔ ان کی شہادت سے پہلے روزانہ خبر آتی تھی کہ آج فلاں مقام انگریزوں سے چھین لیا گیا آج فلاں مقام پر ہندوستانیوں کا قبضہ ہوا۔ مگر حافظ صاحبؒ کی شہادت کے بعد پہلے پہلے خبر آئی کہ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور یہی حال ہر جگہ کی خبر کا تھا۔ اس سے پہلے گورے فوجی چھپتے پھرتے تھے۔ ایک ایک سپاہی گوروں کی جماعت کو بھگاتے پھرتا تھا۔ مگر بعد میں معاملہ برعکس ہو گیا۔ پہلے کسی کھیت میں گورا چھپا ہوا ہوتا تو کاشتکار عورت نے اسے کھرپے سے قتل کر ڈالا مگر بعد میں معاملات الٹ گئے۔[1]

سقوطِ دہلی کے بعد

سوال: حضرات اکابر کی حکومت کب تک قائم رہی؟

جواب: ۱۹ر ستمبر ۱۸۵۷ء میں جب دہلی میں بہادر شاہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور دہلی پر انگریزوں کا قبضہ مکمل ہو گیا، تو جس طرح دہلی میں انگریزوں نے قتل و غارت گری مچائی اسی طرح دہلی کے اطراف پر بھی ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ چند ہی دنوں کے بعد انگریزی فتح مند فوجیں تھانہ بھون کی فصیل تک پہنچ گئیں۔ اہلِ شہر نے دفاع کی کوشش کی لیکن وسائل کی قلت کی وجہ سے دو گھنٹے سے زیادہ مقابلہ جاری نہ رہ سکا۔ رات میں حملہ شروع ہوا تھا اور صبح کی پو پھٹتے پھٹتے تھانہ بھون مسلم حکومت کے ہاتھ

---

[1] نقشِ حیات ۲/ ۵۷، ۵۹ (طبع جدید)

سے نکل گیا۔ زبردست گولہ باری کر کے شہر کی فصیلیں توڑ دی گئیں۔ دروازے اڑا دیے گئے۔ مٹی کا تیل چھڑک کر مکانوں کو آگ لگادی گئی۔ اور جو بھی ملا اسے تہہ تیغ کر دیا گیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے تھانہ بھون کھنڈر میں تبدیل ہو گیا[1]

سوال: تھانہ بھون کی تحریک میں کتنے لوگ شہید ہوئے؟

جواب: ایک اندازہ کے مطابق تھانہ بھون کے شہداء کی تعداد ایک ہزار کے قریب تک پہنچتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں رہ کر شہید ہوئے اس کے علاوہ جو لوگ تباہی کے بعد قصبہ چھوڑ کر چلے گئے یا وہاں مصائب کا شکار ہوئے، ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے[2]

سوال: تباہی کے بعد تھانہ بھون کی کیا حالت رہی؟

جواب: اس المناک حادثہ کے بعد تقریباً دو سال تک یہ قصبہ بالکل غیر آباد رہا اور جب ملکہ وکٹوریہ کے اعلان معافی عام کے بعد دوبارہ قصبہ آباد ہوا تو اس وقت تک ایک سو بتیس شہداء کی نعشیں درختوں سے لٹکی ہوئی تھیں جن کو مہاجنوں والے باغیچے میں انگریزوں نے پھانسیاں دی تھیں۔ یہ دیکھ کر لوگ محو حیرت ہو گئے کہ ان نعشوں کو نہ گدھوں نے کھایا تھا اور نہ کسی دوسرے جانور نے چھوا تھا، ان کے گوشت پوست اپنی ہی جگہ سوکھ کر رہ گئے تھے[3]

قائدین تحریک کہاں گئے

سوال: حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور ان کے رفقاء اور اسی طرح قاضی عنایت علیؒ جو اس تحریک کے قائدین میں سے تھے ان کا حال تھانہ بھون کے سقوط کے بعد کیا ہوا؟

جواب: ان میں سے سب سے سرگرم مجاہد حافظ ضامن صاحبؒ تو جنگ شاملی میں شہید ہو گئے تھے[4] اور بقیہ قائدین کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل گئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکیؒ تقریباً دو سال انبالہ، پنجلاسہ، تگری وغیرہ میں روپوش رہ کر مکہ مکرمہ ہجرت فرما گئے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو نو ماہ کے بعد انگریز نے کسی طرح گرفتار کر لیا اور آپ نے چھ ماہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ پھر عام معافی کے تحت رہا ہوئے۔[5] حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۲۸۱-۲۸۲ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۵۰۸

[3] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۵۰۷ [4] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۲۷۹ [5] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۲۸۹-۲۹۰

عام معافی تک پوری مدت روپوشی میں گذاری جبکہ تھانہ بھون کے قاضی عنایت علی صاحبؒ جو دراصل اس تحریک کے روحِ رواں تھے۔ وہ تھانہ بھون سے نکل کر بجنور چلے گئے۔ اور وہاں کافی دنوں تک انگریزوں سے مقابلہ کرتے رہے اور کئی لڑائیوں میں انگریزوں کو سخت نقصان بھی پہنچایا۔ پھر وہاں سے میرٹھ ہوتے ہوئے بندیل کھنڈ علاقہ میں پہنچے اور وہاں دادِ شجاعت دیتے رہے۔ پھر حالات کی ناموافقت کی بنا پر جہادی سرگرمیوں سے کنارہ کش ہوگئے۔ اور بھوپال اور جودھپور کی حکومتوں میں ملازم رہے اور اخیر میں ریاست الور کے قصبہ تجارا میں مقیم رہ کر وفات پائی۔[1]

انگریز کی طرف سے دار و گیر

سوال: اکابر میں سے جو حضرات روپوش رہے کیا انگریزی حکومت نے ان کی تلاش نہیں کی؟

جواب: انگریزی جاسوسوں اور مخبروں نے تو تلاش میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ لیکن ان حضرات کے ساتھ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی، کئی جگہ مخبروں نے تو صحیح خبر حکام تک پہنچائی، لیکن جب موقع پر فوج تلاشی کے لیے پہنچی تو ایسی کرامتوں کا ظہور ہوا کہ یہ حضرات حکومت کی گرفت میں نہ آسکے۔

کیرانہ کا محاذ

سوال: کیا تھانہ بھون کے علاوہ دہلی کے اطراف میں اور کہیں بھی جنگ کا محاذ بنایا گیا تھا؟

جواب: جب حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی قیادت میں تھانہ بھون اور اس کے نواح میں انگریز مخالف حکومت قائم ہوگئی تو دوسری طرف مشہور مناظر اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بھی اپنے خاص رفیق اور گوجر برادری کے سردار چودھری عظیم الدین صاحب کے ساتھ مل کر کیرانہ میں انگریز کے خلاف محاذ قائم کرلیا تھا۔ اور مجاہدین نے کیرانہ کے اطراف سے انگریزی حکومت کا خاتمہ کردیا تھا۔ اب جو

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۲۷۹-۳۰۴-۲۸۲

بھی اعلان ہوتا تو اس میں یہ کہا جاتا کہ "ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا"[1]

سوال: یہ صورت حال کب تک باقی رہی؟

جواب: بظاہر یہ حکومت بہت مضبوط تھی۔ لیکن کچھ مخبروں کی جاسوسی اور اپنوں کی بے وفائی سے دہلی پر غلبہ کے بعد انگریزوں کی فوج پورے اسلحہ سے کیرانہ میں داخل ہوگئی اور پوری سرگرمی کے ساتھ مولانا رحمت اللہ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ مولانا مرحوم کسی طرح بچ کر نکل گئے اور قریبی دیہات بیچ پٹھ میں روپوش ہوگئے۔ پھر وہاں سے پیدل دہلی پہنچے اور دہلی سے جودھپور اور وہاں سے سورت ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچ گئے[2] مکہ معظمہ میں آپ نے مدرسہ صولتیہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔ ۱۳۰۸ھ میں آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ[3]

دیگر شہر اور قصبے

سوال: ملک کے شہر اور قصبات میں بھی کیا علماء نے تحریک آزادی کی قیادت کی؟

جواب: تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں جہاں جہاں بھی انگریز کے خلاف بغاوت ہوئی عام طور پر اس کے قائد مسلم علماء ہی تھے۔ مثلاً علی گڑھ میں تقریباً دو ماہ تک شہر کا نظم و نسق مولانا قاضی عبدالجلیل ولد مولانا ریاض الدین صاحب کے ہاتھ میں رہا۔ اور آپ ہی کی قیادت میں انگریزی فوج سے زبردست تصادم ہوا جس میں آپ کے ہمراہ آپ کے ۷۲ ساتھیوں نے جام شہادت نوش فرمایا[4] اسی طرح روہیل کھنڈ اور اطراف مراد آباد میں جو بھی لڑائیاں ہوئیں ان میں علماء نے بڑھ چڑھ کر قائدانہ حصہ لیا۔ بدایوں کی تحریک میں بھی علماء پیش پیش رہے جن میں مولانا فیض احمد بدایونی کا نام قابل ذکر ہے۔ جو پادری فنڈر سے مناظرہ کے دوران مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے معاون تھے اور بعد میں دہلی کی انگریز مخالف حکومت میں اہم عہدہ پر فائز تھے[5]

اسی طرح مراد آباد کے مجاہد علماء میں مولانا کفایت علی کافی شہید کا نام آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے جنھیں اپریل ۱۸۵۸ء میں انگریز نے گرفتار کر کے پھانسی پر چڑھا دیا تھا[6] کہتے ہیں کہ جب مولانا کو پھانسی کے لیے لے جایا جا رہا تھا تو آپ کی زبان پر

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۳۰۸ [2] ایضاً ۴/ ۳۰۹-۳۱۰ [3] ایضاً ۴/ ۳۱۱ [4] ایضاً ۴/ ۳۱۹
[5] ایضاً ۴/ ۳۶۰ [6] ایضاً ۴/ ۳۷۸

ایک تازہ نظم تھی جو آپ ترنم کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں:

کوئی گل باقی رہے گا، نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا

ہم صفیرو! باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا

اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا

جو پڑھے گا صاحب لولاک کے اوپر درود
آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا

سب فنا ہو جائیں گے کافیؔ ولیکن حشر تک
نعتِ حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

مراد آباد کے جانباز مجاہدوں میں مولوی وہاج الدین عرف مولوی منو کا نام بھی مشہور و معروف ہے۔ انھوں نے بھی مظلومانہ حالت میں جام شہادت نوش فرمایا اور اپنی بے مثال جرأت کے تابندہ نقوش تاریخ کے صفحات پر نقش کرا دیے۔

ایک عظیم مجاہد

سوال: اس دور کے مجاہد علماء میں اور کس شخصیت نے زیادہ شہرت حاصل کی؟

جواب: تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کا نام بھی بڑا روشن ہوا۔

سوال: مولانا موصوف کے کچھ حالات بیان کیے جائیں؟

جواب: مولانا احمد اللہ شاہ مدراس کے علاقہ کے رہنے والے تھے۔ ابتداء ہی سے انقلابی طبیعت پائی تھی۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد ان کے دل میں جذبۂ جہاد موجزن ہوا۔ اگرچہ خاندانی اعتبار سے صاحب دولت و ثروت تھے لیکن مشائخ سے استفادہ کے شوق میں حیدر آباد، جے پور، گوالیار، ٹونک ہوتے ہوئے آپ دہلی پہنچے۔ یہ غالباً ۱۸۴۶ء کا زمانہ تھا جبکہ پنجاب اور سرحد پر انگریز مخالفوں اور حمایتوں میں جنگیں چل رہی تھیں۔ مولانا احمد اللہ شاہ دہلی کے سرکردہ علماء کے مشورہ سے آگرہ تشریف لے آئے۔ آگرہ کی دینی حالت اس وقت بہت خراب تھی جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اتنے بڑے شہر میں جمعہ میں صرف تیس پچیس لوگ جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ مولانا احمد اللہ شاہ نے تشریف لا کر چند ہی دنوں میں یہاں کی کایا پلٹ دی۔ آپ کے مواعظ کی مجلس میں دس دس ہزار کا اجتماع ہونے

---

۱ علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۳۷۹ ۲ ایضاً ۴/۳۸۴

لگا۔ مولانا محمد میاں لکھتے ہیں کہ وہی آگرہ جس کی جامع مسجد کو جمعہ کے روز بمشکل بیس پچیس نمازی نصیب ہوتے تھے، اب اس کی ایک ایک مسجد میں سینکڑوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ جو مسجدیں عرصہ سے ویران تھیں اب ان کی آبادی پر لوگ حیرت کرتے تھے۔ آپ کی وقعت و عزت کا عالم یہ تھا کہ جب آپ کہیں تشریف لے جاتے تو مریدین کا بڑا ہجوم ساتھ ساتھ رہتا اور آپ کے آگے آگے ڈنکا بجتا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے آپ ڈنکے والا پیر یا ڈنکا شاہ سے مشہور ہو گئے۔

آپ کی اس مقبولیت سے انگریز حکمراں پریشان ہو گئے اور انھوں نے آپ کے ساتھیوں پر مقدمات چلانے اور سزائیں دینا شروع کر دیں۔ آپ نے اس صورتحال کا احساس کر کے آگرہ سے منتقل ہونا مناسب سمجھا اور کانپور ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچ گئے۔ لکھنؤ میں بھی آپ نے زبردست مقبولیت حاصل کر لی۔ مگر وہاں کی انگریزی سیاست نہایت خطرناک تھی اس لیے آپ فیض آباد منتقل ہو گئے۔ فیض آباد میں انگریزوں نے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے فوج بھیجی۔ شاہ صاحب کے متوسلین نے فوج کا مقابلہ کیا لیکن مقابلہ چونکہ ولعدم تھا، اس لیے ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا اور شاہ صاحب کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ جس وقت جیل میں تھے اسی زمانہ میں مئی ۱۸۵۷ء کی عام بغاوت کا واقعہ پیش آیا۔ جس کی بناء پر مولانا احمد اللہ صاحب کے جانشین مولانا سکندر شاہ صاحب فیض آبادی نے مجاہدین کے ساتھ جیل خانہ پر دھاوا بول کر حضرت شاہ صاحبؒ کو چھڑا لیا۔ شاہ صاحب رہائی کے بعد اپنے حامیوں کو لے کر لکھنؤ روانہ ہو گئے اور لکھنؤ میں انگریز کے خلاف محاذ بنانے کی کوشش کی مگر یہاں شیعہ سنی افتراق اور دیگر موانع کی بنا پر حالات سازگار نہ ہو سکے، چنانچہ یہاں سے آپ شاہجہاں پور پہنچے اور اس کے بعد قصبہ محمدی جا کر ایک عارضی حکومت قائم کر لی جس کے ارکین میں جنرل بخت خاں، مولانا سرفراز علی صاحب، مولانا لیاقت علی الہ آبادی، مولانا فیض اللہ صاحب بدایونی وغیرہ تھے[1]

سوال: محمدی میں کتنے دنوں حکومت قائم رہی؟

جواب: محمدی میں ابھی حکومت کے آثار پوری طرح عام نہ ہونے پائے تھے کہ انگریز

---

[1] تلخیص از علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۲۱۰ تا ۲۳۰

جنرل سر کالن کیمل نے قصبہ محمدی پر زبردست حملہ کر دیا جس کی بنا پر شاہ صاحب کے دیگر معاونین تو کسی طرح جان بچا کر نیپال کی طرف چلے گئے اور شاہ صاحب نے ریاست پوائیں کا رخ کیا[1]

شاہ صاحب کی شہادت

سوال: پوائیں پہنچ کر کیا صورت حال پیش آئی؟

جواب: راجہ پوائیں اولاً آپ سے گفتگو پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن جب آپ اس سے گفتگو کے لیے اس کے قلعہ کے پاس پہنچے تو اوپر سے گولیاں چلا کر اس نے ولعتاً آپ کو شہید کر دیا۔ مفتی انتظام اللہ کا بیان ہے کہ راجہ بلدیو سنگھ نے سر مبارک جسد اطہر سے اتار اور صاحب کلکٹر بہادر شاہجہانپور کے سامنے پیش کر دیا جو عرصہ تک کوتوالی پر لٹکا رہا۔ نعش کو آگ سے پھونک دیا۔ اس پر سرکار برطانیہ نے پچاس ہزار روپیہ نقد اور خلعت فاخرہ راجہ پوائیں کو عطا کیا۔ یہ واقعہ ۵ر جون ۱۸۵۸ء مطابق ۱۳ر ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ کو پیش آیا[2]

انگریزوں کا اعتراف

سوال: شاہ صاحب کی شہادت پر انگریزوں نے اتنی خوشی کا اظہار کیوں کیا؟

جواب: اس دور میں انگریز شمالی ہند میں شاہ صاحب کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔ اور ان کی جرأت و شجاعت کے معترف بھی تھے۔

سوال: کیا انگریزوں کے اعتراف کی کوئی شہادت بھی کتابوں میں موجود ہے؟

جواب: جی ہاں! متعدد انگریز مصنفین نے شاہ صاحب کی جرأت اور بہادری کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً جنرل ٹامسن جو ایک بہادر انگریز تھا اور ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں شریک تھا، وہ شاہ صاحب کے متعلق لکھتا ہے:

"مولوی احمد اللہ شاہ بڑی لیاقت اور قابلیت رکھتا تھا وہ ایسا شجاع تھا کہ خوف اس کے نزدیک نہیں آتا تھا، یہ عزم کا پکا اور ارادہ کا مستقل تھا، باغیوں میں اس سے

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/ ۳۳۰-۳۳۱ [2] ایضاً ۴/ ۳۳۱

بہتر کوئی سپاہی نہیں تھا۔ یہ فخر اسی کو حاصل ہے کہ اس نے دو مرتبہ سرکالن کیمبل کو میدان جنگ میں ناکام رکھا۔ وہ بہ نسبت اور باغیوں کے خطاب شاہ کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر محب وطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کے لیے جو غلطی برپا ہو گئی ہو سازشیں کی جائیں اور لڑائیاں لڑی جائیں تو مولوی یقیناً اپنے ملک کا محب صادق تھا۔ اس نے کبھی تلوار کو قتل اور سازشی قتل سے خون آلود نہیں کیا۔ وہ بہادرانہ اور معززانہ طور سے ان سے معرکہ آرا ہوا جنھوں نے اس کا ملک چھین لیا تھا، دنیا کی ساری قومیں اس کو تعظیم و آدب کے ساتھ جو شجاعت و صداقت کے لیے لازمی تھیں اور جن کا مستحق تھا اس کو یاد کریں گی[۱]۔"

ایک دوسرے انگریز فارسٹر کا بیان ہے کہ:

"جن کو فیض آبادی مولوی کہا جاتا ہے ان کے متعلق یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عالم باعمل ہونے کی وجہ سے مولوی تھا، رُوحانی طاقت کی وجہ سے صوفی اور جنگی مہارت کی وجہ سے سپاہی اور سپہ سالار تھا۔ اس کی طبیعت ظلم سے پاک تھی۔ ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے[۲]۔"

سوال: تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں مجموعی طور پر قربانیاں کس کی زیادہ رہیں؟

جواب: جیسا کہ پہلے تفصیلات آچکی ہیں کہ اس پوری تحریک کے اصل روح رواں علماء ہی تھے۔ اور ہر علاقہ میں جو بھی علماء بااثر تھے، ان میں سے اکثریت نے مغلیہ حکومت کی بقاء کے لیے اپنے اپنے حلقہ اثر میں ہر ممکن قربانیاں پیش کیں۔ دیگر مذہب کے مذہبی لوگ بھی اگرچہ کسی حد تک مقامی طور پر تحریک میں شریک ہوتے رہے۔ لیکن اصل قیادت بہر حال مسلمانوں ہی کی رہی۔ مگر انگریز کی بھرپور قوت، مدبرانہ سیاست اور نوابوں اور راجاؤں کی مفاد پرستی نے اس تحریک کو سبوتاژ کر دیا اور ۱۸۵۷ء کے بعد جو انگریزی مظالم شروع ہوئے ان کو دیکھ کر عوام و خواص ایسے مرعوب ہوئے کہ یہ تصور ہی ذہن سے نکل گیا کہ انگریز کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ مسلمان اس حد تک سراسیمہ اور خائف ہو گئے کہ بقول سید محمد میاں دیوبندیؒ "کانگریسی وزارتوں کے قیام سے پیشتر تک قومی اداروں کے دستور اساسی میں بسم اللہ کے بعد

[۱-۲] علماء ہند کا شاندار ماضی۔ ص ۳۳۴ بحوالہ باغی علماء۔ ص ۴۹-۵۰

پہلا جملہ یہ ہوتا تھا کہ "اس ادارہ کا تعلق سیاست سے قطعاً نہ ہوگا[1]"

سوال: کیا یاس انگیز ماحول میں کچھ لوگ ایسے رہے جن کے دل میں انقلاب کی چنگاری روشن رہی؟

جواب: جی ہاں! اس دور میں اگرچہ زبان سے اظہار آزادی جرم تھا لیکن عملی طور پر اسلام اور مسلمانوں کی بقا کے لیے علماء ہر ممکن جدوجہد کرتے رہے جس کا نتیجہ آگے چل کر تحریک شیخ الہندؒ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۲۹۷

تحریک شیخ الہندؒ

- ریشمی رومال
- نقطۂ آغاز
- ثمرۃ التربیت اور جمعیۃ الانصار
- سندھ میں تحریکِ آزادی
- نظارۃ المعارف، دہلی
- منصوبہ کیا تھا
- شیخ الہندؒ کا سفرِ حجاز
- غالب نامہ آزاد قبائل میں
- تحریک کے راز کا افشاء
- شیخ الہند کی گرفتاری، اور اسارت مالٹا
- تحقیق و تفتیش

ریشمی رومال

سوال: تحریک شیخ الہند کو "تحریک ریشمی رومال" کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: حکومت برطانیہ کو اس خفیہ تحریک کا سراغ بعض ریشمی رومالوں سے ملا تھا، جن پر تحریک کے متعلق ضروری معلومات تحریر تھیں۔ اس لیے انگریز نے اسے "تحریک ریشمی رومال" کے نام سے مشہور کر دیا تھا۔[1]

تحریک کا نقطۂ آغاز

سوال: یہ تحریک کب اور کہاں سے شروع ہوئی؟

جواب: ۱۸۵۷ء میں ناکامی کے بعد دردمند علماء نے دیو بند میں ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی، تاکہ ملک میں اسلام اور مسلمانوں کی بقاء کے لیے رجال کار تیار کیے جائیں اور انگریزوں کے ذریعہ پھیلائے جانے والے ذہنی ارتداد کا دفاع کیا جاسکے۔ یہ ادارہ محض ایک مدرسہ ہی نہیں تھا بلکہ ایک مضبوط اسلامی قلعہ کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیتا تھا۔ چنانچہ ابھی اس کے قیام کو دس سال کا عرصہ گذرا تھا کہ دارالعلوم کے روح رواں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ایماء پر فرزندان و بہی خواہان دارالعلوم کو ایک اجتماعی نظم میں مربوط کرنے کے لیے باقاعدہ ایک انجمن تشکیل دی گئی۔[2]

سوال: اس انجمن کا کیا نام تھا؟

جواب: اس انجمن کا نام "ثمرۃ التربیت" تھا۔[3]

---

۱ تحریک شیخ الہند، ص ۶۱ ۲ ۳ مقام محمود، ص ۴۳ ۔ ۴۷ بحوالہ "ماہنامہ دارالعلوم" نمبر ۶، ص ۲۸۲

سوال: انجمن کے ابتدائی ارکان کون لوگ تھے؟

جواب: انجمن کے سرپرست حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے اور روحِ رواں دارالعلوم دیوبند کے سب سے اولین فرزند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی تھے جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور دیگر ارکان میں درج ذیل علماء کے نام ملتے ہیں:
(۱) مولانا احمد حسن امروہویؒ (۲) مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ (۳) مولانا عبدالحق پور قاضویؒ (۴) مولوی محمد فاضل صاحب پھلتیؒ (۵) مولوی میر محمد صادق صاحب مدراسیؒ (۶) مولوی عبدالقادر صاحب دیوبندیؒ (۷) مولوی فتح محمد تھانویؒ (۸) مولانا عبداللہ صاحب انبیٹھویؒ (۹) مولانا محمد مراد صاحبؒ ساکن پاک پٹن (۱۰) مولانا عبداللہ صاحب گواپلڑیؒ (۱۱) مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھیؒ (۱۲) مولانا نہال احمد صاحب دیوبندیؒ (۱۳) مولانا عبداللطیف صاحب سہسپوریؒ (۱۴) مولانا عبداللہ صاحب جلال آبادیؒ (۱۵) مولوی محمد اعلیٰ صاحب انبیٹھویؒ (۱۶) مولوی عبدالعدل صاحب پھلتیؒ (۱۷) مولانا کوثر صاحب گیلنویؒ (۱۸) مولانا کرامت اللہ صاحب دہلویؒ[۱]

سوال: اس انجمن کا مقصد اصلی کیا تھا؟

جواب: مورخ تحریک آزادی حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ اس سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"ثمرۃ التربیت سے صرف فضلاء و منتسبین دارالعلوم کی تنظیم مقصود نہیں تھی بلکہ دراصل مقصد ایسے باحوصلہ افراد کی تنظیم تھا جو قیام دارالعلوم کے مقصد ۱۸۵۷ء کی تلافی کے سلسلہ میں کام کر سکیں[۲]"

سوال: یہ انجمن کب تک سرگرم رہی؟

جواب: انجمن کے قیام کے صرف دو سال کے بعد ۱۲۹۷ھ میں حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کا وصال ہو گیا جس کی وجہ سے انجمن میں ضابطہ کی سرگرمیاں جاری نہ رہ سکیں تاہم انفرادی طور پر حضرت شیخ الہندؒ اپنے شاگردوں کی ذہن سازی کے ذریعہ کم و بیش تیس سال تک نہایت رازداری کے ساتھ انجمن کے مقصد کی تکمیل کے لیے آبیاری کرتے رہے[۳]

---

۱ ماہنامہ "دارالعلوم" نمبر ۵، ص ۲۸۲-۲۸۳ ۲ اسیرانِ مالٹا، ص ۱۲ ۳ ایضاً، ص ۲۳

سندھ میں تحریکِ آزادی

سوال: کیا اس دور میں جدوجہد کا کوئی ثمرہ بھی سامنے آیا؟

جواب: قبائلی علاقوں کے طلباء دیوبند میں پڑھنے آتے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کے سیاسی افکار و خیالات کے مبلغ بن کر جب یہاں سے جاتے تھے، تو اپنے علاقہ میں مدارس و مکاتب قائم کر کے انقلابی روح بیدار کرتے تھے۔ ۱۳۱۵ھ میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے حکم کے بموجب اپنی عملی زندگی کا آغاز "گوٹھ پیر جھنڈا حیدر آباد سندھ" میں "دار الرشاد" نامی ایک مدرسہ کے قیام سے کیا۔ اس زمانہ میں سندھ کے گرد و نواح میں آزادیٔ ہند کے لیے ایک خفیہ تحریک جاری تھی جس کی قیادت سندھ کے عظیم المرتبت بزرگ خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ فرماتے تھے۔ یہ بزرگ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے پیر و مرشد تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک اور سندھ میں پروان چڑھنے والی تحریک کے مابین مضبوط رابطہ قائم کیا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ مولانا سندھیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کو سندھ کا دورہ کرایا اور وہاں کے کام سے متعارف کرایا۔ اسی طرح دیگر علاقوں میں حضرت شیخ الہندؒ کے شاگردوں نے دینی خدمات کے عنوان سے مراکز قائم کیے اور عمومی و خصوصی ذہن سازی کا کام ہوتا رہا۔[1]

جمعیۃ الانصار

سوال: ثمرۃ التربیت کی سرگرمیاں رُک جانے کے بعد بھی کیا اس سطح پر تنظیم کی اور کوشش کی گئی؟

جواب: حضرت شیخ الہندؒ نے ازسرِنو تنظیم کے لیے ۱۳۲۷ھ میں جمعیۃ الانصار کی تشکیل فرمائی اور اس کی نظامت کے لیے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو سندھ سے بلا کر دیوبند کے مرکز میں کام کرنے کا حکم دیا۔ مولانا سندھی لکھتے ہیں:

"۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) میں حضرت شیخ الہندؒ نے مجھے دیوبند طلب فرمایا اور مفصل

---

[1] یہ بیضا، ص ۸۳ از عالی جیدی

حالات سن کر دیوبند میں رہ کر کام کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ اس کے ساتھ دیوبند کا تعلق بھی قائم رہے گا[1]"

سوال: اس جمعیۃ سے عوامی تعارف کے لیے کیا طریقہ اپنایا گیا؟

جواب: اولاً ۱۹۱۱ء میں دار العلوم میں عظیم الشان جلسہ دستار بندی کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں تیس ہزار افراد نے شرکت کی جو بجائے خود ایک حیرت انگیز بات تھی اور تحریک دیوبند کی بے مثال مقبولیت کی دلیل تھی۔ اس اجلاس سے حضرت شیخ الہندؒ سے فکری وابستگی رکھنے والے ہزاروں علماء کو بھی مل بیٹھنے کا موقع ملا۔ حتیٰ کہ سندھ میں چلنے والی تحریک آزادی کے قائدین خواجہ غلام محمد دین پوریؒ اور مولانا تاج محمد امروٹیؒ بھی اس موقع پر دیوبند تشریف لائے[2] اس تاریخی اجلاس سے جمعیۃ الانصار کی ضرورت عوام وخواص کے سامنے آئی اور اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔

سوال: اس کے بعد جمعیۃ کی کیا سرگرمیاں رہیں؟

جواب: جمعیۃ الانصار کا پہلا باقاعدہ اجلاس اپریل ۱۹۱۱ء میں شہر مراد آباد میں منعقد ہوا جس میں علماء دیوبند کے علاوہ علی گڈھ اور ندوہ کے بھی سربرآوردہ حضرات شریک ہوئے۔ پھر دوسرا اجلاس ۱۹۱۲ء میں میرٹھ میں ہوا جس کی صدارت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمائی، تیسرا اجلاس ۱۹۱۳ء میں شملہ میں ہوا جس میں شیخ الاسلام افغانستان نے بھی شرکت فرمائی[3] مگر جمعیۃ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت حکومت برطانیہ کی نظر میں کھٹکنے لگی تھی اور اندیشہ تھا کہ کہیں جمعیۃ کی آڑ میں دار العلوم دیوبند ہی نشانے پر نہ آجائے۔ اس لیے حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر مولانا عبید اللہ سندھیؒ جمعیۃ الانصار کے بار نظامت سے سبکدوش ہوگئے[4] اور آپ کے مستعفی ہونے کے بعد جمعیۃ کی سرگرمیاں بھی مدھم پڑ گئیں۔

نظارۃ المعارف دہلی

سوال: جمعیۃ الانصار سے مستعفی دینے کے بعد مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا قیام کہاں رہا؟

---

[1] ذاتی ڈائری ۱/ ۲۰ [2] علماء حق ۱/ ۱۳۱ [3] دیدہ بنام ص ۱۰۷

[4] مقام محمود، ص ۲۰۳-۲۰۴ [5] نقش حیات ۲/ ۱۴۴

جواب: مولانا سندھیؒ دیوبند سے دہلی منتقل ہو گئے اور یہاں آکر مسجد فتح پوری میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ایک فکری ادارہ قائم کیا جس کے سرپرست حضرت شیخ الہندؒ، نواب وقار الملک اور حکیم اجمل خاں تھے[۱]

سوال: نظارۃ المعارف کے قیام کا مقصد کیا تھا؟

جواب: اس ادارہ سے بھی دراصل عوام و خواص کی ذہن سازی مقصود تھی۔ بقول مولانا محمد میاں صاحب یہ ادارہ درمنداِن حریت کے لیے جائے اطمینان اور آزادی کے ساتھیوں کے لیے خفیہ مشورہ گاہ تھا[۲] بڑے بڑے انقلابی لیڈروں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام آزاد سے مولانا سندھی کا تعارف یہیں رہ کر ہوا[۳]

سوال: یہ ادارہ کب تک قائم رہا؟

جواب: تقریباً دو سال تک مولانا سندھی دہلی میں مقیم رہ کر اس ادارہ کو چلاتے رہے[۴]

سوال: اس کے بعد کیا ہوا؟

جواب: حضرت شیخ الہندؒ کی ابھی تک محنت افراد سازی پر ہوتی رہی اور آپ کے شاگردوں نے اپنے اپنے علاقوں میں دینی مراکز کے عنوان سے کام شروع کر کے اپنے حلقے بنا لیے تھے[۵] اور پروگرام یہ تھا کہ رفتہ رفتہ مزید تیاریاں کر کے پھر کوئی اقدام کیا جائے گا۔ لیکن ۱۹۱۴ء میں جب جرمنی اور برطانیہ میں جنگ عظیم چھڑ گئی تو حالات دفعتاً تیز ہو گئے اور شدت سے ضرورت محسوس ہونے لگی کہ اس موقع پر برطانیہ کو نقصان پہنچایا جائے[۶]

کیا منصوبہ بنایا گیا؟

سوال: اس مقصد سے کیا اقدامات کیے گئے؟

جواب: علاقہ یاغستان (آزاد قبائل) کی ریاست باجوڑ کے موضع "زنگی" کو مرکز بنا کر حضرت شیخ الہندؒ کے خدام و مخلصین نے انگریزوں سے باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔ اور یہ سب کارروائیاں حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر انجام پاتی رہیں[۷]

---

[۱] نقش حیات ۲/۱۳۵ [۲] اسیران مالٹا، ص ۲۷ [۳] ایضاً [۴] ایضاً علماء حق ۱/۱۳۶

[۵] ملاحظہ کریں "تحریک شیخ الہند" ص ۶۵ تا ۶۸ [۶] نقش حیات ۲/۲۱۰

[۷] مقام محمود، ص ۲۸۱ بحوالہ "الجمعیۃ" سنڈے ایڈیشن، ۶ جنوری ۸۵ء

سوال: اس جہاد کے قائدین کون تھے؟
جواب: اس کی قیادت جماعت شیخ الہندؒ کے دو مخلصین حاجی صاحب ترنگ زئی، اور مولانا سیف الرحمٰن کابلی کر رہے تھے۔[۱]

سوال: اس جہاد کا مالی تعاون وغیرہ کہاں سے ہوتا تھا؟
جواب: پورے ملک میں تحریک کے مراکز قائم تھے جن میں دیوبند، دہلی، پانی پت، چکوال، دین پور، امروٹ، کراچی قابل ذکر ہیں۔ وہیں سے مجاہدین کی امداد آتی تھی اور علاقہ کے عوام کا بھرپور تعاون بھی ساتھ تھا۔[۲]

بیرونی حکومتوں سے تعاون کی ضرورت

سوال: قبائلی علاقوں میں جہاد کب تک جاری رہا؟
جواب: کچھ دنوں تک جہاد بہت کامیابی سے جاری رہا۔ لیکن بعد میں اولاً رسد کی کمی اور پھر انگریز کے ہوا خواہوں کے مخالفانہ پروپیگنڈے کے باعث جہاد میں رکاوٹیں پیش آنے لگیں۔[۳]

سوال: یہ مخالفانہ پروپیگنڈہ کیا تھا؟
جواب: انگریز کے آدمی قبائلی علاقوں میں جا کر یہ کہتے تھے کہ جہاد چونکہ بغیر کسی امیر کے ہو رہا ہے اس لیے شرعاً درست نہیں ہے اور تمہارا امیر والیٔ افغانستان امیر حبیب اللہ ہے وہ جب جہاد کا حکم کرے گا تب جہاد کیا جائے گا۔[۴]

سوال: اس صورت حال کو معلوم کر کے حضرت شیخ الہندؒ نے کیا حکمت عملی اختیار فرمائی؟
جواب: ان حالات میں قائد تحریک حضرت شیخ الہندؒ نے ضروری خیال کیا کہ تحریک کے لیے بیرونی حکومتوں سے تعاون حاصل کیا جائے۔ اور اس مقصد کے لیے اولاً مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان کے دارالحکومت کابل جانے کا حکم فرمایا تاکہ دولت افغانیہ کے اراکین سے مل کر تحریک کے لیے ہمدردیاں حاصل کی جائیں۔ اور خود

۱۔ مقام محمود، ص ۱۸۲، بحوالہ الجمعیۃ "سنڈے ایڈیشن" ۲۶ جنوری ۸۵
۲۔ مراکز کی تفصیل و تعیین کے لیے ملاحظہ ہو نقش حیات، ص ۱۸۱، ۲۰۷، ج ۲، اسیران مالٹا، ص ۱۳
۳۔ ۴۔ نقش حیات ۲/ ۱۸۵

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے بعض رفقاء کے ساتھ حجاز مقدس کا سفر فرمایا۔ تاکہ خلافت عثمانیہ (جو اس وقت تمام دنیا کے مسلمانوں کا مرکز بھی جاتی تھی) کی طرف سے انگریز سے جہاد کے پیغامات اور بوقت ضرورت فوجی امداد کے سلسلہ میں راہ ہموار کی جاسکے۔[1]

شیخ الہندؒ حجاز مقدس میں

سوال: حضرت شیخ الہندؒ حجاز مقدس کس تاریخ کو پہنچے؟

جواب: آپ ۹؍ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو مکہ معظمہ فروکش ہوئے اور وہاں کے ترکی گورنر غالب پاشا سے ملاقات کر کے انھیں ہندوستان کی صورت حال سے مطلع فرمایا۔[2]

سوال: غالب پاشا نے کیا عمل کیا؟

جواب: غالب پاشا نے اپنی طرف سے مسلمانان ہند کے نام ایک پیغام حضرت شیخ الہندؒ کے حوالہ کیا جس میں مسلمانوں کو ظالم انگریز کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی اپیل کی گئی تھی۔[3]

سوال: یہ پیغام کس نام سے مشہور ہوا؟

جواب: اس پیغام کو "غالب نامہ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔[4]

سوال: غالب نامہ کو ہندوستانی عوام تک پہنچانے کے لیے حضرت شیخ الہندؒ نے کیا کارروائی فرمائی؟

جواب: حضرت شیخ الہندؒ غالب پاشا کا یہ پیغام خود استنبول کے راستے سے یاغستان لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن عراق پر انگریزوں کے حملے کی وجہ سے راستے مخدوش تھے اس لیے غالب پاشا نے مذکورہ راستے سے آپ کو یاغستان پہنچانے سے معذورت ظاہر کی۔ بریں بنا آپ نے ایک لکڑی کا خاص صندوق بنوایا اور اس کے دو تختوں کے بیچ میں غالب نامہ چھپا کر جناب سید ہادی حسن صاحب رئیس خانجہانپور ضلع مظفر نگر کے حوالہ فرمایا اور انھیں تاکید فرمائی کہ وہ اس کی نقلیں کرا کے مولانا محمد میاں منصور

---

[1] نقش حیات ۲/ ۱۸۶-۱۸۷ و ۲۰۸/ علمائے اسیران مالٹا، ص ۳۴

[2] اسیران مالٹا، ص ۳۸ [3] [4] اسیران مالٹا، ص ۳۸-۳۹

انصاریؒ تک پہنچا دیں اور مولانا محمد میاں منصور انصاری کو یہ حکم فرمایا کہ غالب نامہ آزاد قبائلی علاقہ تک پہنچا دیں۔ چنانچہ ان خدام نے نہایت رازداری کے ساتھ مفوضہ امور انجام دیئے اور انگریز کی طرف سے سراغ رسانی کی انتھک کوششوں کے باوجود غالب نامہ قبائلی علاقوں میں بحفاظت تقسیم کرا دیا گیا۔[1]

غالب نامہ

سوال: غالب نامہ کا مضمون کیا تھا؟

جواب: غالب نامہ کا مکمل متن درج ذیل ہے:

(از) قائم مقام (نمائندہ) اعلیٰ حضرت خلیفہ رسول رب العٰلمین امیر المومنین دام اقبالہٗ

یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ جنگ عمومی گذشتہ ایک سال سے ترکی کی اسلامی حکومت کا رُخ کئے ہوئے ہے۔ روس، فرانس اور انگریز (دشمنان اسلام) ممالک عثمانیہ پر بری و بحری حملے کر رہے ہیں۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر حضرت امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین نے محض اللہ کی نصرت اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانی طاقت کے بھروسے پر جہاد مقدس کا اعلان کر دیا ہے جس کے جواب میں ایشیا، یوروپ اور افریقہ کے مسلمانوں نے لبیک کہا ہے اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان جنگ میں کود پڑے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ترکی فوج اور مجاہدین کی تعداد دشمنان اسلام کی تعداد سے بڑھ گئی ہے اور انھوں نے دشمنوں کی قوت کو مادی اور اخلاقی طور پر کمزور کر دیا ہے۔ چنانچہ روسیوں کی قوت کا ایک بڑا حصہ قفقازیہ میں تباہ کر دیا گیا ہے اور ایک لاکھ برطانوی اور فرانسیسی فوج اور ان کے جنگی جہاز درہ دانیال اور دوسرے مقامات پر برباد کر دیئے گئے ہیں، ترکوں، جرمنوں اور آسٹریلیوں نے مشرق میں روسیوں کو اور مغرب میں فرانسیسیوں کو اور بلجیموں کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔ ایک تہائی روسی اور فرانسیسی علاقے اور سارے بلجیم اور لاکھوں رائفلوں، بندوقوں اور دوسرے سامان جنگ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ہزاروں فوجیوں کو قیدی بنا لیا ہے۔ اب بلغاریہ بھی مرکزی قوتوں کے ساتھ شامل ہو کر جنگ میں شامل ہو گیا ہے اور اس نے

---

[1] نقش حیات ۲/۲۲۲، ۲۲۴۔ مقام محمود۔ ص ۲۲۳۔ تحریک شیخ الہند۔ ص ۴۷

سربیا کے علاقہ میں اندر تک گھس کر وہاں کے لوگوں کو شکست فاش دے دی ہے۔

اس لیے میرا یہ پیغام میرے سلام کے ساتھ ان مسلمانوں کو پہنچا دیا جائے جو ان حکومتوں کی غلامی میں ہیں۔ کہ وہ اب مکمل طور پر شکست کھا چکی ہیں۔ اور اب بالکل لاچار و بے یار و مددگار ہیں۔ اور ان کے یعنی مسلمانوں کے سامنے جس قوت و طاقت کا مظاہرہ کیا جارہا ہے وہ محض خیالی ہے۔

مسلمانو! آج تمھاری نجات کا دن ہے اس لیے اب اپنی ذلت و خواری اور اپنی غلامی پر راضی و قانع نہ رہو۔ بلاشبہ آزادی، کامیابی فتح و نصرت تمھارے ساتھ ہے۔ ب خواب غفلت سے بیدار ہو اور متحد ہو کر اپنے اندر تنظیم و اتحاد پیدا کرو، اپنی صفوں و درست کر لو۔ اور اپنے آپ کو ان چیزوں سے لیس کر لو جو تمھارے لیے ضروری کافی ہوں اور پھر اس ظالم و جابر عیسائی حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہو جس کی ملامی کا کمزور طوق تمھاری گردن میں پڑا ہوا ہے۔ اس زنجیرِ غلامی کو اپنے مذہب کی طاقت اور دین کی تیز دھار سے کاٹ ڈالو اس طرح اپنے وجود اور انسانی حقوق کو حاصل کر لو۔ ہم انشاء اللہ عنقریب مکمل فتح و کامیابی کے بعد معاہدے کریں گے تو تمھارے حقوق کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔ اس لیے اب جلدی کرو اور پختہ عزم و ارادہ کے ساتھ دشمن کا گلا گھونٹ کر اسے موت کے منہ میں پہنچا دو۔ اور اس سے نفرت و دشمنی کا مظاہرہ کرو ہم تمھاری طرف بھروسے اور اعتماد کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے یہ اچھا موقع ہاتھ سے نہ جانے دو۔ بد دل نہ ہو اور خدا وند بزرگ و برتر سے دلی مراد پوری ہونے کی اُمید رکھو۔

تمھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مولانا محمود حسن صاحب جو پہلے دیوبند ہندوستان کے مدرسہ میں تھے ہمارے پاس آئے اور ہم سے مشورہ طلب کیا، ہم اس بارے میں ان سے متفق ہیں۔ اور ان کو ضروری ہدایات دے دی ہیں۔ ان پر اعتماد کرو۔ اگر وہ تمھارے پاس آئیں تو روپے سے، آدمیوں سے اور جس چیز کی انھیں ضرورت ہو اس چیز سے ان کی مدد کرو۔

دستخط غالب (پاشا) والی حجاز مقدس[1]

---

[1] تحریک شیخ الہند، ص ۲۸۳-۲۸۴

غالب نامہ آزاد قبائل میں

سوال: آزاد قبائلی علاقوں میں غالب نامہ پہنچنے کا کیا اثر رہا؟

جواب: اس فرمان نے قبائلی علاقوں میں جہاد کا غیر معمولی جوش و خروش پیدا کر دیا۔ مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ جو غالب نامہ لے کر خود آزاد قبائل میں پہنچے تھے۔ اپنے ایک مکتوب میں حضرت شیخ الہندؒ کو لکھتے ہیں۔ غالب نامہ احباب ہند کو دکھلا کر حضرات یاغستان کے پاس لایا۔ حاجی صاحب بھی اب مہمند میں ہیں۔ مہاجرین نے مہمند، باجوڑ، سوات، بینر وغیرہ علاقوں میں آگ لگا رکھی ہے۔ ان علاقوں میں غالب نامہ کی اشاعت کا خاص اثر ہوا۔ الغرض یاغستان (آزاد قبائلی علاقوں) میں جہاد کا ماحول پوری طرح تیار ہو گیا تھا اور علاقہ کے تمام خوانین اور بااثر علماء و مشائخ منتظر تھے کہ وسائل مہیا ہوتے ہی وہ اپنی قوم کے ساتھ مردانہ وار میدان جہاد میں کود پڑیں[1] اور اس کی وضاحت انھوں نے ایک عرضداشت میں کی ہے۔ جو خلیفۂ وقت سلطان محمد رشاد خاں خامس کی خدمت میں حضرت شیخ الہندؒ کے توسط سے پیش کرنے کے لیے تیار کی گئی تھی۔ (مگر وہ پہنچائی نہ جا سکی، اور انگریز کے ہاتھ لگ گئی)

عرضداشت کا مضمون

سوال: اس عرضداشت کا مضمون کیا تھا؟

جواب: یہ عرضداشت یاغستان کے مہاجرین و انصار کی قائم کردہ تنظیم جمعیۃ حزب اللہ کی طرف سے پیش کی گئی تھی اور اس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ تنظیم حضرت شیخ الہندؒ کی سرپرستی میں قائم ہے۔ عرضداشت فارسی زبان میں لکھی گئی تھی جس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

بتوسط مخدوم الانام، حامی اسلام، سلطان العلماء مہاجر فی سبیل اللہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر اعظم جمعیۃ حزب اللہ عم فیوضہم۔ بملاحظہ غوث الاسلام خلیفۃ المسلمین امیر المومنین خادم الحرمین الشریفین سلطان بن سلطان محمد رشاد خامس خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ۔

---

[1] تحریک شیخ الہند، ص ۲۰۷

بعد آداب وتسلیمات مسنونہ فدویانہ خدمت عالیہ میں مندرجہ ذیل معروضات پیش ہیں:

(۱) ہم خدام اسلام حضرت سلطان العلماء مولانا محمود حسن صاحب کی زیر سرپرستی مجتمع ہوگئے ہیں۔ ہم نے اپنا نام "حزب اللہ" رکھا ہے اور آتش ظلم کو سرد کرنا ہمارا نصب العین ہے۔

(۲) ہندوستان اور افغانستان کی حدود کے درمیان ایک وسیع علاقہ جو وزیرستان سے الائی (کشمیر) تک پھیلا ہوا ہے، آزاد علاقہ کہلاتا ہے، بہادر اور غیرتمند حنفی المذہب افغانوں کا مسکن ہے۔ ان جری اور غیور بہادروں نے روز اول سے اپنے علاقہ کو حکومت انگریز کے تسلط سے آزاد رکھا ہے ہم خدام اسلام نے ۱۳۳۱ھ سے مہمند سے الائی تک کے علاقہ میں اپنی جدوجہد کے مراکز قائم کر رکھے ہیں۔

(۳) جیسے ہی دربار خلافت سے انگریزوں کے مقابلہ میں جنگ کا اعلان ہوا۔ جمعیۃ حزب اللہ کے کچھ ارکان حضرت سلطان العلماء کی ایماء پر انگریزی حکومت سے ہجرت کرکے اس آزاد علاقہ میں پہنچے، اور یہاں کے لوگوں کو انگریزوں کے خلاف ابھارنے کا کام شروع کردیا۔ برطانوی حکومت کی طرف سے جو رپورٹ گذشتہ عیسوی سال کے گزٹ میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں ہماری اس جدوجہد کا اقرار موجود ہے۔ ہند اور افغانستان کی تحریک میں بھی ہم نے بھرپور کوشش کی ہے اور کرتے رہیں گے۔ اگرچہ اب تک اس میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔

(۴) ہم خدام اسلام میں انگریزوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ اور خاص طور پر جنگ کے خاتمہ کے بعد، اس لیے نہایت ادب کے ساتھ عرض پرداز ہیں:

الف: صلح عمومی اور مختلف حکومتوں کے درمیان معاہدہ کے وقت مذکورہ بالا علاقہ کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے طے کرالیا جائے کہ یہ علاقہ سریر خلافت کے زیر اثر رہے گا۔

ب: اس علاقہ کے انتظام اور اصلاح کے لیے دربار خلافت سے افسر بھیجے جائیں ___ اور

ج: اگر موجودہ جنگ کے دوران ہی کچھ افسر تھوڑی فوج سامان جنگ اور مصارف

خوراک کے ساتھ یہاں بھیج دیئے جائیں تو یہاں سے لاکھوں جنگ آزمودہ غازی بلا تنخواہ اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اور یہ اقدام افغانستان کو سرگرم کرنے کے لیے بھی معاون ثابت ہوگا انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دربار خلافت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق واستطاعت بخشے۔

مورخہ ۷ اشوال ۱۳۳۵ھ (تقریباً ۱۵ راگست ۱۹۱۷ء)

مہر جناب حاجی صاحب ترنگ زئی صدر جمعیۃ حزب اللہ، مہر جناب ملا صاحب باجوڑ صدر انصار جمعیۃ حزب اللہ، مہر مولوی فضل ربی مہاجر رکن جمعیۃ حزب اللہ، مہر مولوی عبدالعزیز صاحب، رکن جمعیۃ حزب اللہ[1]

سوال: اس عرضداشت سے کیا مفہوم ہوتا ہے؟

جواب: عرضداشت کے مضمون کا مطالعہ کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ آزاد قبائلی علاقہ میں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک پوری طرح قدم جما چکی تھی اور اپنی حد تک جہادی سرگرمیاں جاری کیے ہوئے تھی اور مادی وسائل کے فقدان اور بین الاقوامی احوال کی تبدیلی کی وجہ سے خلافت عثمانیہ سے امداد وتعاون ناگزیر ہو گیا تھا۔

کابل میں مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگرمیاں

سوال: حجاز جانے سے قبل حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو کابل روانہ فرمایا تھا اور تحریک کے دوسرے بعض سرگرم اراکین بھی کابل پہنچ گئے تھے، تو ان حضرات نے کابل پہنچ کر کیا خدمات انجام دیں؟

جواب: کابل پہنچ کر مولانا سندھی اور ان کے رفقاء نے عام طور پر سفارتی طرز کی سرگرمیاں جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ دو کام نہایت اہم کیے۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان کی جلاوطن حکومت "حکومت موقتہ ہند" میں شرکت کی، جس کے صدر مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور وزراء مولانا سندھی اور مولانا برکت اللہ بھوپالی بنائے گئے۔ دوسرا اہم کام یہ ہوا کہ لشکر نجات دہندہ (جنود ربانیہ) کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی گئی، جس کا اصل مرکز مدینہ منورہ اور سالار اعظم حضرت شیخ الہند قرار پائے اس کی تفصیل بتاتے ہوئے مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ حضرت شیخ الہندؒ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

---

[1] تحریک شیخ الہند، ص ۲۸۱-۲۸۲

"ایک جمعیۃ ہندوستان آزاد کرانے والی اس کا صدر ایک ہندی راجہ مقیم کابل ہے جو کہ سلطان المعظم اور قیصر جرمنی کے اعتماد نامہ کے ساتھ یہاں پہنچا ہے۔ ناظم صاحب و مولوی برکت اللہ اس جماعت کے وزراء ہیں۔ اس جماعت نے ہندوستان میں مراکز و دیگر دول سے معاہدات کرنے کے لیے حرکت کی ہے جس میں ابتدائی کامیابی ہوئی ہے۔ اس کام میں عضو متحرک طلبہ ہی ہیں۔ ان میں بعض دربار خلافت ہو کر حاضر خدمت ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔"

دوسری جماعت "الجنود الربانیہ" یہ فوجی اصول پر مخصوص اسلامی جماعت ہے۔ جس کا مقصد اولیہ سلاطین اسلام میں اعتماد پیدا کرنا ہے۔ اس کا صدر جس کا نام فوجی قاعدہ سے جنرل یا القائد ہے حضور کو قرار دیا گیا ہے۔ اور مرکز اصلی مدینہ منورہ ہے[1]

جنگ کا پانسہ پلٹنے لگا

سوال: ترکی حکومت کی طرف سے مجاہدین کی حمایت و نصرت کا جو وعدہ غالب پاشا نے کیا تھا، اس پر عمل درآمد ہو سکا یا نہیں؟

جواب: جس وقت غالب پاشا نے مسلمانان ہند کے نام فرمان جاری کیا تھا اس وقت واقعی ترکی جرمنی اتحاد کی فتوحات جاری تھیں، جیسا کہ غالب نامہ میں تفصیل گذر چکی ہے۔ لیکن بعد میں جب امریکہ نے برطانیہ اور روسی اتحاد کی حمایت میں اپنی بے شمار فوجیں اور لا تعداد ہتھیار پیش کر دیے اور دوسری طرف انگریز کی سازش سے شریف مکہ نے ترکی حکومت سے بغاوت کر دی تو جنگ کا نقشہ بدلنے لگا اور ترک جرمن اتحاد کی فتح شکست سے تبدیل ہو گئی۔ خاص کر عرب علاقوں میں ترکوں کو سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور حالات دگرگوں ہو گئے۔

سوال: ان حالات کا اثر شیخ الہندؒ کی تحریک پر کیا پڑا؟

جواب: ظاہر ہے کہ جس شیر طاقت خلافت عثمانیہ اور اس کے اتحادیوں پر بھروسہ کیا گیا تھا، جب وہی ناکام ہو گئی تو اب تحریک شیخ الہند کے کامیاب ہونے کے راستے بھی مسدود ہو گئے۔

---

[1] تحریک شیخ الہند، ص ۲۷۱

اور تحریک کا راز فاش ہوگیا

سوال: حضرت شیخ الہندؒ کی کارروائیاں اور کابل وغیرہ میں مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگرمیاں کیا پہلے سے حکومت برطانیہ کے علم میں تھیں؟

جواب: اجمالی خبریں تو معلوم تھیں، اسی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ کے سفر حجاز کے وقت حکومت نے آپ کو گرفتار کرنے کی پوری سعی کی تھی[1]۔ مگر تفصیلات ابھی تک حکومت سے پوشیدہ تھیں۔

سوال: اس کی وجہ کیا تھی؟

جواب: وجہ یہ تھی کہ تحریک کے کارکن تحریک کے سلسلہ میں نہایت رازداری سے کام لیتے تھے۔ اور حتی الامکان اپنی ہر نقل و حرکت کو مخفیہ رکھتے تھے[2]۔

سوال: پھر بعد میں حکومت تحریک پر کیسے باخبر ہوئی؟

جواب: واقعہ اس طرح پیش آیا کہ مولانا سندھی نے ضروری خیال کیا کہ تحریک کے سلسلہ میں کابل میں ہونے والے کام کی تفصیل امیر تحریک حضرت شیخ الہندؒ کے علم میں آنی چاہیے تاکہ مفید مشورے لیے جاسکیں اور آئندہ کے لیے لائحۂ عمل طے کیا جاسکے۔ چنانچہ احتیاط کے پیش نظر مولانا سندھی نے ایک خط حضرت شیخ الہندؒ کے نام ریشمی رومال پر تحریر کیا۔ اور ایک تفصیلی خط مولانا محمد میاں منصور انصاری نے لکھا جس میں حکومت موقتہ اور جنود ربانیہ کی تفصیلات درج تھیں۔ جن میں ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے اراکینِ تحریک کے اسماء بطور منصب وار ذکر کیے گئے تھے۔ نیز مولانا سندھی کا ایک خط شیخ عبدالرحیم سندھی کے نام تھا جس میں انھیں تاکید کی گئی تھی کہ وہ مذکورہ تحریرات بحفاظت مدینہ منورہ پہنچادیں۔ یہ تینوں تحریریں مولانا سندھیؒ نے عبدالحق نامی ایک نومسلم کو دیں کہ وہ انھیں شیخ عبدالرحیم سندھیؒ کو پہنچادے۔ لیکن نہ معلوم کیا وجوہات ہوئیں کہ اس قاصد نے وہ وثائق اصل جگہ پہنچانے کے بجائے اپنے ایک سابق شناسا رب نواز کے حوالہ کردیے جو انگریزوں کا کاسہ لیس تھا۔ چنانچہ اس نے یہ سب مخفیہ دستاویزیں ملتان ڈویژن کے کمشنر کو پہنچادیے۔ کمشنر کے واسطے سے یہ تفصیلات سی آئی ڈی تک پہنچیں جس سے حکومت برطانیہ کو تحریک کی

---

[1] نقشِ حیات ۲/۲۱۳ [2] تحریک شیخ الہند، ص ۳۶

ہمہ گیری کا صحیح اندازہ ہوا۔ اور اس کے بعد ہی پورے ملک میں بلکہ برطانیہ کے زیر اثر تمام علاقوں میں تحریک سے وابستہ افراد پر سختیاں شروع ہوگئیں[1]

سوال: یہ خطوط کب روانہ کئے گئے، اور کب حکومت کے ہاتھ لگے؟

جواب: دستیاب خطوط پر ۸/۹/ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ مطابق ۹/۱۰/ جولائی ۱۹۱۶ء کی تاریخ درج ہے[2] اور اگست ۱۹۱۶ء میں وہ حکومت تک پہنچا دیے گئے[3]

حضرت شیخ الہندؒ کا حال

سوال: اس وقت حضرت شیخ الہندؒ کہاں مقیم تھے؟

جواب: جس وقت یہ تحریریں روانہ کی گئیں اس وقت حضرت شیخ الہندؒ اپنے رفقاء سمیت طائف میں محصور تھے، کیونکہ شریف مکہ نے ترکی حکومت سے بغاوت کر کے انگریزوں سے سازباز کر لی تھی۔

سوال: حضرت شیخ الہندؒ کے طائف جانے کی کیا وجہ پیش آئی؟

جواب: حضرت شیخ الہندؒ مدینہ منورہ میں ترک وزراء انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کر کے ان سے وثائق حاصل کر چکے تھے۔ اب ارادہ تھا کہ جلد از جلد ایران کے بری راستہ سے ہوتے ہوئے بذاتِ خود یاغستان پہنچ جائیں۔ اس ارادہ سے آپ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لائے۔ تاکہ جانے سے قبل مکہ کے حاکم غالب پاشا سے آخری ملاقات کر سکیں۔ غالب پاشا ان دنوں گرمی کی وجہ سے طائف میں مقیم تھے اس لیے آپ نے طائف کا قصد فرمایا اور وہاں جا کر غالب پاشا سے ملاقات کی۔ لیکن ابھی طائف پہنچے ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے کہ شریف مکہ نے بغاوت کر دی۔ اس وجہ سے آپ کو تقریباً ڈھائی ماہ تک طائف میں قیام کرنا پڑا۔ ۲۰/ رجب ۱۳۳۴ھ کو مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تھے اور ۱۰/ شوال ۱۳۳۴ھ کو واپسی ہو سکی[4]

سوال: طائف سے واپسی پر آپ نے اگلا پروگرام کیا بنایا؟

جواب: آپ جلد از جلد یاغستان پہنچنا چاہتے تھے لیکن چونکہ حج کا زمانہ قریب آ گیا تھا اس لیے رائے ہوئی کہ حج کے بعد سفر کیا جائے۔ چنانچہ حج ۱۳۳۴ھ کے بعد آپ مکہ معظمہ میں مقیم رہ کر سفر کی تیاری فرمانے لگے[5]

---

[1] مقام محمود، ص ۲۹۷-۲۹۸ [2] تحریک شیخ الہند، ص ۲۶۸-۲۶۹ [3] ایضاً ص ۱۲۶ [4] [5] اسیران مالٹا، ص ۲۲

حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کی گرفتاری کا بہانہ

سوال: مکہ معظمہ میں حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کی وجوہات کیا تھیں؟

جواب: ہندوستان سے ایک سرکاری شخص خان بہادر مبارک علی (اورنگ آبادی) اسی زمانہ میں مکہ معظمہ آئے اور انھوں نے شریف مکہ سے مل کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ علماء حرم کی طرف سے ایک ایسا فتویٰ مرتب کرایا جائے جس میں ترکوں کی تکفیر کی گئی ہو تا کہ اسے ہندوستان لے جا کر انگریز اس کے حامیوں کے حق میں استعمال کیا جائے۔ چنانچہ ایک فتویٰ اسی مضمون کا مرتب کیا گیا اور اسے دستخط کے لیے دیگر مقامی علماء کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا۔ حضرت نے اس کے مضمون سے اتفاق نہ کرنے کی وجہ سے اس پر دستخط کرنے سے انکار فرمادیا[۱]

سوال: حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے یہ فتویٰ کب پیش کیا گیا۔

جواب: محرم الحرام ۱۳۳۵ھ کے اواخر میں یہ واقعہ پیش آیا[۲]

سوال: اس کے بعد کیا شکل پیش آئی؟

جواب: فتویٰ پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کو گرفتاری کا سخت خطرہ تھا۔ اس لیے یہ حضرات جلد از جلد شریف مکہ کے قلمرو سے باہر نکل جانا چاہتے تھے۔ لیکن ابھی روانگی نہ ہوئی تھی کہ شریف مکہ نے جدہ میں مقیم کرنل ولسن (معتمد برطانیہ) کے کہنے پر حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کی گرفتاری کا آرڈر جاری کردیا[۳]

سوال: کیا گرفتاری رکوانے کی کچھ کوششیں نہیں کی گئیں؟

جواب: بہت کوششیں ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے معطوف سید امین عاصم اور دہلی کی باثر تاجر برادری کے ارکان نے شیخ الاسلام مکہ مفتی عبداللہ سراج سے گفتگو کی اور وہ کسی حد تک معاف کرنے پر آمادہ بھی ہوگئے لیکن شریف مکہ کسی طرح اپنا حکم بدلنے پر تیار نہ ہوا۔ اور یہی کہتا رہا کہ ہماری انگریز سے دوستی نئی نئی ہے۔ ہم ان کا حکم نہیں ٹال سکتے[۴]

---

۱ سفرنامہ اسیر مالٹا۔ ص ۳۳-۳۴ و اسیران مالٹا، ص ۳۳ ۲ اسیر مالٹا، ص ۳۴ نقش حیات ۲/۲۲۱

۳ سفرنامہ اسیر مالٹا، ص ۳۶ و اسیران مالٹا، ص ۴۳-۴۴ ۴ سفرنامہ اسیر مالٹا، ص ۳۷ تا ۳۸ اسیران مالٹا ص ۴۴

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی گرفتاری

سوال: حضرت شیخ الہندؒ کے رفقاء میں سے سب سے پہلے کس کی گرفتاری عمل میں آئی؟

جواب: سب سے پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کو گرفتار کیا گیا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ "مجھ کو حمیدیہ میں بلا کر لائے۔ کمشنر پولیس نے مجھ سے کہا کہ تو انگریزی حکومت کو برا کہتا ہے۔ اب اس کا مزہ چکھ، اور قید خانہ میں مجھ کو بھیج دیا[1]"

سوال: حضرت مدنی کو کہاں قید کیا گیا؟

جواب: مکہ معظمہ کے متمدن قید خانہ میں آپ کو قید کیا گیا۔ اس قید خانہ میں قیدی کا لباس وغیرہ نہیں بدلا جاتا تھا اور نہ کوئی مشقت کا کام لیا جاتا تھا۔ اور کھانا بھی باہر سے منگانے کی اجازت تھی[2]

حضرت شیخ الہندؒ کی روپوشی

سوال: اس دوران حضرت شیخ الہندؒ کہاں تھے؟

جواب: گرفتاری کے آرڈر کے بعد احباب کے مشورہ سے حضرت شیخ الہندؒ مولانا وحید احمد صاحب کے ساتھ روپوش ہو گئے تھے۔ شریف مکہ کی پولیس نے کافی تلاش و جستجو کی لیکن آپ ہاتھ نہیں آئے۔ شام کو جب یہ خبر شریف مکہ تک پہنچائی گئی تو اس نے حکم دیا کہ اگر عشاء تک مولانا سامنے نہ آئے تو ان کے دونوں ساتھیوں (مولانا عزیز گل اور حکیم نصرت حسین صاحب) کو گولی ماردی جائے اور ان کے مطوف کو سو کوڑے مار کر اس کا لائسنس ضبط کر لیا جائے۔ یہ خبر سن کر حضرت شیخ الہندؒ روپوشی ختم فرما کر باہر آگئے[3]

الحمد للہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے

سوال: باہر آنے پر آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟

جواب: آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور اونٹوں پر سوار کرا کر فوراً جدہ روانہ کر دیا گیا۔ جس

---

۱ سفرنامہ اسیر مالٹا، ص ۹۳، اسیران مالٹا، ص ۴۳ ۲ ایضاً، ص ۳۹ ۳ ایضاً، ص ۴۰، ص ۴۴-۴۵

وقت آپ مکہ سے روانہ ہو رہے تھے تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ ”الحمد للہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے اللہ کا شکر ہے کہ مصیبت میں مبتلا ہوں معصیت میں نہیں۔“

سوال: گرفتاری کس تاریخ کو پیش آئی؟

جواب: ۲۳؍صفر ۱۳۳۵ھ اتوار کی شب میں آپ کو مکہ معظمہ سے گرفتار کیا گیا۔ اور ۲۴؍صفر ۱۳۳۵ھ کو آپ جدہ پہنچ گئے۔

سوال: اس وقت آپ کے ساتھ رفقاء میں کون کون حضرات تھے؟

جواب: مولانا وحید احمد صاحب فیض آبادی (برادر زادہ حضرت مدنیؒ) حضرت مولانا عزیر گل صاحب اور حکیم سید نصرت حسین صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔

سوال: حضرت مدنی اس وقت کہاں تھے؟

جواب: حضرت مدنیؒ پہلے ہی مکہ مکرمہ میں قید ہو چکے تھے۔

حضرت مدنیؒ کی خدمت گذاری

سوال: پھر بعد میں حضرت مدنیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ کیسے ہوئے؟

جواب: حضرت مدنیؒ اگر چاہتے تو اپنی وجاہت اور تعلقات کے ذریعہ قید خانہ سے چھوٹ کر واپس مدینہ منورہ چلے جاتے اور حسب سابق وہاں حرم نبوی میں تدریسی اور تعلیمی خدمات کی انجام دہی میں مشغول ہو جاتے۔ لیکن اس نازک موقعہ پر آپ نے استاد کی خدمت گذاری کی جو مثال پیش کی ہے وہ انتہائی قابل قدر ہے۔ آپ کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ کو گرفتار کر کے جدہ بھیج دیا گیا ہے تو آپ نے قید خانہ ہی سے اس بات کی کوشش شروع کر دی کہ کسی طرح آپ کا بھی حضرت شیخ الہندؒ کا ساتھ ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنے مطوف کے ایک رشتہ دار سید محمد احمد جعفری سے کہا۔ ”چونکہ میں مدینہ منورہ سے فقط مولانا کی خدمت کے لیے نکلا ہوں۔ اس لیے مجھ کو آپ کی خدمت میں رہنا ضروری ہے۔ اگر جدہ سے مولانا ہندوستان تشریف لے گئے تو مجھے ساتھ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہاں مجھ سے اعلیٰ اعلیٰ خدام موجود ہیں۔ اور اگر کسی دوسری جگہ انھیں بھیجا گیا تو میرا ساتھ رہنا ضروری ہے۔ اس لیے جس طرح ممکن

---

۱ سفرنامہ اسیر مالٹا، ص ۳۰، واسیران مالٹا، ص ۸۵ ۲ سفرنامہ اسیر مالٹا، ص ۴۱، نقش حیات ۲/۲۳۳

ہو مجھ کو مولانا کے پاس بھجوا دیجئے۔" چنانچہ سید احمد جعفری صاحب کی کوششوں سے آپ کو بھی ۲۳ر صفر کو شام کے وقت حضرت شیخ الہندؒ کے پاس جدہ روانہ کر دیا گیا[1]

جدہ سے مصر روانگی

سوال: ان حضرات کا جدہ میں کتنے دن قیام رہا؟

جواب: حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کی احباب یہ چاہتے تھے کہ جنگ عظیم کے اختتام تک ان کو جدہ یا اس کے اطراف میں قید رکھا جائے۔ لیکن انگریز جنرل ولسن اس پر تیار نہ ہوا۔ اور اس نے سبھی قیدیوں کو مصر جانے کا حکم دے دیا[2]

سوال: جدہ سے مصر روانگی کب ہوئی؟

جواب: ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں مطابق ۱۲ر جنوری ۱۹۱۷ء جمعہ کے روز آپ حضرات دخانی کشتی پر سوار ہو کر مصر کے لیے روانہ ہو گئے۔ اور پانچویں دن قاہرہ پہنچے۔ قاہرہ سے شہر جیزہ کے سیاسی قید خانہ میں آپ کو لے جایا گیا[3]

تحقیق و تفتیش

سوال: جیزہ میں قیام کے دوران کیا صورت حال رہی؟

جواب: ابتداء میں تمام حضرات سے فرداً فرداً نہایت سختی سے تفتیش کی گئی اور تفتیش کے بعد سب کو الگ الگ کال کوٹھریوں میں بند کر دیا گیا۔ جس سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ اب تو پھانسی کی سزا ہو گی۔ سب سے زیادہ حضرت شیخ الہندؒ اپنے ساتھیوں کی طرف سے متفکر تھے۔ اور یہ سوچتے تھے کہ میری وجہ سے یہ سب بھی پکڑے گئے۔ لیکن اللہ کا فضل یہ رہا کہ الگ الگ ہونے کے باوجود سب نے تقریباً یکساں بیانات دیئے اور انتہائی کوشش کے باوجود انگریز حکومت کو اتنا مواد نہ ہاتھ آسکا کہ جس سے پھانسی کی سزا کی تائید ہوتی۔ بیان لکھنے والا آفیسر بار بار کہتا کہ تم لوگوں کی نسبت ہمارے کاغذات میں تو پھانسی کی باتیں ہیں۔ مگر تم اقرار نہیں کرتے[4]

---

[1] سفرنامہ اسیر مالٹا، ص ۴۱، علماء حق ۱/۱۵۰-۱۵۱ [2] سفرنامہ اسیر مالٹا، ص ۴۲
[3] سفرنامہ اسیر مالٹا، ص ۴۲-۴۳ [4] سفرنامہ اسیر مالٹا، ص ۵۴

سوال: کتنے دنوں تک الگ الگ کال کوٹھریوں میں رکھا گیا؟

جواب: تقریباً ایک ہفتہ تک سب ساتھی الگ الگ رہے اور ہر ایک اپنی جگہ سخت پریشان رہا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں۔ کہ پوری مدت اسارت میں بھی سات آٹھ دن ہم پر سخت گزرے اور وجہ یہی تھی کہ ایک ساتھی کو دوسرے کو خبر نہ تھی اور پھانسی کا اندیشہ تھا۔[1]

سوال: جیزہ میں کتنے دن قیام رہا؟

جواب: تقریباً ایک ماہ تک ان حضرات کو جیزہ میں رکھا گیا۔[2]

اسارتِ مالٹا

سوال: جیزہ سے مالٹا کب روانگی ہوئی؟

جواب: ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۱۷ء کو حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء جیزہ سے مالٹا روانہ ہوئے۔[3] اسکندریہ کی بندرگاہ سے ایک بڑے جہاز میں ان حضرات کو بٹھایا گیا۔ اس جہاز میں بعض دیگر ترکی افسران بھی قیدی بنا کر لے جائے جارہے تھے۔ یہ جہاز ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۱ فروری کو مالٹا میں لنگر انداز ہوا۔ اور حضرت شیخ الہندؒ کو رفقاء سمیت روگیٹ کیمپ کے خیموں میں پہنچا دیا گیا۔[4]

سوال: مالٹا میں قیام کے دوران ان حضرات کے کیا مشاغل رہے؟

جواب: زندگی کے اس موقع کو ان حضرات نے بہت غنیمت خیال کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کا زیادہ وقت ذکر و اذکار، اوراد و وظائف اور مراقبہ و استغراق میں گذرتا، فارغ اوقات میں ترجمہ قرآن کی تکمیل فرمائی۔ ترکی، عربی، و دیگر انقلابی لیڈران سے تبادلۂ خیالات اور ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔[5] شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے قرآن پاک کا حفظ مکمل فرمایا اور ترکی زبان سیکھی اور باطنی مقامات کی تکمیل فرمائی۔[6] اور اپنے استاذ کی خدمت کا وہ حق ادا کیا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ حضرت مولانا عزیر گل صاحب، حضرت مولانا وحید احمد صاحب نے بھی حضرت شیخ الہندؒ سے کسب فیض میں کوئی کمی نہ کی۔ اسی طرح حکیم نصرت حسین صاحب نے بھی سلوک و تصوف پر بھرپور

---

[1] سفرنامہ اسیر مالٹا، ص ۵۵ [2] ایضاً، ص ۶۳ [3] ایضاً، ص ۶۳ [4] ایضاً، ص ۶۸

[5] ایضاً، ص ۹۵-۱۱۷ ملاحظہ کریں [6] ایضاً، ص ۱۸۸-۸۹

صحت فرمائی[1] تاہم حکیم صاحب موصوف اسارت مالٹا کے تقریباً ۱۹/ مہینہ کے بعد ۸/ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ میں چند روز بیمار رہ کر وہیں وفات پاگئے[2] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سوال: حضرت شیخ الہندؒ کی اسارت مالٹا کے واقعات کس کتاب میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں؟

جواب: اس سلسلہ میں سب سے معتبر کتاب "سفر نامہ شیخ الہندؒ" ہے جسے جانشین شیخ الہند اسیر مالٹا حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے مرتب فرمایا ہے۔

مالٹا سے رہائی

سوال: مالٹا سے آپ کی کب رہائی ہوئی؟

جواب: ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۲/ مارچ ۱۹۲۰ء بروز جمعہ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کو مالٹا سے رہا کیا گیا[3]

سوال: مالٹا میں آپ حضرات کا کتنے دن قیام رہا؟

جواب: قمری حساب سے تین سال ایک ماہ ۲۱/ دن اور شمسی حساب سے تین سال ۱۹/ دن قیام رہا۔

کُل مدت اسارت

سوال: حضرت شیخ الہندؒ مجموعی طور پر کتنے دن گرفتار رہے؟

جواب: شمسی حساب سے ۳ سال ۲ مہینہ ۲۳ دن اور قمری حساب سے ۳ سال ۴ ماہ گرفتار رہے (اس میں مالٹا سے روانگی کے بعد سے ہندوستان پہنچنے تک کی مدت شامل نہیں ہے)

سوال: رہائی کے بعد ہندوستان کب پہنچے؟

جواب: مالٹا سے روانگی اگرچہ ۱۲/ مارچ ۱۹۲۰ء کو ہو گئی تھی لیکن راستہ میں اسکندریہ، سیدی بشر، سویز میں رُکنے کی بنا پر ہندوستان پہنچنے میں تقریباً تین مہینے لگ گئے اور ۸/ جون ۱۹۲۰ء مطابق ۲۰/ رمضان ۱۳۳۸ھ کو بمبئی کے ساحل پر پہنچنا ہوا[4]

---

[1] سفرنامہ اسیر مالٹا، ص ۱۱۸ [2] ایضاً، ص ۱۲۱ [3] ایضاً، ص ۱۲۵

[4] سفرنامہ اسیر مالٹا ص ۷، اسیران مالٹا، ص ۱۵ نقش حیات ۲/ ۲۳۵

علماء کرام قومی دھارے میں

- جمعیۃ علماء ہند کا قیام
- جامعہ ملیہ کی تاسیس
- تحریک ترکِ موالات
- کامل آزادی کا مطالبہ
- تحریک نمک سازی
- مسلم لیگ، جمعیۃ علماء اتحاد
- وزارتوں کا قیام

حضرت شیخ الہندؒ کی ہندوستان واپسی سے قبل یہاں کی سیاسی صورت حال اور جمعیۃ علماء ہند کا قیام

سوال: حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کی مالٹا سے ہندوستان واپسی سے قبل یہاں کی سیاسی صورت حال کیا تھی؟

جواب: ہندوستان میں آزادی کی جدوجہد بدستور جاری تھی مولانا ابوالکلام آزاد اگرچہ گرفتار تھے لیکن حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا محمد علی، مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی جیسے بڑے لیڈران، قیادت کا فرض ادا کر رہے تھے۔

سوال: اس دوران کیا خاص واقعات پیش آئے۔؟

جواب: ۴ر نومبر ۱۹۱۷ء کو مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تحریک شیخ الہندؒ کے قائدین کی گرفتاری اور جلاوطنی پر احتجاج کے لیے انجمن اعانت نظربندان اسلام قائم فرمائی جس کے صدر راجہ سر علی محمد خاں آف محمود آباد اور جنرل سکریٹری ڈاکٹر مختار احمد انصاری تھے[1] نومبر ۱۹۱۹ء میں دہلی میں خلافت کانفرنس کا ایک اجلاس مولانا فضل الحق صاحب کی صدارت میں ہوا جس میں برطانیہ کے جشن صلح کے بائیکاٹ کی تجویز پیش کی گئی۔ اس اجلاس میں مہاتما گاندھی اور سیٹھ چھوٹانی نے بھی شرکت کرتے ہوئے مسلمانوں کی بھرپور تائید کا اعلان کیا[2] نیز اس موقع پر اجلاس میں شریک علماء نے جمعیۃ علماء ہند کے نام سے اپنی باضابطہ دستوری جماعت تشکیل کرنے کا فیصلہ کیا اور طے کیا گیا کہ خلافت کمیٹی کے اجلاس امرتسر منعقدہ ۰ سہر دسمبر ۱۹۱۹ء بمقام امرتسر کے موقع پر جمعیۃ علماء کا پہلا اجلاس امرتسر میں بلایا جائے۔ چنانچہ اجلاس ۲۸ر دسمبر کو مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی صدارت میں منعقد ہوا۔

---

[1] جمعیۃ علماء پر ایک تاریخی تبصرہ، ص ۷۱ [2] ایضاً، ص ۵۹

جس میں ملک کی آزادی کی منظم جدوجہد کے لیے جمعیۃ کی ایک مجلس منتظمہ بنائی گئی اور ابتدائی دستور کا مسودہ پیش کیا گیا[۱]

سوال: جمعیۃ علماء کے سب سے پہلے صدر اور ناظم عمومی کون منتخب ہوئے؟

جواب: دہلی کے اجلاس میں جو درحقیقت ایک مشاورتی جلسہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ سب سے پہلے عارضی طور پر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کو صدر اور سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب کو ناظم عمومی منتخب کیا گیا[۲]

ہندوستان میں حضرت شیخ الہندؒ کی سرگرمیاں

سوال: مالٹا سے واپسی کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی سرگرمیاں کیا رہیں؟

جواب: ۸/جون کو جب حضرت شیخ الہندؒ اپنے رفقاء کے ساتھ بمبئی کے ساحل پر پہنچے تو ہزارہا افراد نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ استقبال کرنے والوں میں مہاتما گاندھی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی سمیت بڑے بڑے قائدین شامل تھے۔ آپ نے اسی موقع پر آئندہ کی حکمت عملی پر ان حضرات سے گفتگو فرمائی۔ پھر دیوبند تشریف لائے[۳] اسی دوران ۹/جون ۱۹۲۰ء کو خلافت کانفرنس الٰہ آباد میں تحریک ترک موالات شروع کرنے کا فیصلہ کردیا گیا[۴] جس کی تائید میں ۱۹/جولائی ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہندؒ نے ترک موالات کا فتویٰ جاری کیا اور انگریزی سرکار کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان فرمایا[۵] اسی فتویٰ کو تشریح کے ساتھ مولانا ابوالمحاسن سجادؒ نے مرتب فرمایا جو جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ۴۷۲ علماء کی دستخطوں کے ساتھ شائع کیا گیا[۶] پھر ۶/ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں جمعیۃ علماء کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں ۲۰۰ علماء نے ترک موالات کی تجویز منظور کی[۷]

جامعہ ملیہ کا قیام

سوال: کہا جاتا ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا قیام بھی اس تحریک ترک موالات کا

---

[۱] جمعیۃ علماء کیا ہے؟ ۲/ ۵-۱۲ [۲] ایضاً ص ۷ [۳] اسیران مالٹا، ص ۱۵۴، ۱۵۵
[۴] تحریک خلافت ص ۱۵۵-۱۵۶ [۵] اسیران مالٹا، ص ۳۵
[۶] جمعیۃ علماء کیا ہے؟ ۲/ ۳۰ [۷] جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ، ص ۵۸

تھیوفیکل اور اس کی بنیاد بھی حضرت شیخ الہندؒ نے رکھی تھی، کیا یہ صحیح ہے؟
جواب: جی ہاں، جب حضرت شیخ الہندؒ کو معلوم ہوا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے حریت پسند اپنا آزاد ادارہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو باوجود ضعف و ناتوانی کے خود حضرت شیخ الہندؒ نے علی گڑھ کا سفر فرمایا وہاں ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جامعہ ملیہ کی بنیاد ڈالی پہلے یہ جامعہ علی گڑھ میں قائم ہوا تھا، بعد میں اسے دہلی منتقل کیا گیا۔ اس موقعہ پر حضرت شیخ الہندؒ کی طرف سے خطبہ صدارت حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے پیش فرمایا تھا۔[1]

جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا اجلاس عام

سوال: کیا حضرت شیخ الہندؒ نے جمعیۃ علماء کے کسی اجلاس کی صدارت فرمائی ہے؟
جواب: جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے عام اجلاس منعقدہ ۱۹-۲۱ر نومبر ۱۹۲۰ء بمقام دہلی کی صدارت کے لیے حضرت شیخ الہندؒ کی صدارت کا اعلان کیا گیا تھا اور اس موقع پر آپ دہلی میں ڈاکٹر مختار انصاری کی کوٹھی پر تشریف فرما بھی تھے لیکن شدید ضعف اور نقاہت کی بنا پر اجلاس میں بنفس نفیس تشریف نہ لے جاسکے۔ البتہ آپ کی طرف سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے خطبہ صدارت اجلاس میں پیش فرمایا۔[2]
سوال: اس اجلاس کی سب سے اہم تجویز کیا تھی؟
جواب: پورے ہندوستان میں انگریز کے مقاطعہ اور عدم تشدد کے ساتھ "ترک موالات" کی تحریک پروان چڑھ رہی تھی۔ اس تحریک کو گھر گھر پہنچانے کے لیے علماء ہی نے ہراول دستہ کا فریضہ انجام دیا اور اپنے اجلاس میں پوری قوت سے یہ اعلان کیا کہ موجودہ حالات میں برطانیہ گورنمنٹ کے ساتھ دوستی اور نصرت کے تمام تعلقات رکھنے حرام ہیں۔ اور اس سلسلہ میں خاص کر یہ امور قابل عمل ہیں:
(۱) تمام سرکاری خطابات و اعزازات کو چھوڑ دینا (۲) کونسلوں کی ممبری سے علیحدگی اختیار کرنا (۳) انگریز کو تجارتی نفع نہ پہنچانا (۴) کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لیے سرکاری امداد قبول نہ کرنا اور سرکاری یونیورسٹیوں سے تعلق نہ رکھنا (۵) انگریز کی

---

[1] علماء حق ۱/۲۱۹ ؛ [2] اسیران مالٹا، ص ۷۵، نقش حیات ۲/۲۵۶
[3] تاریخی تبصرہ، ص ۲۰، نقش حیات ۲/۲۵۶

فوج میں ملازمت نہ کرنا اور اس کو کسی قسم کی فوجی امداد نہ پہنچانا (۹) انگریزی کی عدالتوں میں مقدمات نہ لے جانا اور ان کی پیروی نہ کرنا وغیرہ[۱]

حضرت شیخ الہندؒ کا وصال

سوال: اجلاس دہلی کے بعد کتنے دن حضرت شیخ الہندؒ حیات رہے؟

جواب: اجلاس کے صرف ۹ دن کے بعد ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو قائد حریت حضرت شیخ الہندؒ نے دہلی میں وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون[۲]

تحریک عدم تعاون جاری رہی

سوال: کیا حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد علماء کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں؟

جواب: نہیں بلکہ مزید جوش و خروش کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کے مشن کی تکمیل کے لیے علماء میدان میں آ گئے۔ اور ۳۱ اگست ۱۹۲۰ء[۳] سے شروع ہونے والی ملک گیر تحریک عدم تعاون میں بھرپور حصہ لیا۔ جس کے رد عمل میں ترک موالات کے فتویٰ کو حکومت نے ضبط کر لیا اور[۴] ۱۸ ستمبر ۱۹۲۱ء کو جانشین شیخ الہندؒ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا نثار احمد کانپوری، پیر غلام مجدد اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو گرفتار کر لیا گیا۔ اسی طرح جمعیۃ کے اجلاس عام منعقدہ ۱۸--۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء بمقام لاہور زیر صدارت مولانا ابوالکلام آزاد میں بھی ترک موالات کا مسئلہ چھایا رہا[۵] الغرض جمعیۃ علماء نے پوری شدت کے ساتھ ترک کی تحریک میں اپنے ہم وطنوں کا ساتھ دیا۔ اور عدم تشدد کی پالیسی پر عمل پیرا رہی۔ تا آنکہ چورا چوری کے واقعہ کے بعد گاندھی جی نے تحریک کے التواء کا اعلان کر دیا۔ اس تحریک میں تیس ہزار آدمی جیل گئے تھے جن میں زیادہ تعداد علماء اور مسلم محبان حریت کی تھی[۶]

سوال: یہ چورا چوری کا واقعہ کیا تھا؟

---

[۱] جمعیۃ علماء کیا ہے؟ ۲/ ۳۷ [۲] نقش حیات ۲/ ۲۶۷، اسیران مالٹا، ص ۹۱ [۳] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۸۵
[۴] شیخ الاسلام: ایک سیاسی مطالعہ، ص ۹۹ [۵] جمعیۃ علماء کیا ہے؟ ۲/ ۴۲-۴۳ [۶] مسلم علماء کا کردار، ص ۴۳

جواب: چورا چوری ایک جگہ کا نام ہے۔ یہاں کے باشندوں نے تحریک ترک موالات میں سول نافرمانی کے دوران حکومت کے ۲۳ رکارندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا یہ بات گاندھی جی کی مقررہ حکمت عملی یعنی عدم تشدد کے خلاف تھی۔ اس لیے انھوں نے اس واقعہ کا سخت نوٹس لیا اور دیگر قائدین کی رائے کے علی الرغم تحریک ملتوی کردی جس سے سارا قومی جوش ٹھنڈا پڑ گیا[1]

سوال: یہ واقعہ کب پیش آیا؟

جواب: یہ واقعہ ۵ / فروری ۱۹۲۳ء کو پیش آیا[2]

شدھی سنگھٹن کا مقابلہ

سوال: ہندوؤں کی طرف سے شروع کی گئی ارتدادی تحریک شدھی سنگھٹن کے پس منظر میں کیا عوامل کارفرما تھے؟

جواب: تحریک خلافت اور ترک موالات میں پورے ہندوستان کے عوام مذہب اور برادری سے اوپر اٹھ کر ایک ہی پلیٹ فارم پر آگئے تھے۔ یہ اتحاد انگریز کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ اسی لیے اس نے اس اتحاد کو پارہ پارہ کرکے تحریک حریت کو زک پہنچانے کے لیے "شدھی تحریک" کو فروغ دیا۔

سوال: اس کے جواب میں جمعیۃ علماء ہند نے کیا اقدام کیا؟

جواب: جمعیۃ علماء ہند نے فروری ۱۹۲۳ء میں اس فتنہ ارتداد کے مقابلہ کے لیے ایک مستقل "شعبۂ تبلیغ و حفاظت اسلام" قائم کیا۔ اور علماء کی منظم جدوجہد کی بدولت ہزارہا ہزار مسلمان دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے[3] پھر ان کی دینی تربیت کا انتظام کیا گیا جس کا سلسلہ متاثرہ علاقوں میں آج بھی جاری ہے۔

کامل آزادی کا مطالبہ

سوال: ملک میں سب سے پہلے آزادی کامل کی آواز کس نے اٹھائی؟

جواب: سب سے پہلے کامل آزادی کا نعرہ جمعیۃ علماء ہند نے بلند کیا۔ اس سے پہلے

---

[1] [2] تحریک خلافت، ص ۲۲۳-۲۲۲ [3] جمعیۃ علماء کیا ہے؟

محض جزوی آزادی کے مطالبات کیے جاتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کا ساتواں اجلاس عام ۱۱-۱۳ر مارچ ۱۹۲۶ء کو کلکتہ میں مولانا سید سلیمان ندوی کے زیر صدارت منعقد ہوا جس میں پہلی مرتبہ ہندوستان کی کامل آزادی کی تجویز منظور کی گئی[1] جبکہ آٹھواں اجلاس عام ۲ر سے ۵ر دسمبر تک پشاور میں زیر صدارت حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ منعقد ہوا جس میں آزادی ہند کی تجویز میں بطور خاص یہ الفاظ لکھے گئے۔ "آزادی عطا نہیں کی جاتی بلکہ اپنی جدوجہد سے حاصل کی جاتی ہے"[2] اور پھر سائمن کمیشن (جسے حکومت برطانیہ نے ہندوستان کے دستور میں اصلاحات کے لیے مامور کیا تھا۔ اور مقصود یہ تھا کہ اس کی بنا پر تحریک آزادی کو وقتی طور پر سرد کیا جائے) کے مکمل بائیکاٹ کی تجویز منظور کی[3] تجویز کی اہمیت کو محسوس کر کے کانگریس نے بھی اپنے اجلاس مدارس (منعقدہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۲۷ء) میں سائمن کمیشن کے مقاطعہ کا اعلان کر دیا[4]

سوال: پھر اس کمیشن کا کیا حشر ہوا؟

جواب: یہ کمیشن ۳ر فروری ۱۹۲۸ء کو برطانیہ سے ہندوستان آیا۔ لیکن ہر طرف سے عدم تعاون کی فضا دیکھ کر ۳۱ر مارچ ۱۹۲۸ء کو ناکام واپس چلا گیا[5]

نہرو رپورٹ

سوال: نہرو رپورٹ کی مخالفت کے سلسلہ میں بھی جمعیۃ علماء کا بہت نام لیا جاتا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: ہندوستان کے دستور کے لیے موتی لال نہرو کی سرکردگی میں ایک مسودہ تیار کیا گیا تھا جس میں خاص بات یہ تھی کہ کامل آزادی سے بچتے ہوئے حکومت برطانیہ کے زیر نگیں رہ کر آئینی مراعات حاصل کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ نیز کچھ دفعات ایسی بھی تھیں جن سے مذہبی امور میں مداخلت ہوتی تھی۔ اس بنا پر جمعیۃ علماء نے اس کی سخت مخالفت کی اور اس وقت تک کانگریس کا بالکل تعاون نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے اجلاس لاہور منعقدہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۹ء میں اسے دریا برد کر دیا اور کامل

---

[1] جمعیۃ علماء کیا ہے؟ ۲/۱۱۹ تا ۱۲۱ ا پوری تحریر دیکھیں [2] ایضاً ۲/۱۳۵ [3] ایضاً ص ۲۰۵

[5] مولانا آزاد ایک سیاسی ڈائری ص ۲۱۲-۲۱۳

آزادی کی تجویز منظور کی[1]

سوال: کانگریس سے کتنے سال پہلے جمعیۃ علماء نے کامل آزادی کا مطالبہ کر دیا تھا؟
جواب: کانگریس سے ۵ سال پہلے جمعیۃ علماء نے آزادی کامل کا نعرہ قوم کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ اس اعتبار سے آزادی کی تحریک میں اس جماعت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

تحریکِ نمک سازی

سوال: تحریک۔ آزادی میں "نمک سازی تحریک" کا بھی بہت نام آتا ہے۔ کیا اس میں بھی علماء نے حصہ لیا تھا؟
جواب: جی ہاں! جب گاندھی جی نے عدم تشدد کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے آزادی کے مطالبہ کو لے کر خلاف قانون نمک سازی شروع کی، تو جمعیۃ علماء ہند کے اراکین نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا[2] حضرت مفتی کفایت اللہؒ صدر جمعیۃ علماء ہند، مولانا احمد سعیدؒ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ، مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا فخرالدین مرادآبادیؒ، مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا عبد القادر قصوریؒ، مولانا محمد شاہد فاخریؒ، مولانا نور الدین بہاریؒ، مولانا سیّد محمد میاں دیوبندیؒ، مولانا محمد صادق کراچیؒ، مولانا عبد العزیزؒ گوجرانوالہ وغیرہ اکابر ارکان جمعیۃ علماء ہند اور صدہا رضاکار و کارکنان گرفتار ہو کر سزایاب ہوئے[3]

سوال: یہ تحریک کس سنہ میں چلائی گئی تھی؟
جواب: ۱۲ر مارچ ۱۹۳۰ء کو گاندھی جی نے نمک ستیہ گرہ کا آغاز کیا[4]

تحریک سول نافرمانی ۳۲-۱۹۳۱ء

سوال: ۱۹۳۱ء میں کانگریس کی طرف سے جب پورے ملک میں گرفتاری دینے کا سلسلہ شروع ہوا، اور پوری شدت سے سول نافرمانی کا پروگرام چلایا گیا۔ تو جمعیۃ علماء ہند نے کس انداز سے حصہ لیا؟

---

[1] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۳۰-۳۱ [2] و [3] سہ روزہ الجمعیۃ ۱۹۳۰ء کی فائلیں دیکھیں
[4] رئیس الاحرار، ص ۱۳۲

جواب: جمعیۃ علماء نے اپنے نویں اجلاس بمقام امروہہ ۱۹۳۰ء میں تحریکات آزادی میں کانگریس کے تعاون کی تجویز منظور کرلی تھی۔ اس لیے ۳۲-۱۹۳۱ء کی تحریک سول نافرمانی میں جمعیۃ اور اس کے اراکین نے بھرپور حصہ لیا۔ اس تحریک کا طریقہ یہ تھا کہ جمعیۃ کی طرف سے ایک ڈکٹیٹر متعین کیا جاتا تھا، جو پورے جوش وخروش کے ساتھ گرفتاری پیش کرتا تھا۔

سوال: جمعیۃ کی طرف سے سب سے پہلا ڈکٹیٹر کسے متعین کیا گیا؟

جواب: سب سے پہلے ڈکٹیٹر صدر جمعیۃ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ قرار پائے تھے جنھوں نے ایک لاکھ افراد کے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے دہلی کے آزاد پارک میں گرفتاری پیش کی۔ اور ۱۸ ماہ جیل میں رہے۔[1]

سوال: بعد میں کن حضرات کی قیادت میں گرفتاریاں دی گئیں؟

جواب: حضرت مفتی صاحبؒ کے بعد مندرجہ ذیل حضرات بالترتیب ڈکٹیٹر منتخب ہوئے اور ان کی قیادت میں گرفتاریاں عمل میں آئیں: مولانا بشیر احمد کھٹوروئیؒ، مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا نور الدین بہاریؒ، مولانا عبد الحلیم صدیقیؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ، مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ، مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ، مولانا عبد اللہ دیوبندیؒ ثم پھلاوی، مولانا مبارک حسین سنبھلیؒ۔ ان میں حضرت مدنیؒ کو دیوبند سے دہلی آتے ہوئے گرفتار کرلیا گیا تھا اور سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ اور مولانا حبیب الرحمٰنؒ اس نظام کے شروع ہونے سے پہلے ہی گرفتار ہوچکے تھے۔ ان میں بعض حضرات کو ڈیڑھ سال اور دو سال کی سخت سزائیں دی گئیں۔ مرکزی جمعیۃ علماء ہند کے علاوہ صوبائی اور ضلعی جمعیتوں نے بھی اسی طرح گرفتاری کا نظام قائم کر رکھا تھا۔[2]

سوال: اس تحریک میں کتنے مسلمانوں نے گرفتاریاں دیں؟

جواب: ایک اندازہ کے مطابق تقریباً ۹۰ ہزار افراد اس تحریک سول نافرمانی کے دوران گرفتار کیے گئے تھے۔ جن میں ساڑھے چوالیس ہزار مسلمان تھے۔[3]

---

[1] الجمعیۃ مفتی اعظم نمبر، ص ۴۳-۴۵ [2] تفصیل کے لئے اس سال کا اخبار الجمعیۃ دیکھیں

[3] کاروانِ احرار ۱/۱۰۶

انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا نفاذ

سوال: ان تحریکوں کا انگریز حکومت نے کیا اثر لیا؟

جواب: انگریز محسوس کر چکا تھا کہ ہندوستان پر نہ تو جبر و تشدد کے ذریعہ زیادہ دن تک حکومت کی جا سکتی ہے۔ اور نہ ہی ہندوستانیوں کے حقوق کے پامال کر کے اس عظیم ملک پر قابض رہا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس نے ۱۹۳۵ء میں ایک نیا دستور نافذ کر کے ہندوستانیوں کی اپنی حکومتوں کے قیام کی راہ ہموار کی۔

سوال: اس دستور میں کیا حقوق دیئے گئے تھے؟

جواب: دستور میں قانون ساز اسمبلیوں کے ذریعہ داخلی اختیارات دیئے گئے تھے۔ مگر اس کے نفاذ کے لیے عام الیکشن ضروری تھے۔ اور الیکشن کا نظام انگریز نے اپنی چال بازی سے ایسا بنایا تھا کہ ملک کی دو بڑی اکثریتوں ہندو اور مسلمانوں میں خلیج کی دیوار قائم ہو جائے۔

سوال: الیکشن کا نظام کیا تھا؟

جواب: یہ الیکشن مذہبی بنیادوں پر طے کیا گیا یعنی ہندو صرف ہندو اُمیدواروں کو ووٹ دیں اور مسلمان صرف مسلم اُمیدواروں کو ووٹ دیں (اسے کیونل ایوارڈ کہا جاتا ہے) یہیں سے ہندو اور مسلمانوں میں نفرت کی وسیع دیوار قائم ہوئی۔

جب مسلم لیگ عوامی جماعت بنی

سوال: ۳۵ء کے الیکشن میں مسلم جماعتوں کی کیا پوزیشن رہی؟ اور کن کن جماعتوں نے حصہ لیا؟

جواب: اس الیکشن سے قبل عوامی طور پر پورے ملک میں مسلم قیادت کی باگ ڈور جمعیۃ علماء کے ہاتھ میں تھی اور ان علماء کو وہ مقام حاصل تھا کہ نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی ان کی باتوں کا وزن پوری طریقہ سے محسوس کرتے تھے۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کی ایک جماعت مسلم لیگ بھی تھی، جو اگرچہ ۱۹۰۶ء میں وجود پذیر ہو گئی تھی مگر ۲۹ر سال گزرنے کے باوجود اپنے آپ کو عوامی پارٹی میں تبدیل نہ کرا سکی تھی۔

اس کے اراکین عموماً اونچے درجہ کے آرام پسند رؤسا اور پوش کالونیوں اور کوٹھیوں میں رہنے والے دولت مند تھے۔ اور ان کا کام سوائے انگریز کی کاسہ لیسی کے اور کچھ نہ تھا۔ نہ اس مدت میں ان کی زبانوں پر کبھی آزادی کا نعرہ آیا تھا اور نہ ہی انھیں واقعی آزادی سے کوئی دلچسپی تھی۔ جب ۳۵ء میں "انڈیا ایکٹ" کا نفاذ ہوا اور الیکشن کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور اندازہ ہو گیا کہ اب لیلائے اقتدار قوم پرور مسلمانوں اور ہندوؤں کے سامنے سر نیاز خم کرنے والی ہے، تو مسلم لیگ کے ارباب حل وعقد بھی اقتدار میں حصہ داری کے لیے رال ٹپکانے لگے۔ مگر مشکل یہ تھی کہ مسلم لیگ عوام میں متعارف نہیں تھی۔ نہ اس کا کوئی شاندار ماضی تھا، نہ ہی بظاہر تابناک مستقبل، اس لیے ووٹ ملے تو کیسے ملے؟ مگر مسلم لیگ کے شاطر سیاستدانوں کی شاطرانہ سیاست واقعی قابل داد تھی کہ انھوں نے ایسے مرحلے پر "مکمل منافقت" کا ثبوت دیتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند اور اس کی بعض مسلم حلیف جماعتوں سے انتخابی اتحاد کا معاملہ طے کر لیا، (اگرچہ جمعیۃ کی ایک حلیف جماعت مجلس احرار اسلام نے اس اتحاد پر جمعیۃ سے سخت اختلاف بھی کیا تھا) اور اس طرح انھوں نے نہ صرف یہ کہ مسلم لیگ کو "مردنی" سے بچالیا بلکہ ایک عوامی جماعت بنا کر مسلم قیادت کی پوری پٹہ داری اپنے نام محفوظ کرالی، اور جس جمعیۃ علماء کے تعاون سے مسلم لیگ پورے ملک میں متعارف ہوئی تھی، اور اسے مسلم حلقوں میں سو فیصد کامیابی ملی تھی اسی جمعیۃ علماء کو بعد میں اس نے مسلم قیادت کے افق کے کنارے پر لگانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور مقصد حاصل ہو جانے کے بعد جن شرائط کو اتحاد اور سمجھوتے کی بنیاد بنایا تھا، ان سب کو یکلخت نظر انداز کر دیا۔

سوال: جمعیۃ علماء اور مسلم لیگ میں یہ سمجھوتہ کیوں ہوا تھا اور اس کے شرائط کیا تھے؟

جواب: ارباب جمعیۃ علماء بالکل خالی الذہن تھے اور ان کے سامنے صرف ملک و قوم کا مفاد تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ آزادی کے حصول میں جس قدر بھی متحد ہو کر کوشش کی جائے گی وہ بار آور ہو گی ان کی اسی نیک نیتی یا سادگی کا مسلم لیگ نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنی حمایت کے لیے جمعیۃ علماء کو خوب خوب استعمال کیا۔ جمعیۃ علماء نے صرف درج ذیل شرائط مسلم لیگ کے سامنے رکھی تھیں جسے مسلم لیگ نے بلا رد و کد کے

قبول کر لیا تھا۔

(۱) انگریز حکومت کے قرطاس ابیض کی عمومی دفعات کو مسترد کرنا۔

(۲) انگریز کی طرف سے نافذ تشدد والے قوانین کو منسوخ کرانا۔ اور ہر ایسی تجویز کی مخالفت کرنا جو ملک و قوم کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہو، اور مذہبی معاملات میں جمعیۃ علماء کے نقطہ نگاہ کی پابندی کرنا۔

(۳) اور جمعیۃ علماء جن قانونی مسودات کو اسمبلیوں میں پیش کرنا ضروری سمجھے اس کی تائید کرنا اور کسی معاملہ کے مذہبی یا غیر مذہبی ہونے کے متعلق جمعیۃ علماء کی رائے کو حرف آخر جاننا۔[1]

جب یہ شرائط بآسانی منظور کر لی گئیں تو جمعیۃ علماء نے محض ملکی اور قومی مفاد کے خاطر مسلم لیگ کی طرف دست تعاون بڑھا دیا۔ اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ مسلم لیگ میں روح ڈالنے والی جماعت بھی یہی علماء کی جماعت تھی۔ اگر اس موقع پر جماعت کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو مسلم لیگ ہرگز عوامی مقبولیت حاصل نہ کر سکتی تھی۔

وزارتوں کا قیام

سوال: ۱۹۳۵ء کے تحت الیکشن کب ہوئے اور ان کا نتیجہ کیا نکلا؟

جواب: یہ الیکشن ۱۹۳۶ء میں ہوا اور ۳۷ء کے اوائل میں وزارتیں قائم ہوئیں۔ اکثر صوبوں میں کانگریس نے وزارتیں بنائیں اور جزوی اختیارات حاصل کر کے حکومت شروع کر دی۔ اس موقع پر اگرچہ کانگریس اور مسلم لیگ ایک دوسرے کے قریب آگئے تھے اس لیے اگر دونوں جانب سے محتاط حکمت عملی سے کام لیا جاتا تو آزادی کی منزل مزید قریب آجاتی لیکن دونوں طرف ایسے فرقہ پرست عناصر موجود تھے جن کی ناعاقبت اندیشی یا دانستہ سازش کی وجہ سے بہت جلد دونوں فریقوں میں بدگمانیاں پیدا ہوگئیں۔[2]

سوال: اس کا اظہار کیسے ہوا؟

جواب: جن صوبوں میں کانگریس نے حکومت بنائی تھی ان میں مسلم لیگ دوسری پارٹی

---

[1] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۸۳-۸۴ [2] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۸۹

کی حیثیت سے ابھری تھی۔ مصلحت کا تقاضہ یہ تھا کہ اسے بھی بلا شرط حکومت میں شامل کیا جاتا، کانگریس کے۔ صاحب الرائے لوگ یہ چاہتے بھی تھے لیکن متعصب ممبران اور اراکین حکومت کے دباؤ کی وجہ سے مسلم لیگ کو وزارت میں شامل نہ کرایا جاسکا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلم لیگ نے اپنی پوری قوت کانگریس کی مخالفت میں جھونک دی۔ اور ان دونوں کے تنازعہ میں آزادی کی پیش رفت سست پڑ گئی اور انگریز نے ایک گونہ سکون کا سانس لیا۔ اور اسی رواروی میں مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء کا اتحاد بھی پارہ پارہ ہو گیا[1]

سوال: کانگریس وزارتیں کب تک جاری رہیں؟

جواب: ۱۹۳۹ء تک وزارتیں کام کرتی رہیں اور اسی سال کے اواخر میں بطور احتجاج ان سب نے استعفیٰ دے دیا[2]

جنگِ عظیم ثانی

سوال: وزارتوں کے استعفیٰ کا کیا سبب ہوا؟

جواب: ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمنی نے برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہوئے دنیا کو دوسری خوفناک جنگ عظیم میں مبتلا کر دیا۔ اس جنگ سے اصولی طور پر ہندوستان کو کوئی تعلق نہیں تھا۔ مگر برطانیہ نے محض اپنے مفاد کے لیے ہندوستان کو بھی اس جنگ میں شریک بنانے کا اعلان کر دیا جس کے نتیجہ میں ہندوستان کے تقریباً ۲۰ لاکھ افراد مختلف جنگی محاذوں پر لقمہ اجل بنے، حکومت برطانیہ کے اس اقدام پر احتجاج کرتے ہوئے ۳۱ / اکتوبر ۱۹۳۹ء کو تمام کانگریسی وزارتوں نے استعفیٰ دے دیا[3]

سوال: ان استعفوں کا کیا اثر ہوا؟

جواب: ان استعفوں کی وجہ سے حکومت برطانیہ ہندوستانیوں کو مزید رعایات دینے پر آمادہ ہوئی لیکن ساتھ میں یہ شرط بھی لگائی کہ ہندوستان موجودہ جنگ میں ہر طرح سے برطانیہ کی مدد کرے[4]

سوال: ان رعایتوں اور شرائط پر قوم کی طرف سے کیا جواب دیا گیا؟

---

[1] [2] [3] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۹۳ [4] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۱۰۱

جواب: کانگریس[1] اور جمعیۃ علماء نے شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کی۔ جمعیۃ علماء کے بارہویں اجلاس (جونپور) منعقدہ جون ۱۹۴۰ء میں ایک تجویز منظور کر کے جنگ میں برطانیہ کی امداد نہ کرنے کا فیصلہ۔ دوہرایا گیا۔ اور کامل آزادی کے مطالبہ کے ساتھ ساتھ انگریز سے مکمل بائیکاٹ کی تجویز منظور کی گئی۔ اور اراکین جمعیۃ سے اپیل کی گئی کہ وہ تقریر و تحریر کے ذریعہ انگریز کی طرف سے جبری بھرتی کے خلاف رائے عامہ بنائیں[2]

سوال: اس تجویز کو روبہ عمل لانے میں اراکین جمعیۃ کو کیا مصائب بھی اُٹھانے پڑے؟

جواب: مختلف علاقوں میں اس تجویز پر عمل کرنے کی پاداش میں جمعیۃ کے قائدین کو گرفتار کیا گیا۔ اور انھیں سزائے قید دی گئی جن میں بالخصوص مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا قاسم صاحبؒ شاہجہاںپوری، حضرت مولانا ابوالوفاؒ شاہجہاںپوری، مولانا محمد شاہد فاخریؒ، مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ، اور حضرت مولانا اختر الاسلامؒ صاحب، مدرسین مدرسہ شاہی کے اسماء قابل ذکر ہیں[3]

سوال: یہ جنگ کب تک جاری رہی؟ اور اس میں کتنے نقصانات ہوئے؟

جواب: یہ خوفناک جنگ تقریباً ۵ رسال تک جاری رہی جس میں ایک رپورٹ کے مطابق ساڑھے پانچ کروڑ افراد ہلاک یا زخمی ہوئے[4]

مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء میں سمجھوتہ کی ایک اور کوشش

سوال: اس نازک موقعہ پر مسلمانوں کی دو بڑی جماعتیں مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء میں اشتراک عمل کیوں نہیں ہو سکا؟

جواب: جمعیۃ علماء ہمیشہ سے ہندوستان کی کامل آزادی کا مطالبہ کرتی آئی تھی اور اس مطالبہ کا اصل سبب یہ تھا کہ اکابر جمعیۃ یہ یقین کرتے تھے کہ ہندوستان کی آزادی پر ہی بہت سے دوسرے مسلم ممالک کی آزادی کا مدار ہے اور یہ مقصد کامل آزادی کے بغیر

---

[1] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۱۰۱ [2] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۱۰۲، جمعیۃ علماء کیا ہے، ۲/۲۱۶-۲۱۷

[3] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۱۰۳ [4] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۸۹

ہرگز حاصل نہ ہوسکتا تھا جب کہ مسلم لیگ کے رہنما صرف انگریز کے زیر سایہ عارضی رعایات حاصل کرنے کی بات کرتے تھے۔ کامل آزادی کا مطالبہ ان کی زبانوں پر نہ آتا تھا۔ اس اعتبار سے دونوں جماعتوں کی بنیادی فکر اور منزل میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اس دوران بعض لوگوں نے ۱۹۴۰ء کے اوائل میں جمعیۃ علماء اور مسلم لیگ کے قائدین کے درمیان سمجھوتہ کی ایک کوشش کی، اس کوشش کا کیا انجام ہوا، مولانا محمد میاںؒ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے اصرار پر حضرت علامہ مولانا کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم و صدر جمعیۃ علماء ہند مسٹر جناح سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔

"مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے ذریعہ یہ طے ہو چکا تھا کہ کسی جماعت کے توڑنے یا کسی ایک کو دوسرے میں مدغم کرنے کا سوال نہ ہوگا بلکہ ایسی صورتوں پر بحث کی جائے گی کہ جن کے ذریعہ ان دونوں جماعتوں کے اختلاف کی خلیج پاٹی جائے۔ اور ایک کو دوسرے سے زیادہ سے زیادہ قریب کیا جا سکے۔ مگر اخبار "خلافت" کے نامہ نگار کی اطلاع کے بموجب مسٹر جناح نے مفاہمت کے لیے یہ شرط پیش کی کہ ارکان جمعیۃ علماء ہند کانگریس سے استعفیٰ دے دیں اور مسلم لیگ کے ممبر بن کر اس کے فیصلہ پر عمل کرتے رہیں۔ نامہ نگار مذکور کا بیان ہے کہ مفتی صاحب نے مسٹر جناح کی یہ شرط منظور کر لینے پر آمادگی ظاہر کی، البتہ یہ شرط لگائی کہ مسلم لیگ ایک معینہ مطالبہ برطانیہ کے سامنے پیش کرے جو آزادی کامل پر مبنی ہو۔ اور اگر حکومت اسے منظور نہ کرے تو لیگ جارحانہ اقدام شروع کر دے۔ مسٹر جناح نے معین پروگرام اور جارحانہ اقدام کے متعلق وعدہ کرنے سے انکار کر دیا۔[1]"

اس گفتگو میں کانگریس سے استعفیٰ دینے کا سوال اہم نہیں تھا۔ کیونکہ جمعیۃ علماء کے بیشتر ارکان کانگریس کے چار آنے والے ممبر بھی نہیں تھے۔ حتی کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم موصوف تو شاید کبھی بھی چار آنے والے ممبر نہیں بنے۔ جمعیۃ علماء کا کانگریس سے صرف اتنا اشتراک رہا ہے کہ جب بھی کانگریس نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک چلائی تو تحریک حریت میں شرکت کو جمعیۃ علماء نے بھی ایک فریضہ سمجھا اور

---

[1] ماخوذ از "مدینہ" ۱۳ مارچ ۱۹۴۰ء — ۳ صفر ۱۳۵۹ھ، جلد ۲۹، ص ۱۸

اراکین جمعیۃ نے اس فریضہ کی ادائیگی اپنی مخلصانہ قربانیوں سے کی اور اپنی بے نظیر خدمات پیش کرکے عام مسلمانوں کو عمل کی دعوت دی، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی جارحانہ اقدام لیگ اور بالخصوص مسٹر جناح کے لیے وحشت ناک سوال تھا جس سے وہ ہمیشہ گریز کرتے رہے[1]

---

[1] علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، ج۲، ص ۹۸

لمحوں کی خطا

لمحوں نے خطا کی تھی، صدیوں نے سزا پائی

- کوئٹ انڈیا تحریک
- پاکستان کا نشہ چڑھنے لگا
- جمعیۃ علماء کا مدنی فارمولہ
- انتخابات کا افسوسناک نتیجہ
- انسانی لاشوں پر پاکستان کی تعمیر
- علماء کے اندیشے جو صحیح ثابت ہوئے

ہندوستان چھوڑو (کوئٹ انڈیا) تحریک

سوال: ۴۲ء کی مشہور ہندوستان چھوڑو (کوئٹ انڈیا تحریک) میں علماء نے کیا کردار ادا کیا؟

جواب: ۴۲ء کی تحریک آزادی میں قوم پرور علماء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تحریک کی کامیابی میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔

سوال: تحریک کیوں شروع ہوئی؟

جواب: یورپ کی جنگ عظیم جاری تھی اور برطانیہ کو ہندوستان سے امداد کی شدید ضرورت تھی، مگر ہندوستانی عوام پہلے ہی جنگ میں کسی طرح کا تعاون دینے سے انکار کر چکے تھے۔ اس لیے حکومت برطانیہ نے ہندوستانی عوام کو جنگی امداد پر آمادہ کرنے کی غرض سے اپنے ایک خصوصی نمائندہ سر اسٹیفورڈ کرپس کو ہندوستان بھیجا۔ تاکہ وہ ہندوستانی لیڈروں سے گفتگو کر کے انھیں ایک عارضی حکومت بنانے پر آمادہ کرسکیں۔ لیکن کرپس کے پروگرام میں ہندوستان کی طرف واقعی اختیارات منتقل کرنے کا وعدہ جنگ کے اختتام کے بعد کا کیا گیا تھا جبکہ ہندوستانی لیڈروں کا مطالبہ تھا کہ ابھی جنگ کے دوران ہی یہ اختیارات ہندوستانی عوام کو مل جانے چاہئیں۔ اس بنا پر کانگریس اور جمعیۃ علماء کے رہنماؤں نے کرپس کے پروگرام کو رد کردیا[1] کرپس مشن کی ناکامی سے حکومت برطانیہ کو شدید دھچکا لگا۔ اور اس نے انتقامی کارروائی کرتے ہوئے اوائل جون ۴۲ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کو چھرایوں کی ایک تقریر کو بہانہ بنا کر گرفتار کرلیا۔[2] اس کے بعد اگست ۴۲ء میں کانگریس نے اپنی مجلس عاملہ میں انگریزوں کو الٹی میٹم دے دیا کہ وہ بہت جلد ہندوستان چھوڑ دیں۔ ورنہ حالات سنگین ہو جائیں گے۔ اس کی تائید جمعیۃ علماء ہند کی

---

[1] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۱۰۸-۱۰۹ [2] ایضاً، ص ۱۱۳

مجلس عاملہ نے بھی کر دی۔[1]

سوال: اس پر حکومت برطانیہ کا کیا ردعمل ہوا؟

جواب: پورے ملک میں کانگریس کے کارکن اور تحریک آزادی کے حامیوں کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ مگر ان گرفتاریوں نے جذبات کو دبانے کے بجائے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ملک میں بغاوت کی لہر دوڑ گئی۔ غم و غصہ سے بھرے ہوئے عوام سڑکوں پر نکل آئے۔ بجلی کا نظام معطل کر دیا۔ ریل کی پٹریاں اکھاڑ پھینکیں۔ حکومتی دفاتر اور کچہریوں اور تھانوں کو آگ لگا دی گئی۔ اور جو بھی سفید فام سامنے آیا وہ بخیریت واپس نہ جا سکا۔[2]

سوال: کتنے دنوں تک یہ صورتحال رہی؟

جواب: تقریباً دو ہفتہ تک سارا نظام حکومت معطل رہا فوج اور پولیس بے بس بنے رہے۔ اس کے بعد حکومت نے سخت جبر و تشدد کر کے اس تحریک کے جوش کو کم کر دیا۔ جگہ جگہ پولیس نے باغیوں کی بھیڑ پر گولیاں چلائیں۔ سیکڑوں افراد کو تہ تیغ کیا۔ جس کی بنا پر جذبات کی چنگاریاں بظاہر دب گئیں۔ مگر حکومت کو یہ محسوس ہو گیا کہ باغی ہندوستان کو حکومت میں داخل رکھنا اب آسان نہیں رہ گیا ہے۔

شملہ کانفرنس کی ناکامی

سوال: یہ لیڈر کب تک گرفتار رہے؟

جواب: ۴۳ء میں ہندوستان کے ظالم و جابر وائسرائے لارڈ لنلتھگو کی جگہ جب نیا وائسرائے لارڈ ویول آیا تو اس نے ۴۲ء کے تمام لیڈروں کی رہائی کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ مئی ۴۴ء سے لے کر جون ۴۵ء تک ملک کے سبھی قومی رہنما رہا کر دیئے گئے۔[3] اور لارڈ ویول نے یہ تجویز رکھی کہ آزادی کے پہلے مرحلے کے طور پر ایک اعلیٰ اختیاراتی کونسل قائم کی جائے جس میں اصلی ہندو اور مسلمانوں کے ارکان کی تعداد برابر ہو۔[4] اپنے اس اعلان پر بحث کرنے کے لیے اس نے شملہ میں ایک مشاورتی کانفرنس بلائی۔ جس میں کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔[5]

۱؎ تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۱۱۷ ۲؎ ایضاً، ص ۱۱۸-۱۱۹ ۳؎ ایضاً، ص ۱۲۷ ۴؎ ایضاً، ص ۱۳۹ ۵؎ ایضاً، ص ۱۵۲-۱۵۳

سوال: اس کانفرنس کا کیا نتیجہ نکلا؟

جواب: یہ کانفرنس اپنے مقصد میں ناکام ہوگئی۔ اس لیے کہ مسٹر جناح نے یہ شرط لگانے کی کوشش کی تھی کہ اعلیٰ اختیاراتی کونسل میں جو مسلم نمائندے لیے جائیں گے وہ صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ ہوں۔ وائسرائے نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور ۱۴؍ جولائی ۱۹۴۵ء کو کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کردیا[1]

پاکستان کا نشہ چڑھنے لگا

سوال: شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد وائسرائے نے کیا اقدامات کیے؟

جواب: کانفرنس کی ناکامی اور کرپس مشن کی تجاویز مسترد کیے جانے کے بعد وائسرائے نے لندن کا سفر کیا اور حکومت برطانیہ سے منظوری لے کر اگست ۱۹۴۵ء میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں فرقہ وارانہ بنیاد پر نئے الیکشن کرانے کا اعلان کردیا[2]

سوال: اس اعلان کا نتیجہ کیا نکلا؟

جواب: اعلان ہوتے ہی تمام سیاسی پارٹیاں حرکت میں آگئیں[3]

سوال: مسلمانوں کی طرف سے کون سی پارٹیاں سامنے آئیں؟

جواب: اس الیکشن میں مسلم لیگ نے بھرپور کوشش کی کہ وہ یہ ثابت کردے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی نمائندہ جماعت صرف وہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور جماعت مسلمانوں کی نمائندہ نہیں ہے۔ لیکن دیگر قوم پرور مسلم جماعتوں جمعیۃ علماء ہند وغیرہ نے آل انڈیا مسلم پارلیمنٹری بورڈ بنا کر مسلم لیگ کا مقابلہ کیا[4]

سوال: اس بورڈ کا قائد کون تھا؟

جواب: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ اس بورڈ کے سربراہ تھے[5]

سوال: مسلم لیگ نے اپنا الیکشن کا موضوع کس مسئلہ کو بنایا؟

جواب: مسلم لیگ ۱۹۴۰ء ہی سے برابر پاکستان کے نام سے ایک الگ ملک بنانے کا

---

[1] تاریخ جمعیت علماء ہند، ص ۱۵۲-۱۵۳ [2] [3] ایضاً، ص ۱۵۵ [4] [5] ایضاً، ص ۳۳، علماء حق ۲/ ۲۹۳

مطالبہ کر رہی تھی۔ اب اس نے مسلم عوام کو اپنانے کے لیے پوری شدومد کے ساتھ پاکستان کے قیام ہی کو اپنا الیکشنی پروگرام بنایا۔ اور ملک کے طول و عرض میں ہندو مسلم منافرت کا بازار گرم کر دیا۔ مجوزہ پاکستان کے متعلق ایسے ایسے سنہرے خواب لوگوں کو دکھائے کہ اچھے اچھے عقل مند اور صحیح فکر رکھنے والے لوگ بھی پاکستان کے فریب میں آگئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ پاکستان کے قیام کی تحریک نہ ہو کر ہندوستان کے کسی خطہ میں خلافت راشدہ کے مشابہ کسی حکومت کے قیام کی تحریک ہو۔ حتی کہ بڑے بڑے ذی علم علماء بھی مسٹر جناح کی قیادت کے گن گانے لگے اور یہ زہر اتنا پھیلا کہ کوئی شخص پاکستان کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھا۔

طوفان بدتمیزی

سوال: لیگی کارکنوں نے اپنے مخالفوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

جواب: مسلم لیگ کے کارکنوں کو ان کے ناعاقبت اندیش رہنماؤں نے اتنا گمراہ اور مخالفوں کی طرف سے اتنا بدظن کر دیا تھا کہ وہ مسلم لیگ کی موافقت نہ کرنے والے شخص کو کافروں سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے ۱۹۴۵ء کے الیکشن کے دوران مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے رہنماؤں کو جابجا مسلم لیگ کے بپھرے ہوئے کارکنوں کے غضب کا نشانہ بننا پڑا۔ بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کو سید پور ضلع رنگپور بنگال اور بھاگلپور وغیرہ جگہوں پر لیگیوں نے بدترین گستاخیوں کا نشانہ بنایا۔ مگر حضرت پوری جرأت و استقامت کے ساتھ احقاق حق کرتے ہوئے پورے ملک میں دورہ کرتے رہے اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کے مجوزہ پاکستان کے بھیانک نتائج سے آگاہ کرتے رہے[1]

جمعیۃ علماء ہند کا فارمولہ کیا تھا؟

سوال: آزاد ہندوستان ہندو مسلم مسئلہ کے حل کے لیے مسلم لیگ نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تھی تو جمعیۃ علماء ہند نے اس نازک مسئلہ کے حل کے لیے کیا اپنا کوئی الگ سے

---

[1] تفصیلات دیکھیں علماء حق، جلد دوم۔

فارمولہ بھی پیش کیا تھا؟

جواب: جمعیۃ علماء کے قائدین ملک اور ملت کے لیے حد درجہ مخلص تھے۔ اولاً تو وہ ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ جلد از جلد کامل آزادی ہند کے حصول کے متمنی تھے اور ساتھ میں آزاد ہندوستان میں ایسے نظام حکومت کے قیام کے کوشاں تھے جس میں ہندو اور مسلم برابر کے شریک ہوں اور کسی فریق کو کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑے اس وجہ سے جمعیۃ علماء نے اپنے اجلاس سہارنپور میں تقسیم ہند کے مقابلہ میں نہایت معتدل فارمولہ پیش کیا تھا۔ جو درحقیقت جمعیۃ کے اجلاس لاہور ۱۹۴۲ء میں پیش کردہ فارمولہ کی تکمیل تھی۔ (اسی کو مدنی فارمولہ بھی کہا جاتا ہے)

سوال: اس فارمولہ کے بنیادی نکات کیا تھے؟

جواب: اس فارمولہ کے درج ذیل نکات خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

(۱) آزاد ہندوستان میں مسلمان مذہبی، تہذیبی، معاشرتی ہر اعتبار سے آزاد ہوں گے اور وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

(۲) آزاد ہندوستان میں صوبے خود مختار ہوں گے اور ان سب کا ایک مرکز ہوگا جسے صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کردیں۔

(۳) مرکزی پارلیمنٹ کے ممبروں کی تعداد کا تناسب اس طرح ہوگا: مسلمان ۴۵، ہندو ۴۵، دیگر اقلیتیں ۱۰۔

(۴) اگر کسی بل یا تجویز کو مذہبی آزادی کے مخالف ہونے کی بنا پر مسلم ارکان ۲/۳ اکثریت تسلیم نہ کرے تو ایسا بل مرکزی حکومت میں پاس نہ ہوسکے گا۔

(۵) ایک ایسا سپریم کورٹ قائم کیا جائے جس میں مسلم اور غیر مسلم ججوں کی تعداد برابر ہو۔

(۶) اگر کسی بل یا تجویز کو مذہبی آزادی کے مخالف ہونے کی بنا پر مسلم ارکان کی ۲/۳ اکثریت تسلیم نہ کرے تو ایسا بل مرکزی حکومت میں پاس نہ ہوسکے گا۔[1]

سوال: اس فارمولے کا فائدہ کیا نکلتا؟

جواب: یہ فارمولہ اگر مان لیا جاتا تو مستقبل کے ہندوستان میں بالخصوص مسلمانوں کے لیے زبردست فائدہ کا ذریعہ بنتا۔ اس لیے کہ صوبوں کی خود مختاری کی صورت میں

---

[1] جمعیۃ علماء کیا ہے؟ ۲/ ۲۷۲-۲۷۳

ان تمام صوبوں میں مسلم حکومتیں قائم ہو جاتیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ مثلاً غیر منقسم پنجاب، بنگال، صوبہ سرحد، سندھ وغیرہ، اور مرکزی حکومت میں مسلمان اتنے موثر ہوتے کہ ان کی منشا اور مرضی کے خلاف کوئی قانون منظور نہیں ہو سکتا تھا۔ (نیز اس فارمولے کے ذریعے اگر بالفرض بعد میں غیر مسلموں کی طرف سے ناانصافی سامنے آتی تو بہت سی مسلم حکومتیں الگ سے بھی وجود میں آسکتی تھی) الغرض یہ فارمولہ ہر طرح سے مسلمانوں کے لیے نفع بخش تھا۔ لیکن فرقہ وارانہ منافرت، سطحی اور بدترین قیادت اور مفاد پرست لیڈروں کی لفاظیوں نے ایسا رنگ دکھایا اور ہندو ازم کا ایسا ہوا چڑھایا کہ عواقب و نتائج سے بے خبر ہو کر مسلم عوام دخواص تجویز پاکستان ہی کو کامیابی سمجھنے لگے۔ حتیٰ کہ بعض متدین علماء نے کلکتہ میں جمعیۃ علماء اسلام قائم کر کے مسلم لیگ کے لیے انتخابی کنویسنگ شروع کر دی۔

انتخابات کا نتیجہ

سوال: ۴۵ء کے انتخابات کا نتیجہ کس صورت میں ظاہر ہوا؟

جواب: انتخابات جس ماحول میں ہوئے تھے اس سے نتیجہ بالکل واضح تھا۔ چوراسی فیصد سیٹیں مسلم لیگ کو ملیں۔ اور سولہ فیصد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے ہاتھ آئیں اور ووٹوں کے اعتبار سے ساٹھ فیصد مسلم لیگ کو، اور ۴۰ر فیصد ی مسلم پارلیمنٹری بورڈ کو میسر آئے۔ تاہم جتنی بھی کامیابی بورڈ کو ملی وہ توقع سے بہت زائد تھی۔ ان نتائج نے پاکستان کی تحریک کو بہت مضبوط کر دیا[1]

وزارتی مشن کی آمد

سوال: آزاد ہندوستان میں تشکیل حکومت سے متعلق حکومت برطانیہ کا نظریہ کیا تھا؟

جواب: حکومت برطانیہ اس وقت تک صورتحال کا جائزہ لے رہی تھی، چنانچہ اس مقصد سے اس نے اپنے تین وزراء پر مشتمل ایک وفد ہندوستان بھیجا تاکہ وہ سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں سے مل کر آئندہ کے لیے کوئی منصوبہ تیار کریں۔ اس وفد نے

---

[1] علماء حق، ج۲، ۳۱

ہندوستان میں آکر کل ہند مسلم پارلیمنٹری بورڈ کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈروں سے بات چیت کی اور طویل غور و خوض کے بعد سفارشات کا مسودہ تیار کیا۔ یہ سفارشات زیادہ تر جمعیۃ علماء کے پیش کردہ فارمولہ کے مطابق تھیں اور ان میں مسلم لیگ کی تقسیم ہند کی تجویز کو متعدد وجوہ سے مسترد کر دیا گیا تھا۔ ان سفارشات کے بعد دوسرا مرحلہ ایک عارضی حکومت کے قیام کا تھا۔ مسلم لیگ کی بیجا ضد کی وجہ سے عارضی حکومت کا قیام التواء میں پڑتا رہا۔ اور بالآخر جولائی ۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ نے وزارتی کمیشن کی سفارشات نامنظور کر دیں اور اعلان کیا کہ وہ مطالبہ پاکستان کے لیے ۱۶ اگست کو یوم تفسیر جہاد منائے گی۔ تو وائسرائے نے کانگریس کو حکومت بنانے کی دعوت دی۔ چنانچہ صدر کانگریس مسٹر جواہر لال نہرو کی قیادت میں حکومت تشکیل دی گئی۔[1]

سوال: کیا اس حکومت میں مسلم لیگ نے شرکت کا اعلان کر دیا تھا؟

جواب: ابتدا مسلم لیگ اس میں شریک نہیں تھی۔ بعد میں اکتوبر ۱۹۴۶ء میں اس نے بھی شرکت کا اعلان کر دیا۔ اور بادل ناخواستہ مشن کی سفارشات مان لیں۔[2]

انسانی لاشوں پر پاکستان کی تعمیر

سوال: جب وزارتی مشن نے تقسیم ہند کے منصوبہ کو رد کر دیا تھا تو پھر مسلم لیگ نے اسے قبول کر کے عارضی حکومت میں کیسے شمولیت اختیار کی؟

جواب: یہ بظاہر مسلم لیگ کی شاطرانہ حکمت عملی کا ایک حصہ تھا۔ اولاً اس نے "ڈائرکٹ ایکشن ڈے" یوم راست اقدام منایا، جس نے ہندوستان کے طول و عرض میں بھیانک فرقہ وارانہ فسادات کی آگ لگادی۔ صرف کلکتہ شہر میں ہزاروں ہندو اور مسلمان قتل کر دیے گئے۔ اور اربوں روپے کا مالی نقصان ہوا۔ پھر نوا کھالی بنگال میں لیگی غنڈوں نے دو سو سے زائد بے قصور ہندوؤں کا قتل عام کیا، جس کے رد عمل میں پورے ملک میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ بہار کے اکثر اضلاع بدترین فسادات کی لپیٹ میں آگئے۔ گڈھ مکتیشر میں سینکڑوں مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ الغرض ہندو

---

[1] [2] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۱۶۷-۱۶۸

مسلم اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ اور عوام کو یہ تاثر دیا گیا کہ اب اس ملک میں ہندو اور مسلمان ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ دوسرے مرحلہ میں عارضی حکومت میں شامل ہو کر مسلم لیگ کے ممبران کابینہ نے حکومت کے کاموں میں خواہ مخواہ روڑے اٹکانے شروع کر دیے اور کانگریسی ارکان کے دل میں یہ بات بٹھادی کہ کانگریس اور لیگ کے نمائندوں کا ایک پارلیمنٹ میں رہ کر حکومت چلانا نا ممکن ہے[1]

سوال: اس سے لیگ کو کیا فائدہ پہنچا؟

جواب: اس سے مسلم لیگ تقسیم ہند کے متعلق رائے عامہ ہموار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ عوام تو عوام کانگریس کے بڑے بڑے لیڈر جو تقسیم کے سخت مخالف تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر تقسیم ہو گی تو ہماری لاشوں پر سے گذر کر ہو گی، وہی لوگ تقسیم کے مضبوط حامی بن گئے۔ اس لیے کہ ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی گئی تھی کہ لیگ کے رہتے ہوئے کانگریس حکومت چلانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس نازک موقع پر صرف علماء کی جماعت "جمعیۃ علماء ہند" اور اس کی ہم نوا جماعتیں ہی تھیں جو پورے استقلال کے ساتھ تقسیم کی مخالفت پر قائم تھیں۔ اور لیگ کی ناعاقبت اندیش قیادت ان کی رائے میں تبدیلی پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ تاہم لیگ کی شاطرانہ چالوں کی بدولت علماء کی یہ نصیحتیں "نقار خانہ میں طوطی کی آواز" سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھیں۔

علماء کے اندیشے

سوال: آخر کیا وجہ تھی کہ علماء اتنی شدت سے تقسیم کی مخالفت کر رہے تھے؟

جواب: یہ حق پرست علماء اپنی دوررس نگاہوں سے مجوزہ پاکستان کے بھیانک انجام کو دیکھ رہے تھے۔ ان کو اندیشہ تھا کہ:

الف: جو کروڑوں مسلمان ہندو اکثریت کے علاقوں میں اقلیت بن کر رہ جائیں گے وہ پوری زندگی بے سہارا رہیں گے اور دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گذاریں گے۔

ب: جو مسلمان ہجرت کر کے پاکستان جائیں گے سالوں رہنے کے باوجود اپنے آپ کو وطنی اور نسلی امتیازات کے دائرے سے نہ نکال پائیں گے۔

ج: پاکستان میں اسلامی حکومت کے قیام کا جو سنہرا خواب دکھایا جا رہا ہے وہ محض

---

[1] تاریخ جمعیۃ علماء ہند، ص ۱۶۸ تا ۱۷۰

"سراب" ثابت ہوگا۔ اس لیے کہ مسلم لیگ کی زمام قیادت ایسے ملحدین اور بد دینوں کے ہاتھ میں تھی جن کی عملی زندگی میں اسلام اور اسلامی شعائر کا نام ونشان تک نہ تھا۔ صرف سیاسی فائدے کے لیے ہی اسلام کا نام لیتے تھے بلکہ ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے پاکستان کی مجوزہ حکومت کے دینی یا دینوی ہونے کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ اسے مہمل سوال کہہ کر ٹال دیتے تھے۔

د: مجوزہ پاکستان میں مشرق ومغرب کے دو الگ الگ ایسے حصے کیے گئے تھے جن میں اتحاد قائم رہنا فطرت کے خلاف تھا۔ اور ان میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم سے شدید ترین خون خرابہ کا خطرہ یقینی تھا۔

ہ: پھر ہندوستان کے مختلف حصوں بالخصوص دہلی اور مغربی یوپی میں مدارس ومساجد اور مسلم اوقاف کا جو وسیع جال بچھا ہوا تھا ان سب کے ضائع اور ویران ہونے کا شدید اندیشہ تھا۔

یہی سب وجوہات تھیں جن کی بنا پر جمعیۃ علماء ہند آخری وقت تک تقسیم ہند کی مخالفت کرتی رہی ہے۔ جمعیۃ علماء ہند نے اپنی مجلس عاملہ منعقدہ مئی ۴۷ء میں اعلان کیا۔ "ہمیں افسوس ہے کہ کانگریس اس نازک مرحلہ پر اپنی جگہ مستحکم نہ رہ سکی اور اس نے اپنی روایات کے برخلاف تقسیم پنجاب کے مسئلہ پر مہر تصدیق کرکے قومی نقطہ نظر کو سخت نقصان پہنچایا۔ جمعیۃ علماء ہند ان تاریک پہلوؤں کے متعلق صاف صاف اعلان کر چکی ہے کہ وہ مسلم لیگ کے مزعومہ پاکستان اور ہندو مہاسبھا کے اکھنڈ ہندوستان اور کانگریس کی حالیہ تجویز تقسیم پنجاب یعنی تقسیم در تقسیم کو ایک لمحہ بھی گوارا نہیں کر سکتی۔[۱]"

اور جون ۴۷ء میں یہ اعلان کیا: "ہندوستان کو تقسیم کرنا باشندگان ہندوستان کے لیے عموماً اور مسلمانان ہند کے لیے خصوصاً سخت مضرت رساں اور نقصان دہ ہے چونکہ جمعیۃ علماء کی یہ پختہ رائے ہے اس لیے یہ جلسہ ایک دفعہ پھر مسلمانان ہند کو متنبہ کرتا ہے کہ ملک کی تقسیم مسلمانوں کے لیے انتہائی تکلیف دہ اور مہلک ثابت ہوگی۔[۲]" مگر افسوس ہے کہ پاکستان کے جنون میں کسی نے ان مخلص علماء کی بات پر توجہ نہ دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

---

۱ علماء حق ۲/۴۳۵-۴۳۶ ۲ ایضاً ص ۲/۴۳۷

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

- تقسیم ہند کا اعلان
- کانگریس نے اپنی تاریخ مسخ کر دی
- نقار خانہ میں طوطی کی آواز
- خون کے فوارے اُبل پڑے
- چھ لاکھ انسانوں کے قتل کا ذمہ دار کون؟
- بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
- شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی للکار
- مجاہد ملت کی قربانیاں
- علماء کرام جمہوری ہندوستان میں

اور تقسیم کا اعلان ہوگیا

سوال: علماء نے تقسیم ہند کے متعلق جو واقعی اندیشے پیش کیے تھے کیا اس پر مسلمانوں اور رہنمایان قوم نے سنجیدگی سے غور کیا؟

جواب: حالات اتنے زیادہ سنگین ہو چکے تھے اور ہندو مسلمانوں کے دلوں میں نفرت کی ایسی وسیع دیوار حائل ہو گئی تھی کہ کوئی بھی ملک و قوم کے برے انجام پر غور کرنے کو تیار نہ تھا، بلکہ جلد از جلد اپنی منشا کی حکومت حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔ مسلم لیگی مسلمان چاہتے تھے کہ انھیں بلا شرکت غیرے اقتدار ملے۔ اسی طرح متعصب ہندو لیڈر جن میں راج گوپال آچاریہ، سردار پٹیل اور پنڈت گووند ولبھ پنت خاص طور پر پیش پیش تھے اس تگ و دو میں تھے کہ کسی طرح جلد از جلد ایک وسیع تر ہندو مملکت کا قیام عمل میں آئے۔

سوال: ان حالات میں حکومت برطانیہ کیا سوچ رہی تھی؟

جواب: حکومت برطانیہ کا تو یہ دیرینہ خواب تھا ہی کہ ہندوستان کے حصے بخرے کر دیے جائیں۔ جسے شرمندۂ تعبیر کرنے میں متعصب ہندوؤں اور مسلم لیگ نے دانستہ یا نادانستہ نہایت اہم کردار ادا کیا تھا۔ اب وقت آگیا تھا کہ اس خواب کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ چنانچہ ۳/جون ۱۹۴۷ء وہ سیاہ تاریخ ہے جب ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے آزادیٔ ہند سے متعلق ایک طویل اعلانیہ جاری کیا۔ جس میں واضح طور پر تقسیم ہند کی تجویز کو منظوری دی اور ساتھ میں کانگریس کے مطالبہ پر صوبہ پنجاب اور بنگال کی بھی فرقہ وارانہ بنیاد پر تقسیم کا اعلان کر کے مسلمانان ہند کی قسمت پر آخری مہر لگادی۔[1]

---

[1] پورا اعلامیہ ملاحظہ کریں۔ علماء حق ۲/۵۰۳ تا ۵۱۲

مسلم لیگ اور کانگریس کی مہر تصدیق

سوال: اس اعلامیہ پر قومی ردعمل کیا ہوا؟

جواب: لارڈ ماؤنٹ بیٹن پہلے ہی کانگریس کے رہنماؤں بشمول گاندھی جی، سردار پٹیل، اور پنڈت جواہر لال نہرو کو اپنا ہموا بنا چکے تھے اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھا چکے تھے کہ تقسیم کے علاوہ مصالحت کا کوئی راستہ بچا ہی نہیں ہے۔ اور دوسری طرف مسلم لیگ کے رہنما پاکستان کے حصول کے جوش میں عقل و خرد اور انجام سے اتنے بے خبر ہو چکے تھے کہ انھیں تو بس پاکستان نام کا کوئی حصہ چاہیے تھا، خواہ وہ زیادہ ہو یا کم، مزید غور کرنے کی ان میں سدھ ہی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ ۳/جون کے اعلامیہ پر مسلم لیگ نے اپنے اجلاس (منعقد ۹/جون بمقام دہلی) میں تائید کی مہر لگادی[1] اور یہ نہ سوچا کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے بعد اب جو پاکستان کے نام سے مسلم لیگ کو جو رقبہ عطا کیا جارہا ہے وہ خود مسلم لیگ کے تصور سے بہت کم ہے اور جسے ۱۹۴۴ء میں مسلم لیگ سایہ اور چھلکا کہہ کر رد کر چکی تھی، اس کے بعد ۱۴/جون ۱۹۴۷ء کو کانگریس کا ایک معرکۃ الآراء جلسہ ہوا۔ جس میں ۱۵ کے مقابلہ میں ۲۹ ووٹوں سے تقسیم ہند کی تجویز کو منظوری دے کر ملک کی تقسیم کی راہ ہموار کر دی گئی[2]

کانگریس نے اپنی تاریخ مسخ کردی

سوال: آخر کانگریس جو ملک کے سبھی فرقوں کی نمائندگی اور قومی اتحاد کی دعویدار تھی اس نے ملک کی تقسیم کی تائید کیسے کی؟

جواب: کانگریس کے صف اول کے رہنماؤں کی ایک مخصوص لابی جس کی قیادت سردار پٹیل کر رہے تھے، حکومت میں مسلمانوں کی حصہ داری کے خلاف تھی اور حکومت کے تجربہ کی روشنی میں اس نے دل میں یہ بات بٹھالی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ حکمرانی میں نبھاؤ ناممکن ہے۔ یہ لابی مسٹر گاندھی اور جواہر لال نہرو کا ذہن بنانے میں بھی کامیاب ہو گئی۔ اور شدید مایوسی اور حسرت کے عالم میں کانگریس نے

---

[1] علماء حق ۲/۵۲۰ [2] ایضاً، ص ۲/۵۲۱

اپنی روایات کو خود اپنے ہاتھوں روندتے ہوئے مسلم لیگ کے دو قومی نظریے کے سامنے گھٹنے ٹیک کر تقسیم کی منظوری دے دی۔ مولانا ابوالکلام آزاد ؒ ۱۴ر جون ۴۷ء کی میٹنگ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میں اس کمیٹی کے بہت سے جلسوں میں شرکت کر چکا ہوں مگر اب تک ایسے عجیب و غریب جلسہ میں شرکت کی نوبت نہیں آئی تھی، وہی کانگریس جس نے ہمیشہ ملک کی آزادی اور اتحاد کے لیے جان کھپائی تھی اب ملک کی تقسیم کے بارے میں خود ایک تجویز پر غور کرنے جارہی تھی۔"

مولانا آگے لکھتے ہیں:

"کانگریس اپنے آپ کو اس طرح گرا کر ہتھیار ڈال دے، میرے لیے یہ ناقابل برداشت تھا۔ میں نے اپنی تقریر میں صاف صاف کہہ دیا کہ ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ واقعات کے ایک بہت ہی افسوسناک سلسلہ کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان کا تقسیم ہو جانا ایک جانکاہ حادثہ ہے۔ اور ہم اپنی معذرت کے لیے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اس سے بچنے کی امکانی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔[۱]"

ظاہر ہے کہ مولانا کی یہ صاف گوئی اعتراف شکست کے علاوہ کچھ نہ تھی۔

نقار خانہ میں طوطی کی آواز

سوال: کیا کسی کانگریسی ممبر نے کانگریس کے اس یاس انگیز فیصلہ پر نکیر نہیں کی؟

جواب: بہت سے کانگریسی رہنما دل سے تقسیم کے حق میں نہیں تھے۔ مگر صورت حال کچھ ایسی بن گئی تھی کہ سب کی زبانیں گونگی ہو گئی تھیں اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کریں تو کیا کریں۔ ایسے میں ایک آواز ایسی گونجی جس نے واقعی احقاق حق کی لاج رکھ لی اور جماعت علماء کی حقانیت کو رسوا ہونے سے بچالیا۔ یہ آواز بطل حریت، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند کی تھی۔ جنھوں نے کانگریس کی مجلس عاملہ میں پوری طاقت سے اظہار حق کرتے ہوئے کہا:

"حالات کے جس دباؤ اور جن الجھنوں کے باعث آج ہندوستان کی تقسیم منظور کر لینے کا مشورہ دیا جارہا ہے۔ میں اپنے لیڈروں سے پورے احترام

۱۔ انڈیا ونس فریڈم، ص ۲۸۳

کے ساتھ کہوں گا کہ ہندوستان کی تقسیم کا نتیجہ اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہوگا۔ اور آج اگر کانگریس کے اسٹیج پر تقسیم ہند کی اسکیم منظور کرلی گئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آج ہم اپنی پوری تاریخ اور ہمیشہ کے لیے اپنے یقین واذعان پر خود اپنے ہاتھ سے خط تنسیخ کھینچ کر اٹھیں گے اور دو قومی نظریہ کے سامنے سرینڈر ہو جائیں گے۔"[۱]

مگر افسوس اس مجاہد کی یہ حقیقت پر مبنی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔ اور نقار خانہ میں طوطی کی آواز بن کر رہ گئی۔

کیا مانگا تھا کیا ملا

سوال: مسلم لیگ جو ۱۹۴۰ء سے پاکستان کا تصور پیش کر رہی تھی کیا پاکستانی علاقوں کی حد بندی اس کے تصور کے مطابق ہوئی یا برخلاف؟

جواب: مسلم لیگ نے پاکستان کا جو نقشہ بنایا تھا اس کے مطابق پاکستان کی حدود میں وہ تمام صوبے مکمل شامل تھے جن میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل تھی۔ مثلاً بنگال، پنجاب، سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحد وغیرہ۔ لیکن جب کانگریس نے دیکھا کہ حکومت برطانیہ تقسیم کے نظریہ کو قبول کرنے کی طرف مائل ہے تو اس نے آبادی کی اکثریت کو بنیاد بنا کر پنجاب اور بنگال کی بھی فرقہ وارانہ تقسیم کا مطالبہ کر دیا۔ چنانچہ غیر مسلم اکثریت والے اضلاع پنجاب اور بنگال سے کاٹ کر مجوزہ پاکستان سے الگ کر لیے گئے۔ اور پاکستان کے نام سے مسلم لیگ کو جو حصہ ملا وہ اس کے مطالبہ کا زیادہ سے زیادہ دو تہائی حصہ تھا۔ مسلم لیگ کے ارباب حل و عقد کی عقل پر حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے کیسے اتنے بڑے نقصان کو آسانی سے برداشت کر لیا۔

فائدہ میں کون رہا؟

سوال: تقسیم سے مسلمانوں کو زیادہ فائدہ ہوا یا غیروں کو؟

جواب: اس تقسیم سے ہندوؤں کو غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی۔ اور مسلمانوں کا ناقابل تلافی نقصان ہوا۔ مسلمانوں کے حصہ میں ملک کے چند بکھرے ہوئے گوشے آئے۔

---

[۱] تحریک آزادی اور مسلمان، ص ۲۴۸

اور باقی تمام زرخیز آباد اور ایک دوسرے سے متصل ہندوستان پر ہندوؤں کو من مانی حکومت اور ہزاروں برس بعد ایک ایسی پُر شوکت اور عظیم الشان سلطنت قائم کرنے کا موقع ملا جس کا تصور کرنا بھی اس کے لیے مشکل تھا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہر اور عظیم الشان بندرگاہیں ہندوؤں کے حصہ میں آئیں۔ اور مسلمانوں کے آثار و باقیات پر مشتمل بیشمار شہر اور قصبات ہندوؤں کی تحویل میں چلے گئے۔ معدنیات کے ذخائر اور ہندوستانی ریلوے کا بڑا حصہ بھی ہندوستان کے حصہ میں رہ گیا[1] پھر مغربی اور مشرقی پاکستان کے الگ الگ حصوں پر ایک ساتھ حکومت کرنے کا ناکام تجربہ کیا گیا جس کا انجام یہ ہوا کہ ابھی قیام پاکستان کو تین دھائیاں بھی نہ گزری تھیں کہ مسٹر جناح کے پاکستان کا مشرقی دھڑا خود مختار ملک بن کر عالم اُفق پر بنگلہ دیش کی شکل میں طلوع ہوگیا جس نے پاکستان تحریک کی نامعقولیت ہر منصف کے سامنے عیاں کر دی۔

وحدت ملی پارہ پارہ

سوال: ہندوستان اور پاکستان میں مسلم آبادی کا تناسب تقسیم کے وقت کیا تھا؟

جواب: تقسیم سے قبل تقریباً ۱۰ کروڑ مسلمان ملک میں آباد تھے جن میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے علاقوں میں مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ کے قریب تھی۔ بقیہ پانچ کروڑ پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے[2] پاکستان بن جانے کے بعد قتل و غارت گری اور انتقال آبادی کے باعث چار سے ساڑھے چار کروڑ مسلمان ہندوستان میں رہ گئے۔ گویا تقسیم کے فیصلہ نے مسلمانوں کی ملی قوت اور وحدت کو قطعاً بے اثر بنا دیا اور ان کی طاقت کو تین جگہ منتشر کر ڈالا۔

جب آزادی کی شہنائی بجی

سوال: ہندوستان کو آزادی کب ملی؟

جواب: آزادی کے باقاعدہ اعلان سے پہلے ملک کی تقسیم کے انتظامات مکمل کر لیے گئے تھے۔ اس لیے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ۱۴ر اگست ۴۷ء کو پاکستان کی آزادی اور ۱۴ر - ۱۵ر اگست ۴۷ء کی درمیانی شب میں ہندوستان کی آزادی کا

---

۱ ملت، ۲۳/۲/۴۹ء   ۲ ملت، ۲۳/۲/۴۷ء

باقاعدہ اعلان کیا۔ نوے برس کی بدترین غلامی کے بعد باشندگان وطن نے صبح آزادی دیکھی تھی۔ اس لیے مسرت وانبساط کا پیدا ہونا فطری تھا۔ لیکن ساتھ میں بھیانک اندیشے اور دلوں کا پتہ پانی کرنے والے خطرات بھی انگڑائیاں لے رہے تھے۔ اس دن دارالحکومت دہلی کا کیا حال تھا۔ مولانا آزاد بیان کرتے ہیں:

"سارے شہر پر ایک ہنگامہ خیز خوشی طاری تھی۔ تھوڑی دیر کے لیے تو تقسیم کے کرب کا احساس بھی مٹ گیا۔ شہر اور آس پاس کے علاقوں سے لاکھوں آدمی آزادی کو خوش آمدید کہنے کے لیے اکٹھا ہوئے تھے۔ چار بجے شام کو آزاد ہندوستان کا پرچم بلند ہونے والا تھا اگست کی تپتی ہوئی دھوپ کے باوجود لاکھوں آدمی جمع ہوئے۔ بلکہ گھنٹوں پہلے بے پناہ گرمی میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ خوشی سے وجد کی سی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ یہ حالت اڑتالیس گھنٹوں سے زیادہ نہ رہی۔ دوسرے ہی روز سے فرقہ وارانہ فسادات کی خبریں دارالحکومت پر افسردگی کے بادل بن کر چھا گئیں۔ یہ خبریں قتل وغارتگری اور ایذارسانی کی تھیں[1]۔"

خون کے فوارے ابل پڑے

سوال: اعلان آزادی کے بعد ملک میں کیا صورتحال رونما ہوئی؟

جواب: ابھی آزادی کی شہنائی تھمنے بھی نہ پائی تھی کہ صوبہ پنجاب اور بنگال سے تبادلہ آبادی کی بنا پر سنگین قسم کے فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے اور وحشت وبربریت کا عفریت ننگا رقص کرنے لگا۔ مغربی پنجاب میں مسلمان اپنے پڑوسی ہندوؤں اور سکھوں کا قتل عام کر رہے تھے اور مشرقی پنجاب میں اسی طرح مسلمانوں کا چن چن کر قتل عام کیا جارہا تھا۔ مغرب کی جانب سے آنے والی ٹرینیں ہندوؤں اور سکھوں کی لاشوں سے اور مشرق سے مغرب جانے والی ٹرینیں مسلمانوں کی لاشوں سے بھری رہتی تھیں۔ کتنے ہی قافلے جو ترک وطن کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے تھے راستہ ہی میں موت کا نوالہ بن گئے۔ الغرض اعلان آزادی اپنے ساتھ ظلم وبربریت کا وہ عفریت لایا تھا جس نے پوری انسانیت کو شرمسار کر دیا تھا۔

---

[1] انڈیا ونس فریڈم، ص ۲۹۷-۲۹۸

سوال: ان ہنگاموں میں اندازاً کتنے آدمیوں کی جانیں گئیں؟
جواب: پنڈت سندر لال کا بیان ہے کہ خونی انتقال آبادی کے واقعہ میں کم از کم فریقین کے پانچ لاکھ افراد مقتول ہوئے۔ اربوں روپیہ کا مالی نقصان ہوا۔ ہزارہا ہزار افراد کو جن میں خواتین بھی شامل ہیں، اغوا کر کے مذہب کی تبدیلی پر مجبور کیا گیا۔ مہینوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔[1]

دہلی پھر اُجڑ گئی

سوال: ان واقعات کا اثر دارالحکومت دلی پر کیا ہوا؟
جواب: ہندو اور سکھ پناہ گزیں جب ہزاروں کی تعداد میں دلی میں پناہ لینے لگے اور مغربی پنجاب میں مسلمانوں کے مظالم نہایت مبالغے سے بیان کرنے لگے تو یہاں کی فضا بھی خون اُگلنے لگی۔ اور پھر بعض ہندو تنظیموں کے تربیت یافتہ غنڈوں نے جن کی تعداد آٹھ تو سو بیان کی جاتی ہے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ دلی سے مسلمانوں کو اجاڑنے کے پلان پر کامیابی سے عمل در آمد کیا مولانا محمد میاں صاحبؒ اس وقت کی دلی کی حالت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"مختصر یہ کہ چند روز کے ہنگاموں نے قرول باغ، پہاڑ گنج، سبزی منڈی کے مسلمانوں کو یا شہید کر دیا یا خانہ بدوش ویران و تباہ جو عورتیں ہاتھ لگیں ان کی عصمت دری کی گئی، اغوا کیا گیا۔ بچوں کو ذبح کیا گیا اور گنبد نیلی فام کے نیچے زمین کے تخت جگر پر وہ سب کچھ ہوا جو دہلی کی آنکھ نے کبھی نہ دیکھا تھا اور جس کے خونی دھبے تاریخ دہلی کی پیشانی پر ہمیشہ کلنک کا ٹیکہ بنے رہیں گے۔ قرول باغ، سبزی منڈی، اور پہاڑ گنج ہر ایک محلہ ایک شہر ہے۔ ان محلوں میں کم و بیش ڈیڑھ لاکھ مسلمان آباد تھے۔ بہت سے بڑے بڑے دولتمند خوش پوش اور پشتینی امیر جن کی خواتین نے ہمیشہ ناز و نعمت کی زندگی بسر کی تھی۔ اس دور پر آشوب میں ان کی آنکھوں نے وہ سب کچھ دیکھا جو خونی انقلاب کی فطرت ہے جس کے سننے کے لیے پتھر کا کلیجہ چاہیے۔"
تباہ شدہ انسان اپنے مکانات سے فرار ہوئے، ماں کو بچوں کی خبر نہ تھی۔ باپ

---

[1] علماء حق ۲/ ۵۶۱

کے حواس باختہ تھے۔ بھائی بہن سے غافل تھا۔ ایسی صورت میں حجاب و نقاب کا تو سوال ہی کیا، گھروں سے نکلے۔ سڑک پر گولیوں اور چھروں نے استقبال کیا۔ کچھ زمین پر ڈھیر ہوگئے۔ کچھ گرتے پڑتے جامع مسجد پہنچے جامع مسجد کا صحن پر ہو گیا تو پرانے قلعہ کا راستہ لیا، جامع مسجد سے پرانا قلعہ یا ہمایوں کا مقبرہ تقریباً تین میل ہے۔ راستہ قطعاً غیر محفوظ تھا مگر راستہ میں کوئی حملہ بھی نہیں ہوا، گویا منشا یہ تھا کہ مکانات چھوڑیں اور پاکستان جانے کے لیے تیار ہو جائیں۔

پرانے قلعہ میں ایک لاکھ سے زیادہ مجمع ہوگیا، وہیں پیشاب وہیں پاخانہ، گندگی و تعفن سے سانس لینا مشکل۔ پانی کے لیے صرف ایک نل، غذا بھی مشکل سے ملتی تھی، باہر نکلنے میں جان کا خطرہ، یہ پناہ گاہ خود مصیبت گاہ بن گئی جو چند روز پہلے دولت مند تھے یہاں بھوک اور پیاس سے جاں بلب تھے۔ جو سخت جان تھے وہ زندہ رہ گئے، جو ناتواں تھے چل بسے[1]

سوال: کیا حکومت نے ان فسادات کی روک تھام کے لیے کچھ اقدامات نہیں کیے؟

جواب: حکومت کے ذمہ داران خود ہی فرقہ پرستی سے متاثر تھے۔ پھر ہندوستان اور پاکستان میں فوجوں کی فرقہ وارانہ تقسیم نے فوج میں بھی نفرت و عداوت کے جراثیم پیدا کر دیے تھے۔ اس لیے باوجود کوشش کے فسادات پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ حالات ایسے نازک تھے کہ جن کو آج سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

چھ لاکھ انسانوں کا قتل کس کی گردن پر

سوال: اتنے بڑے پیمانے پر قتل و غارتگری کا اصل سبب کیا تھا۔ اور اس سنگین جرم کے ذمہ دار کون لوگ ہیں؟

جواب: یہ قتل و غارت گری اس وجہ سے ہوئی کہ تقسیم کے ساتھ آبادی کے تبادلہ کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ جس کا بڑا سبب پنجاب اور بنگال کی فرقہ وارانہ تقسیم کا کانگریس نظریہ تھا۔ اگر ان دونوں صوبوں کی تقسیم نہ ہوتی۔ اور یہ کہہ دیا جاتا کہ دونوں آبادیاں ہندوستان کا حصہ رہیں گی اور ہر جگہ کے باشندوں کو یکساں حقوق حاصل ہوں گے

---

[1] علماء حق ۲/۵۸۶-۵۸۷

تو غالباً تبادلہ آبادی کی نوبت نہ آتی اور ملک کی زمین اس بدترین خونی انقلاب سے رنگین نہ ہوتی۔ اس لیے تاریخ کے حوالے سے ہر منصف یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ پنجاب اور دہلی کے قتل عام کی ذمہ داری اگر مسلم لیگ پر ہے کہ اس نے تقسیم کی تحریک چلائی تو کانگریس کا دامن بھی بے شمار انسانوں کے خون سے تربتر ہے جس کی تجویز پر پنجاب اور بنگال کی فرقہ وارانہ تقسیم عمل میں آئی۔ اور تبادلہ آبادی کا رجحان ابھرا۔ یہ تقسیم در تقسیم ہی بظاہر اتنے بڑے پیمانے پر خوں ریزی کا سبب بنی۔ اگر کانگریس اور ہمارے برادران وطن کچھ ایثار سے کام لیتے تو ممکن تھا کہ قتل و بربریت کے اس تلخ و نتائج کا وجود نہ ہوتا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

سوال: ایسے نازک ماحول میں علماء نے کیا خدمات انجام دیں؟

جواب: تقسیم کے بعد مسلم لیگ کے سبھی قائدین مسلمانوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر پاکستان جا چکے تھے۔ اور ہندو فرقہ پرستی کی تلوار سر پر لٹک رہی تھی۔ ایسے ماحول میں جمعیۃ علماء ہند کے قائدین بالخصوص حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، سحبان الہند مولانا احمد سعید، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن نے ہندوستان میں مسلمانوں کو جمائے رکھنے اور ان کی سراسیمگی دور کر کے انھیں عزم و حوصلہ عطا کرنے میں جو عظیم خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ان کے احسانات کا ملت اسلامیہ کبھی حق ادا نہیں کر سکتی۔ بالخصوص حضرت مجاہد ملت نے دہلی کے فسادات کی آگ میں جس طرح نڈر اور بے باک ہو کر کام کیا ہے اس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر عالم اسباب میں دار الحکومت دہلی میں حضرت مجاہد ملت کا وجود باوجود نہ ہوتا تو اس شہر کی مسلم آبادی، اسلامی آثار و شعائر اس طرح کھرچ دیے جاتے کہ جن کا بعد میں نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ حضرت مجاہد ملتؒ نے مسٹر گاندھی اور جواہر لال نہرو سے مل کر دہلی میں مسلمان پناہ گزینوں کی حفاظت اور اُجڑے ہوئے مسلمانوں کی باز آبادکاری کا کام سردار پٹیل جیسے فرقہ پرست وزیر داخلہ کے علی الرغم انجام دیا۔ قتل و غارت گری کو روکنے کے

لیے مسٹر گاندھی نے جو مرن برت رکھا تھا وہ بھی دراصل اکابر جمعیۃ کی مخلصانہ جدوجہد کا ایک مظاہرہ تھا جس نے حکومت کا رُخ بدلنے میں نہایت مؤثر کردار ادا کیا۔ اسی طرح دلی کے اطراف میں میوات کے تقریباً تین لاکھ مسلمانوں کو اپنی جگہ استقامت کے ساتھ جمائے رکھنے میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے بنیادی کردار ادا کیا۔ ورنہ فرقہ پرستوں کا پلان یہ تھا کہ یا تو میواتی مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کیا جائے یا انھیں مرتد بنا لیا جائے۔ حضرت مجاہد ملت کی کوششوں سے یہ شرپسند اپنے منصوبہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسی طرح بزرگان دین کی درگاہوں، درگاہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری، درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور درگاہ سرہند شریف کو واگذار کرانے میں حضرت مجاہد ملتؒ نے زبردست جدوجہد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ آمین[1]

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی پر اثر تاریخی تقریر

سوال: اس موقع پر علماء نے کس طرح عوام کے ڈھارس بندھائی؟ اور انھیں اپنے وطن ہندوستان ہی میں مقیم رہنے پر کیسے آمادہ کیا؟

جواب: علماء کے موقف کا کچھ اندازہ صدر جمعیۃ علماء ہند شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی ایک تاریخی تقریر کے درج ذیل اقتباسات سے لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے آزادی کے بعد قتل وغارتگری کے ماحول میں جامع مسجد دیوبند میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"آج خوف اور بزدلی کا جو عالم ہے اس کے تصور سے بھی شرم آتی ہے، گھروں میں بیٹھے ڈرتے ہو، راستہ چلتے ہوئے ڈرتے ہو، کیا تم اپنے بزرگوں کے جانشین ہو جو اس ملک میں گنی چنی تعداد میں آئے تھے جب یہ ملک دشمنوں سے بھرا ہوا تھا۔ آج تم چار کروڑ کی تعداد میں اس ملک میں موجود ہو۔ یو۔ پی میں تمھاری تعداد ۸۵ لاکھ سے زیادہ ہے۔ پھر تمھارے خوف کا عالم یہ ہے کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے ہو۔ آخر کہاں جا رہے ہو۔ کیا تم نے کوئی ایسی جگہ ڈھونڈ لی ہے، جہاں خدائی گرفت

---

[1] الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر میں تفصیلات دیکھیں

سے بچ سکو گے جہاں تم کو موت نہیں پاسکے گی۔ موت سے بچ کر کہاں جاؤ گے۔"

میرے بھائیو اور عزیزو! موت ڈرنے کی چیز نہیں ہے۔ ایک سچا مسلمان موت سے کبھی نہیں ڈرتا۔ موت کی تمنا کو اسلام نے صداقت کا معیار قرار دیا ہے۔ کفار کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن حکیم نے کہا ہے۔ فتمنوا الموت ان کنتم صادقین (موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو) اگر تمہیں اسلام کی سچائی پر یقین ہے تو موت سے تمہارا یہ خوف بے معنی ہے۔ موت ایک پل ہے جو حبیب کو محبوب تک پہنچا دیتا ہے۔ پھر اسلام کے نام پر جان دے دینا موت نہیں زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو اللہ کے راستے میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ یہ لوگ زندہ ہیں ہمیں ان کی زندگی محسوس نہیں ہوتی۔ اس لیے جبن اور خوف اپنے دل سے نکال دو، اسلام اور جبن ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ صبر و استقلال کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کرو۔ کسی فساد کی ابتداء نہ کرو۔ اگر فسادی تم پر چڑھ آئیں تو تم ان کو سمجھاؤ لیکن اگر وہ نہ مانیں اور کسی طرح باز نہ آئیں۔ تو پھر تم معذور ہو، بہادری کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ اور اس طرح مقابلہ کرو کہ فسادیوں کی چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ تمہاری تعداد خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو مگر قدم پیچھے نہ ہٹاؤ۔ اور اپنی عزت و حرمت کی حفاظت کرتے ہوئے جان دے دو۔ یہ عزت و شجاعت کی موت ہوگی۔ اس ملک کو تم نے اپنے خون سے سینچا ہے۔ آئندہ بھی اس کو اپنے خون سے سینچنے کا عزم رکھو۔ یہی ملک کی حقیقی وفاداری ہے۔ اس ملک پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کسی دوسرے باشندے کا۔ اور اس کی خدمت کی ذمہ داری تم پر بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح کسی دوسرے شخص پر عائد ہوتی ہے۔ الخ[1]

بندھے ہوئے بستر کھل گئے

سوال: مغربی یوپی میں آج مسلمانوں کی کثیر آبادی کا وجود کن اکابر کی استقامت کا ثمرہ ہے؟

جواب: آج یوپی کے مغربی علاقوں میں جو مسلمان موجود ہیں اور مساجد مدارس آباد

---

[1] الجمعیۃ "جمعیۃ علماء نمبر" ص ۱۱۸

ہیں ان کا وجود اکابر ثلاثہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، عارف باللہ حضرت اقدس مولانا عبد القادر رائے پوری اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کی بے مثال استقامت کا ثمرہ ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے کہ حضرت مدنی اور حضرت رائے پوریؒ سہارنپور میں حضرت شیخ کے مکان پر جمع ہوئے اور تنہائی میں مشورہ ہوا۔ اس وقت مغربی یوپی کے ہزاروں مسلمان سہارنپور کے کیمپوں میں پڑے ہوئے پاکستان جانے انتظار کررہے تھے۔ اوران کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ حضرت رائے پوریؒ نے مجلس میں پاکستان جانے کے فوائد بیان فرمائے۔ مگر حضرت مدنیؒ نے پوری جرأت سے فرمایا کہ اگرچہ میرا وطن مدینہ ہے اور محمود (حضرت کے چھوٹے بھائی) وہاں بلانے پر اصرار کررہا ہے مگر ہندوستانی مسلمانوں کو اس بے سروسامان اور دہشت اور قتل وغارت گری میں چھوڑ کر میں نہیں جاسکتا۔ اور جسے اپنی جان ومال، عزت وآبرو دین اور دنیا یہاں کے مسلمانوں پر نثار کرنی ہے وہ یہاں ٹھہرے اور جس کو تحمل نہ ہو وہ ضرور چلا جائے[1]

حضرت مدنی کے اس ارشاد پر حضرت شیخ الحدیث اور حضرت رائے پوریؒ دونوں نے بھی ہندوستان ہی میں رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور اکابر ثلاثہ کے اس فیصلے کی خبر پھیلتے ہی ہزاروں مسلمان اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ اور بندھے ہوئے بستر کھل گئے۔ آج ان علاقوں کی دینی رونق انھیں حضرات کے تاریخ ساز فیصلے کا اثر ہے۔

مولانا آزاد کا پیغام

سوال: اس موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا پیغام دیا؟

جواب: مولانا آزاد نے ۲۳ اکتوبر ۴۷ء کو جامع مسجد دہلی میں ہزارہا ہزار مسلمانوں کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"میں نے تمھیں ہمیشہ کہا اور آج بھی کہہ رہا ہوں کہ تذبذب کا راستہ چھوڑ دو، شک سے ہاتھ اٹھالو اور بدعملی کو ترک کردو۔ یہ تین دھار والے خنجر لوہے کی اس دودھاری

---

[1] آپ بیتی، جلد ۵، ص ۱۳۲

تلوار سے زیادہ کاری ہے جس کے وار کی کہانیاں میں نے تمھارے نوجوانوں کی زبانی سنی ہیں۔ یہ فرار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کی ہے اس پر بھی غور کرلو، تمھیں محسوس ہوگا کہ یہ غلط ہے۔ اپنے اصول کو مضبوط بناؤ اپنے دماغ کو سوچنے کی عادت ڈالو اور پھر دیکھو کہ تمھارے فیصلے کتنے عاجلانہ ہیں۔ آخر کہاں جارہے ہو، اور کیوں جارہے ہو، یہ مسجد کے مینار تم سے جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کردیا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمھارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ تمھیں یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ دہلی تمھارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔

عزیزو! اپنے اندر بنیادی تبدیلی پیدا کرو۔ جس طرح آج سے کچھ عرصہ پہلے تمھارا جوش خروش بیجا تھا، اسی طرح آج تمھارا خوف و ہراس بیجا ہے۔ بزدلی اور مسلمان ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ سچے مسلمان کو نہ کوئی طمع ہلا سکتی ہے۔ نہ کوئی خوف ہلا سکتا ہے۔ الخ[1]

جمہوری ہندوستان کی تعمیر میں علماء کا کردار

سوال: تقسیم ملک کے بعد علماء نے اپنی توجہات کس جانب مرکوز فرمائیں؟

جواب: آزادی کے بعد علماء بالخصوص مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ نے (جو دونوں ہندوستان کی دستور ساز کونسل کے رکن رکین تھے) اول اس جانب توجہ کی کہ نئے ہندوستان کا دستور ایسا بنے جس میں یہاں کے ہر باشندے کو یکساں حیثیت ملے اور مکمل مذہبی آزادی عطا کی جائے۔ چنانچہ اس میں کامیابی ملی اور کانگریس میں علماء کے اثر و رسوخ سے یہ بڑا فائدہ مسلمانوں کو پہنچا کہ پاکستان بن جانے کے باوجود دستوری اعتبار سے ان کے حقوق میں کمی نہیں کی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ عملی اعتبار سے بہت سی ناانصافیاں ہوئیں۔ اور ہو رہی ہیں۔ لیکن ان ناانصافیوں پر مسلمانوں کو شکایت کا حق اسی دستوری آزادی کی وجہ سے ہے جس کی تیاری میں علماء کا زبردست کردار ہے۔ یہ دستوری استحقاق علماء کی ایسی عظیم الشان خدمت ہے،

---

[1] الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر ص ۱۲۰

جس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس کے بعد علماء نے فرقہ وارانہ سیاست سے سبکدوش ہوتے ہوئے اپنے آپ کو پارلیمانی انتخابی سیاست سے من حیث الجماعۃ علیحدہ کر لیا۔ البتہ انفرادی اعتبار سے قومی سیاست میں سرگرم رہنے کے دروازے کھلے رکھے۔ تاکہ مسلم فرقہ پرستی اور اس کے جواب میں ہندو فرقہ پرستی کے لیے فضا سازگار نہ ہو سکے۔ یہ فیصلہ آزادی کے فوراً بعد نومبر ۴۷ء میں لکھنؤ میں منعقد ہونے والے ایک عظیم الشان مسلم کنونشن میں کیا گیا۔ جو آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا اجتماع تھا جس نے ہندوستانی مسلمانوں کو عزم و حوصلہ کے ساتھ ہندوستان میں رہنے کا سلیقہ عطا کیا۔ اور انھیں پوری ہمت کے ساتھ تعمیر ملک وملت کے راستہ پر لگانے کی تلقین کی۔ الحمد للہ آج بھی علماء اور ان کی جماعت "جمعیۃ علماء" اسی راہ عمل پر قائم ہے۔ جو اس نے آزادی کے بعد اپنے لیے متعین کر لی تھی۔ بڑے بڑے ناسازگار جذباتی حالات بھی علماء کی قیادت پر اعتماد کیا ہے ان کے لئے بھلائی اور خیر کے راستے سامنے آئے ہیں اور جب بھی علماء کو ان کے مضبوط موقف سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں مسلمانوں نے جب بھی علماء کو چھوڑ کر دین سے بے بہرہ لیڈروں کا دامن تھاما ہے انھیں دشواریوں اور ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ ماضی اور حال کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی خدمات قبول فرمائے۔ اور ان کی قدر کی توفیق ارزانی فرمائے۔

کتب مراجع و مصادر

نمبر	کتاب		مصنف
۱۔	نقش حیات		شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
۲۔	سفر نامہ اسیر مالٹا		شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
۳۔	علماء ہند کا شاندار ماضی (اوّل تا چہارم)		مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ
۴۔	علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے		مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ
۵۔	تحریک شیخ الہند		مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ
۶۔	اسیران مالٹا		مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ
۷۔	مسلم علماء کا کردار		مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ
۸۔	جمعیۃ علماء کیا ہے؟		مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ
۹۔	سیرت سید احمد شہیدؒ (اوّل دوم)		مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ
۱۰۔	سرگذشت مجاہدین		مولانا غلام رسول مہر
۱۱۔	موج کوثر		شیخ محمد اکرام
۱۲۔	تحریک خلافت		قاضی عدیل عباسی
۱۳۔	انڈیا ونس فریڈم		مولانا ابوالکلام آزاد
۱۴۔	ید بیضا (سوانح مولانا دین پوریؒ)		حامی عبیدی
۱۵۔	شیخ الاسلام ایک سیاسی مطالعہ		ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری
۱۶۔	تحریکات ملی	مرتبہ:	ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری
۱۷۔	رئیس الاحرار		مولانا عزیز الرحمٰن لدھیانوی
۱۸۔	کاروان احرار		جانباز مرزا
۱۹۔	مولانا آزاد ایک سیاسی ڈائری		اثر بن یحییٰ انصاری
۲۰۔	مقام محمود		مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی
۲۱۔	آپ بیتی		شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
۲۲۔	تاریخ جمعیۃ علماء ہند		مولانا اسیر ادروی
۲۳۔	تحریک آزادی اور مسلمان		مولانا اسیر ادروی
۲۴۔	سیرت سلطان ٹیپو شہید		مولانا محمد الیاس ندوی
۲۵۔	جمعیۃ علماء ہند پر ایک تاریخی تبصرہ		مولانا حفیظ الرحمٰن واصف
۲۶۔	مسلمان مجاہدین		سیوارام گپت
۲۷۔	الرشید دارالعلوم نمبر	مرتب:	مولانا عبدالرشید ارشد
۲۸۔	الجمعیۃ مفتی اعظم نمبر	مدیر:	محمد عثمان فارقلیط
۲۹۔	الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر	مدیر:	محمد عثمان فارقلیط
۳۰۔	الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر	مرتب:	مولانا محمد سالم جامعی

۳۱۔ سہ روزہ الجمعیۃ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۲ء کی فائلیں

تعارف شخصیات

کتاب میں مذکور شخصیات کے حالات وخدمات کا

اجمالی خاکہ

عزیز محترم مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری ادام اللہ اقبالہ کی شدید خواہش واصرار پر کتاب میں مذکور شخصیات کے تعارف کے لئے اجمالی سوانحی خاکہ کتابوں اور رسائل سے تلاش کر کے مرتب کردیا ہے اور تفصیلی حالات وخدمات سے واقفیت کے لئے مآخذ کی رہنمائی کردی گئی ہے۔ ان سوانحی خاکوں میں ترتیب وہی قائم کی گئی ہے جو کتاب میں ہے۔ بعض شخصیات کے حالات تک کوشش کے باوجود رسائی نہ ہوسکی۔

مولائے کریم اکابر واسلاف کے سلسلہ میں یہ حقیر کوشش قبول فرمائے، آمین۔

معز الدین احمد غفرلہ

۱۶؍رجب ۱۴۲۱ھ

سلطان اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۱۸ء-۱۷۰۷ء)

سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر عہدِ مغلیہ کا چھٹا اور اشوک کے بعد ہندوستان کا سب سے بڑا فرمانروا تھا۔ شاہجہان کا یہ جلیل القدر فرزند ممتاز محل بنت آصف خان کے بطن سے ۱۵/ذی قعدہ ۱۰۲۷ھ (۲۴/اکتوبر ۱۶۱۸ء) کو دو حد گجرات میں پیدا ہوا۔ میر محمد ہاشم گیلانی، مولانا سید محمد قنوجیؒ اور ملا جیون امیٹھویؒ وغیرہ سے جملہ علوم و فنون کی تحصیل کی۔ عربی فارسی، ترکی اور ہندی زبانوں میں پوری مہارت تھی۔ اسی کے ساتھ فنونِ حربیہ، ملکی آئین، طریقِ جہانبانی اور دستورِ فرماں روائی کا بہترین سلیقہ تھا۔ ۳۴/سال کی عمر میں حفظ کلام اللہ کی سعادت حاصل کی۔ خواجہ محمد سعید خلف رشید مجدد الف ثانیؒ اور شیخ سیف الدین نبیرۂ مجدد صاحبؒ سے روحانی کمالات کا اکتساب کیا۔ یہ وہ فرمانروا ہے جس نے پچاس سالہ حکمرانی کا دور انتہائی زہد و قناعت کے ساتھ گذارا۔ اسی کے ساتھ حدودِ سلطنت کو بے نظیر وسعت بخشی۔ انگریزی مورخین تک نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں اتنی طویل و عریض حکومت اس سے پہلے کبھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ صرف اٹھارہ سال کی عمر تھی ۱۶۱۸ء میں دکن کا گورنر ہوا پھر گجرات، سندھ، ملتان وغیرہ کا صوبہ دار و گورنر ہوتا رہا۔ ۱۶۵۸ء میں دہلی کے تخت پر متمکن ہوا۔ پچاس سال کامیاب حکمران رہ کر ۲۸/ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ (۳/مارچ ۱۷۰۷ء) کو مولائے حقیقی سے جاملا۔ تجہیز و تکفین اس رقم سے کی گئی جو اس نے ٹوپیوں کی سلائی سے حاصل کرکے جمع کر رکھی تھی۔ آپ کے عہدِ حکومت کا ایک عظیم علمی کارنامہ "فتاویٰ ہندیہ" کی ترتیب و تدوین ہے جس پر اس زمانہ میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے تھے۔ (تفصیل کے لیے مطالعہ کریں۔ علماء ہند کا شاندار ماضی جلد اول ۳۶۹ تا ۵۷۴)

نواب سراج الدولہ (۱۷۳۶ء-۱۷۵۷ء)

نواب سراج الدولہ بنگال کا وہ جانباز سپوت ہے جس نے سب سے پہلے فرنگی فوجوں سے معرکہ آرائی کی۔ اس کا نام مرزا محمد پسر زین الدین خان تھا۔ نواب علی وردی خاں (جو ایک ترک فوجی تھا ۱۷۲۰ء میں ہندوستان آیا، شاہ عالم کی فوج میں شامل ہوا اور جلد ہی اپنی صلاحیت اور قابلیت سے ترقی کر کے "مہابت جنگ" کا خطاب حاصل کیا اور ۱۷۴۰ء میں بنگال کا نواب بن گیا) کا نواسہ تھا۔ ۹ر رجب ۱۱۶۹ھ (۱۰ر اپریل ۱۷۵۶ء) کو نواب علی وردی خان کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد ۲۰ رسالہ نواسہ سراج الدولہ تخت نشیں ہوا۔ اس کو انگریزوں سے شدید نفرت تھی۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے قلعہ اور فیکٹری کو قبضہ میں کر لیا اور کلکتہ میں انگریزوں کے لیے زمین تنگ کر دی۔ ۲۳ر جون ۱۷۵۷ء کو پلاسی کے میدان میں معرکہ آرائی ہوئی۔ میر جعفر جیسے غداروں کی بدولت شکست سے دو چار ہو کر راہِ فرار اختیار کی۔ انگریزوں نے بعض غداروں کی مدد سے گرفتار کر لیا اور ۲ر جولائی ۱۷۵۷ء کو بر سرِ عام قتل کر دیا۔ (تفصیل کے لیے مطالعہ کریں "سیر المتاخرین" مصنفہ غلام حسین طباطبائی)

سلطان ٹیپو شہیدؒ (۱۷۵۰ء-۱۷۹۹ء)

سلطان ٹیپو شہیدؒ تحریکِ آزادیٔ ہند کا وہ عظیم مجاہد ہے جس کی بہادری اور اولوالعزمی ضرب المثل ہے۔ اصل نام فتح علی خاں تھا۔ بانیٔ سلطنت میسور حیدر علی خان کا فرزند تھا۔ ۲۰ر ذی الحجہ ۱۱۶۳ھ (۱۰ر نومبر ۱۷۵۰ء) کو دیون ہلی (کولار) میں پیدا ہوا۔ متداول تعلیم کے ساتھ فنونِ سپہ گری و امورِ جہانبانی میں مہارت حاصل کی۔ ۷ر دسمبر ۱۷۸۲ء کو حیدر علی کے انتقال کے بعد تخت نشیں ہوا، اور فرنگی طاقت سے نبرد آزمائی شروع کر دی۔ کبھی انگریزوں کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا۔ اور لڑتے لڑتے ۴ر مئی ۱۷۹۹ء کو سری رنگاپٹنم کے میدان میں شہید ہو گیا۔ اس عظیم مجاہد کی خون آلود لاش کو دیکھ کر لارڈ ہارس نے راحت کی سانس لی اور کہا کہ "آج ہندوستان ہمارا

ہو گیا۔" (تفصیلی حالات کے لئے مطالعہ کریں "سلطنت خداداد میسور" مرتبہ: محمود خان بنگلوری "سیرت سلطان ٹیپو شہید" مرتبہ: مولانا محمد الیاس ندوی ودیگر کتب)

حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۷۰۳ء-۱۷۶۲ء)

امام شاہ ولی اللہ اسلامی ہند کے اس مایہ ناز جلیل القدر فاضل، عظیم محدث، بے مثال مفکر اور انقلاب آفریں مصلح کا نام ہے جس کے تذکرہ کے بغیر ہندوستان کی کوئی علمی، دینی اور تجدید و دعوت کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پورے برصغیر میں اسی آفتاب عالمتاب کی روشنی پھیلی ہوئی ہے اور اسی خانوادۂ فضل و کمال کا فیض جاری ہے۔

۴؍ شوال ۱۱۱۴ھ (۲۱؍ فروری ۱۷۰۳ء) کو پھلت ضلع مظفر نگر میں ولادت باسعادت ہوئی۔ والد محترم شاہ عبد الرحیمؒ (جو عہدِ عالمگیری کے نامور عالم تھے) سے اکتساب علوم و فنون کیا۔ ۴۴-۱۱۴۳ھ میں سفر حج کے موقع پر چودہ ماہ حرمین شریفین میں قیام رہا۔ وہاں کے اساطین فضل و کمال سے اکتساب فیض کیا۔ پھر ہندوستان آکر تجدید و اصلاح امت، اشاعتِ کتاب و سنت اور علمِ حدیث کے فروغ کا عدیم النظیر کارنامہ انجام دیا۔

۲۹؍ محرم ۱۱۷۶ھ (۲۱؍ اگست ۱۷۶۲ء) کو دہلی میں یہ آفتاب فضل و کمال غروب ہو گیا۔ "او بود امام اعظم دیں" تاریخِ وفات ہے۔ شاہ عبد العزیز (۱۷۴۶ء-۱۸۲۴ء) شاہ رفیع الدین، (۱۷۵۰ء-۱۸۱۸ء)، شاہ عبد القادر (۱۷۵۳ء-۱۸۱۵ء)، شاہ عبد الغنی (۱۷۵۷ء-۱۷۸۹ء) آپ کے باکمال فرزند تھے جنھوں نے اشاعتِ کتاب و سنت کا لازوال کارنامہ انجام دیا۔ ان کے علاوہ دو سو کے قریب وقیع تصانیف آپ کی علمی یادگار ہیں۔ (تفصیلی حالات کے لیے مطالعہ کریں: "تاریخ دعوت و عزیمت" مصنفہ مولانا ابو الحسن علی ندویؒ جلد پنجم "الامام شاہ ولی اللہ دہلوی" مرتبہ مولانا عبد القیوم مظاہری۔ "تذکرہ شاہ ولی اللہ" از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔ "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" از مولانا عبید اللہ سندھی)

سراج الہند شاہ عبد العزیز (۱۷۴۶-۱۸۲۴ء)

آپ حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ محدثؒ کے جلیل القدر فرزند، اپنے زمانہ کے اہل علم کے سرتاج اور تحریکِ اصلاح و جہاد کے بانی و سرپرست تھے۔ ۲۵ر رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ (۳۰ر ستمبر ۱۷۴۶ء) کو پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "غلام حلیم" تھا۔ "عظیم المرتبت والد، شاہ محمد عاشق پھلتی، شاہ نور اللہ بڈھانویؒ اور خواجہ محمد امین کشمیریؒ جیسے اساطین علم سے پندرہ سال کی عمر میں جملہ علوم وفنون حاصل کر لیا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سولہ برس کی عمر تھی کہ والد گرامی کا وصال ہوگیا۔ آپ ان کے جانشین منتخب ہوئے اور ان کے تجدیدی کارناموں کی تکمیل کی۔

زندگی کے تمام شعبوں میں آپ کی خدمات بے نظیر اور کارنامے عدیم المثال ہیں۔ اشاعت و تبلیغ قرآن، ترویج و اشاعت حدیث، رفض و تشیع کی سرکوبی، تحریکِ جہاد کا احیاء، جدو جہدِ آزادی کا آغاز، آپ کے کارناموں کے جلی عنوانات ہیں۔

۷ر شوال ۱۲۳۹ھ (۶ر مئی ۱۸۲۴ء) کو یہ آفتابِ علم و عرفان غروب ہوکر مہندیاں، دہلی میں قیامت تک کے لیے روپوش ہوگیا۔ آپ کے تلامذہ کا حلقہ اتنا وسیع تھا کہ ہندوستان میں کوئی ایسا علمی حلقہ نہیں تھا جس کا تعلق آپ کے علمی مرکز سے نہ ہو۔ مولانا سندھیؒ نے لکھا ہے کہ ایک عالم نے صرف اس لیے سیاحت کی کہ اسے علم حدیث کا کوئی ایسا استاذ ملے جو امام عبد العزیز کا شاگرد نہ ہو، مگر ہند میں اسے ایک مدرس بھی ایسا نہ ملا۔ (سیاسی تحریک، ص ۱۱۸) (تفصیل کے لیے دیکھیں: تاریخ دعوت و عزیمت، جلد پنجم، تذکرہ شاہ عبد العزیز دہلویؒ از مفتی نسیم احمد فریدیؒ، حیات عزیزی مصنفہ رحیم بخش۔ شاہ عبد العزیز اور ان کی علمی خدمات، از ثریا ڈار)

مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر (متوفی ۱۸۱۱ء)

اٹھارویں صدی کا بڑا جنگ آزما اور سورما رئیس والی ریاست اندور ملکوجی راؤ کا

بیٹا اور بانی ریاست ملہار راؤ ہلکر کا پوتا تھا۔ ۱۲۱۳ھ میں نواب امیر خان سے ملاقات ہوئی۔ دونوں نے مل کر بہت سی مہمات میں کامیابی حاصل کی۔ دونوں کے اقبال نے ترقی کی۔ جسونت راؤ نے ۱۱ر نومبر ۱۸۱۱ء کو انتقال کیا۔ (تاریخ حریت اسلام، ص ۵۶۳، از محمد الدین فوق)

نواب امیر خان (۱۷۶۸ء-۱۸۳۴ء)

نواب امیر خان ریاست ٹونک کا بانی اور فرمانروا تھا۔ والد کا نام محمد حیات خان اور دادا کا نام طالع محمد خان تھا جو مغل بادشاہ محمد شاہ کے دور میں سرحد سے روہیل کھنڈ کے علاقہ میں آیا۔ امیر خان ۱۱۸۲ھ (۱۷۶۸ء) میں سنبھل ضلع مراد آباد میں پیدا ہوا۔ بے باک، نڈر اور بہادر تھا۔ مرہٹہ سردار جسونت راؤ ہلکر سے مل کر بہت سی مہمات میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۸۱۷ء تک انگریزوں کا مخالف رہا۔ متعدد بار مقابلے کیے مگر مجبور ہو کر ۶ر جنوری ۱۸۱۸ء کو انگریزوں کے ساتھ ایک صلح نامہ پر دستخط کر دیا اسی عہد نامہ نے اس کو ریاست ٹونک کا بانی قرار دیا۔ اس صلح سے پہلے سیّد احمد شہیدؒ سات سال آپ کے لشکر میں رہے۔ ۳ر ستمبر ۱۸۳۴ء کو وفات پائی۔ (تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں "نواب امیر خان" مصنفہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی)

سیّد احمد شہید رائے بریلیؒ (۱۷۸۶ء-۱۸۳۱ء)

سیّد احمد بن سیّد محمد عرفان وہ عظیم مصلح اور مجاہد ہے جس نے ظلمت کدۂ ہند کو روحِ جہاد سے آشنا کیا۔ علمِ جہاد بلند کیا۔ ملک کے طول و عرض میں ایسا دینی انقلاب برپا کیا جس کی نظیر صدیوں کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق چالیس ہزار سے زیادہ غیر مسلم آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

۶ر صفر ۱۲۰۱ھ (۲۸ر نومبر ۱۷۸۶ء) کو تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی کے مشہور

حسنی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ شوقِ جہاد، ذوقِ عبادت اور جذبۂ خدمتِ خلق آپ کے فطری اوصاف تھے۔ تعلیم کی طرف ابتداء میں طبیعت کا میلان نہ تھا۔ عنفوانِ شباب میں دہلی پہنچ کر خانوادۂ ولی اللہ میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے۔ سات سال امیر خاں والی ریاست ٹونک کے لشکر میں رہ کر فنونِ سپہ گری میں مہارت پیدا کی اور جہاد کی تربیت حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی آکر بیعت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحئیؒ جیسے عبقری علماء حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ اس کے بعد دوآبہ کا اصلاحی دورہ کیا۔ ۱۸۲۲ء میں آٹھ سو رفقاء کے ساتھ سفرِ حج کیا۔ ۱۷؍جنوری ۱۸۲۶ء کو پانچ سو سربکف مجاہدین کے ساتھ سفرِ جہاد شروع کیا۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مجاہدین کے قافلے پہنچتے رہے۔ ایک موقع پر یہ تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ متعدد معرکے ہوئے جس میں اسلام کے جانباز سپوتوں نے اسلام کے جوہر دکھائے۔ آخر ۲۴؍ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ (۶؍مئی ۱۸۳۱ء) کو تین سو رفقاء سمیت بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ (تفصیلی حالات کے لیے مطالعہ کریں: "سیّد احمد شہید" مؤلفہ غلام رسول مہر، "سیرت سیّد احمد شہیدؒ" مؤلفہ مولانا سیّد ابوالحسن علی میاں ندویؒ)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ (۱۷۷۹ء-۱۸۳۱ء)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی خانوادۂ ولی اللّٰہی کے بطلِ جلیل، جید عالم اور سیّد احمد شہیدؒ کی تحریکِ اصلاح و جہاد کے بنیادی رُکن تھے۔ شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ فرزند شاہ ولی اللہؒ کے گھر ۱۲؍ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ (۱۷۷۹ء) کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والدِ گرامی قدر سے حاصل کی۔ ان کی وفات (۱۶؍رجب ۱۲۰۳ھ) کے بعد شاہ عبدالقادرؒ نے تعلیم و تربیت فرمائی۔ شاہ عبدالعزیزؒ سے سندِ حدیث حاصل کی پھر سیّد احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر زندگی بھر کے لیے ان کے دامن

سے وابستہ ہو گئے۔ تمام سفروں میں ساتھ رہے۔ آپ ہی کے ساتھ ۲۴ر ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ (۶رمئی ۱۸۳۱ء) کو بالاکوٹ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ ایک صاحبزادہ شاہ محمد عمرؒ (متوفی ۱۲۶۸ھ) اور متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیں: "تذکرہ شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ" مرتبہ مفتی نسیم احمد فریدی "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان" مولفہ محمود احمد برکاتی، "جماعت مجاہدین" غلام رسول مہر)

شیخ الاسلام مولانا عبدالحئی صدیقی بڈھانویؒ (۱۷۷۶ء-۱۸۲۸ء)

آپ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نامور شاگرد اور عزیز داماد تھے۔ ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ء) کے قریب بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز رحمہا اللہ کے حلقہ درس میں شامل ہو کر تمام علوم و فنون بالخصوص حدیث، تفسیر اور فقہ میں ملکۂ کمال حاصل کیا۔ سیّد احمد شہیدؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر زندگی بھر کے لیے ان کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ ان کی تحریک اصلاح و جہاد میں اعلیٰ مشیر کی حیثیت سے ساتھ رہے۔ جب علاقہ سرحد میں حکومت کا قیام عمل میں آیا تو آپ حکومت کے مشیرِ اعلیٰ اور عدالت عالیہ کے جج قرار پائے۔

واقعہ بالاکوٹ سے تین سال قبل مقام خیبر (سوات) میں ۸ر شعبان ۱۲۴۳ھ (۲۴ر فروری ۱۸۲۸ء) کی شب میں "اللہ رفیق الاعلیٰ، اللہ رفیق الاعلیٰ" کہتے ہوئے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ سیّد صاحبؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی جس میں اہلِ خیبر کے علاوہ تقریباً سات سو مجاہدین شریک تھے۔ آپ کے اکلوتے فرزند مولانا عبدالقیوم محدث بھوپالی (متوفی ۱۲۹۹ھ) تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: "جماعت مجاہدین، ص ۱۱۱-۱۱۸، علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۲، ص ۱۶۸-۱۷۰، تاریخ دعوت و عزیمت، ج ۵، ص ۲۷۷-۲۷۸)

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ (۱۷۰۲-۱۷۹۳ء)

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نجد کے مشہور عالم تھے۔ ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ء) میں عیینہ علاقہ جنوبی نجد میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد سے فقہ حدیث اور قرآن کی تعلیم

حاصل کی۔ ۱۱۳۵ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ وہاں شیخ عبداللہ بن ابراہیم بن سیف سے اکتساب فیض کیا۔ پھر دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ نجد کا امیر محمد بن سعود ان کا مرید اور ان کی اصلاحی تحریک کا ہمنوا بلکہ دست راست بن گیا۔ ان کی دعوت میں کچھ شدت تھی اور قدرے جادۂ اعتدال سے ہٹی ہوئی تھی۔ ۱۲۰۶ھ (۱۷۹۲ء) میں انتقال ہوا۔ (ماخوذ "علمائے ہند کا شاندار ماضی" ج ۲، ص ۲۲۶ تا ۲۳۵)

شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ (۱۷۸۲ء۔۱۸۴۶ء)

شاہ محمد اسحٰقؒ بن شاہ محمد افضل فاروقیؒ اپنے عہد کے یگانۂ آفاق محدث، بلندپایہ عالم، خانوادۂ ولی اللّٰہی کے چشم و چراغ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسے اور ان کی مسند کے جانشین اور تحریکِ جہاد کے سرپرست تھے۔

۸ ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ (۱۴ نومبر ۱۷۸۲ء) کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے خالو مولانا عبدالحیؒ بڈھانوی سے پڑھیں۔ بقیہ درسیات کی تکمیل شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ سے کی۔ سند حدیث مسند الہند شاہ عبدالعزیزؒ سے حاصل کی۔ ۱۲۱۹ھ میں تمام ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ ہو کر درس و تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۲۵۸ھ تک مدرسہ رحیمیہ کے مسند تدریس پر رونق افروز رہے۔ ہزارہا تلامذہ نے آپ کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کی۔ آپ ہی کا سلسلہ سند حدیث ہند و پاک میں جاری ہے۔ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں پورے گھرانے کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت فرمائی۔ وہاں تین سال آٹھ ماہ قیام کے بعد ۲۷ رجب ۱۲۶۲ھ (۲۰ جولائی ۱۸۴۶ء) کو بحالت صوم وصال فرمایا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیں: "حیات شاہ محمد اسحٰق" مرتبہ: محمود احمد برکاتی)

شاہ محمد یعقوب دہلویؒ (۱۲۰۰ھ-۱۲۸۲ھ)

شاہ محمد یعقوب بن شاہ محمد افضل فاروقی حضرت شاہ عبدالعزیز کے قابل فخر نواسہ اور شاہ محمد اسحٰقؒ کے چھوٹے بھائی اور تمام امور میں ان کے رفیق و مددگار تھے۔

۲۸ رذی الحجہ ۱۲۰۰ھ (۲۲/ اکتوبر ۱۷۸۶ء) کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ رفیع الدینؒ نے تعلیم و تربیت فرمائی۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے سند حدیث عطا فرمائی۔ فراغت کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) تک سلسلہ درس جاری رہا۔ بعد ازاں بڑے بھائی کے ہمراہ مکہ معظمہ ہجرت فرمائی۔ ۲۴ برس جوار بیت اللہ میں قیام رہا اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ ۲۸/ ذیقعدہ ۱۲۸۲ھ کو وصال فرمایا۔ جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیں: "حیات شاہ محمد اسحٰق" ص ۸۱-۸۲، شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، ص ۱۱۷-۱۲۴)

مہاراجہ رنجیت سنگھ (۱۷۸۰-۱۸۳۹ء)

رنجیت سنگھ ولد سردار مہن سنگھ ۲/ نومبر ۱۷۸۰ء کو پیدا ہوا۔ ۱۷۹۹ء میں شاہ زمان ابن تیمور شاہ والیٔ افغانستان کی مدد سے لاہور کا حکمراں ہوا۔ ۱۸۰۲ء میں امرتسر پر قبضہ کیا۔ ۱۸۰۹ء میں ملتان کو لوٹا۔ اس کے زمانہ میں سکھوں کی طاقت عروج پر پہنچ گئی تھی۔ ۲۷/ جون ۱۸۳۹ء کو مرا۔ (ماخوذ تاریخ سندھ، ج ۲، ص ۱۴۲، مرتبہ اعجاز الحق قدوسی)

مولانا سیّد محمد علی رام پوری (متوفی ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء)

مولانا سیّد محمد علی بن عنایت علی بن فضل علی حسینی نقوی مولانا حیدر علی رام پوری کے چھوٹے بھائی سیّد احمد شہیدؒ کے ممتاز خلیفہ تحریک جہاد کے عظیم داعی و مبلغ تھے۔ دہلی میں پیدائش اور نشو و نما ہوئی۔ بچپن میں رام پور منتقل ہو گئے۔ وہاں کے اساتذہ کی خدمت میں رہ کر علم و فن میں کمال پیدا کیا۔ آپ کا علمی رتبہ بہت بلند تھا۔ سیّد صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ میں مجاہدین کا ایک قافلہ لے کر سرحد پہنچے۔ کارزار جہاد میں شریک رہے۔ ۴۴-۱۲۴۵ھ میں سیّد صاحب کے حکم سے تبلیغ جہاد کے لیے اولاً حیدر آباد پھر مدراس گئے۔ وہاں آپ کے وعظ و نصیحت

سے زبردست دینی انقلاب برپا ہوا۔ ہزاروں لوگ راہِ راست پر آگئے۔ غیر شرعی رسوم و اعمال کا خاتمہ ہو گیا۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی تہجد گذار ہوگئیں۔ بڑے بڑے امراء و رؤسا حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔ حادثۂ بالاکوٹ کے بعد رام پور آگئے۔ ۱۲۵۱ھ میں دوبارہ مدراس کا دورہ کیا۔ اس کے بعد حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں الہ آباد میں وفات ہوئی۔ ہندوپاک کے مشہور شاعر بسمل سعیدی آپ کے پڑپوتے تھے۔ (جماعت مجاہدین، ص ۱۸۲-۱۸۵، تذکرہ کاملان رام پور، ص ۲۶۱)

مولانا ولایت علی عظیم آبادی (۱۷۹۰ء-۱۸۵۲ء)

مولانا ولایت علی بن مولوی فتح علی عظیم آبادی سیّد احمد شہیدؒ کے نامور خلیفہ تحریکِ اصلاح جہاد کے بلند پایہ رکن اور مجاہدین صادق پور کے سرخیل و پیشوا تھے۔

مولانا ولایت علیؒ کی ولادت ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰ء) میں عظیم آباد (پٹنہ) کے ایک معزز اور ذی وجاہت خاندان میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی پھر مولانا محمد رمضان پٹنہ اور مولانا محمد اشرف لکھنوی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ سیّد صاحبؒ سے بیعت ہو کر ایسے وابستہ ہوئے کہ ان کی تحریک کے اساس و اثاثہ قرار پائے۔ ۲۲ر محرم ۱۲۶۹ھ (۵ر نومبر ۱۸۵۲ء) کو یاغستان میں انتقال ہوا۔ استھانہ میں مدفون ہوئے۔ "دخل خلد" (۱۲۶۹ھ) تاریخ وفات ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: سرگذشت مجاہدین۔ غلام رسول مہر، علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد سوم، اور تذکرہ صادقہ، مؤلفہ مولانا عبدالرحیم)

مولانا عنایت علی عظیم آبادی (۱۷۹۳ء-۱۸۵۸ء)

مولانا عنایت علی ولد مولوی فتح علی سیّد احمد شہیدؒ کے ممتاز خلیفہ، داعی الی اللہ اور اس عظیم خانوادہ کے سپوت تھے جس کا ہر فرد تحریکِ جہاد کا سرمست و سرگرم کارکن

تھا۔ آپ کی ولادت عظیم آباد کے زبیری خانوادہ میں ۱۲۰۷ھ (۹۳-۱۷۹۲ء) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد بزرگوار اور خاندان کے دوسرے اساتذہ سے حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم مولانا سیّد مسافر تلمیذ شاہ عبد العزیزؒ کی خدمت میں رہ کر حاصل کی۔ سیّد صاحبؒ سفرِ حج سے واپسی پر جب پٹنہ فروکش ہوئے اس وقت آپ حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ بیعت کے بعد سے وفات تک آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ جہاد مسلسل اور سعیِ پیہم سے عبارت ہے۔ بہار و بنگال میں تنظیم جہاد اور تبلیغ کا مثالی کارنامہ انجام دیا۔ بڑے بھائی مولانا ولایت علیؒ کے بعد تحریک کے امیر ہوئے اور اس منصب پر فائز رہ کر ۱۸۵۸ء تک عزم و جواں مردی کی مثال قائم کی۔ ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۸ء) کے آخر میں سفرِ آخرت اختیار فرمایا۔ (تفصیل کے لیے سرگزشت مجاہدین، علماء ہند کا شاندار ماضی اور تذکرہ صادقہ مصنفہ مولانا عبد الرحیم صادق پوری کا مطالعہ کریں)

مولانا محمد قاسم پانی پتیؒ

مولانا محمد قاسم پانی پتیؒ بڑے مخلص اور مجاہد تھے۔ سیّد احمد شہیدؒ کی تحریکِ جہاد کے اہم ارکان میں تھے۔ کارزارِ جہاد میں شریک تھے۔ سرحد سے سیّد صاحبؒ نے جن لوگوں کو اطرافِ ملک میں تبلیغ جہاد کے لیے بھیجا تھا۔ ان میں آپ بھی تھے۔ آپ کو وعظ و نصیحت اور دعوتِ جہاد کے لیے بمبئی بھیجا۔ مشہد بالاکوٹ کے بعد آپ کی سرکردگی میں بچے کھچے لوگ استھانہ پہنچے۔ آپ کی وفات کے بارے میں مولانا غلام رسول مہر نے تین روایتیں ذکر کی ہیں۔ (۱) مولوی نصیر الدین کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے (۲) جنگ دب کے بعد چودہ آدمی لے کر کڑال قوم میں حسن علی خان کے پاس آگئے وہاں فوت ہوئے (۳) ۱۸۵۴ء میں انگریزوں کے گرفتار کر کے سیالکوٹ میں قید کر دیا۔ وہاں فوت ہوئے۔ افسوس اس عظیم مجاہد کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ (سرگزشت مجاہدین، ص ۲۰۱، جماعت مجاہدین، ص ۱۰، علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۳، ص ۶)

منشی محمد جعفر تھانیسری (۱۸۳۷ء-۱۹۰۵ء)

مولوی محمد جعفر تھانیسری ولد میاں جیون ۱۸۳۷ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر تک کوئی تعلیم حاصل نہ کی۔ اس کے بعد اپنے شوق سے کچھ کتابیں پڑھ کر عرائض نویسی شروع کی۔ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں شریک رہے۔ مشہور انبالہ سازش کیس میں ماخوذ ہوئے۔ اولاً سزائے موت مع ضبطی جائداد کی سزا ہوئی پھر حبسِ دوام عبور دریائے شور یعنی کالے پانی کی سزا ہوئی۔ ۱۱ر جنوری ۱۸۶۶ء کو انڈمان پہنچے سترہ سال کے بعد ۲۱ر نومبر ۱۸۸۳ء کو رات نو بجے انبالہ واپس ہوئے اور آزادی کی زندگی نصیب ہوئی۔ ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔ ان کے فرزند مولوی محمد اسماعیل ۱۹۴۷ء کے فسادات میں شہید ہوئے۔ تاریخ عجیب، تواریخ عجیب (کالا پانی) اور سوانح عجیبہ آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سرگذشت مجاہدین، ص ۴۱۹ تا ۴۲۲)

مولانا اولاد حسن قنوجیؒ (۱۷۸۵ء-۱۸۳۷ء)

مولانا سیّد اولاد حسن بن اولاد علی ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۵ء) میں قنوج میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبد الباسط قنوجیؒ، مولانا نور اور مولانا حسن علی محدث لکھنویؒ سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ شاہ عبد العزیزؒ سے سندِ حدیث حاصل کی۔ سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر تحریکِ جہاد کے سرگرم رُکن ہوئے۔ سفرِ جہاد میں سیّد صاحبؒ کے ہمرکاب تھے۔ سیّد صاحب نے خلعتِ خلافت سے سرفراز فرما کر وعظ و نصیحت اور دعوتِ جہاد کے لیے وطن واپس بھیج دیا۔ پھر پوری زندگی درس و تدریس، تذکیر و تبلیغ اور تصنیف و تالیف میں گزاری۔ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۸ء) میں قنوج میں وفات ہوئی۔ ایک درجن سے زائد تصانیف کے علاوہ نواب صدیق حسن خان اور مولانا احمد حسن عرشی جیسے باکمال فرزند چھوڑے۔ (ماخوذ از جماعت مجاہدین، ص ۹۲-۲۹۲، علامہ غالب، ص ۳۰۳ مؤلفہ مالک رام)

مولانا سیّد نصیر الدین دہلویؒ (متوفی ۱۸۴۰ء)

مولانا سیّد نصیر الدین دہلویؒ شاہ رفیع الدین کے نواسے شاہ محمد اسحٰقؒ کے داماد اور مولانا نجم الدین سونی پتیؒ کے فرزند تھے۔ ولادت اور نشو و نما دہلی میں ہوئی۔ شاہ محمد اسحٰقؒ محدث دہلویؒ سے علوم کی تکمیل کی اور شاہ محمد آفاق دہلویؒ سے فیض باطن حاصل کیا۔ حادثۂ بالاکوٹ کے بعد سرحد پہنچے اور تحریکِ جہاد کی قیادت کی۔ قلعہ غزنی میں انگریزی فوج کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں وفات ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ ۲۳ / جولائی ۱۸۳۹ء کو تین سو رفقاء کے ساتھ معرکہ جہاد میں شہادت نوش کیا۔ سیّد الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ابتداءً آپ ہی سے بیعت ہوئے تھے۔ (تفصیلی کارناموں اور حالات کے لیے مطالعہ کریں: سرگذشت مجاہدین، ص ۱۲۹ تا ۱۹۹۔ حیات شاہ محمد اسحٰق، ۹۰ تا ۹۳)

مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ (۱۷۵۰ء – ۱۸۱۸ء)

مولانا شاہ رفیع الدین حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہؒ کے جلیل القدر فرزند محدث، مفسر، فقیہ اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں علامۂ وقت تھے۔ ۹ / ذی الحجہ ۱۱۶۳ھ (۱۰ / نومبر ۱۷۵۰ء) کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ اپنے بھائی شاہ عبد العزیز اور ماموں شاہ محمد عاشق پھلتی سے علوم متداولہ کی تحصیل و تکمیل کی۔ شاہ عبد العزیزؒ کی معذوری کے بعد درس و تدریس کا منصب آپ نے سنبھالا۔ تاحیات تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے۔ ۵ / شوال ۱۲۳۳ھ (۷ / اگست ۱۸۱۸ء) کو وفات ہوئی مہندیان میں مدفون ہوئے۔ آپ کی متعدد وقیع تصنیفات ہیں جن میں ترجمہ قرآن الکریم، قیامت نامہ وغیرہ مشہور ہیں۔ آپ کے متعدد رسائل مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ (پاکستان) سے حال ہی میں شائع ہوئے ہیں۔ (تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۱۸۲ تا ۱۸۶۔ تاریخ دعوت و عزیمت، ج ۵، ص ۳۸۲ تا ۳۸۵۔ مقدمہ مکتوبات شاہ ولی اللہ، ص ۱۱۰ تا ۱۱۶)

امیر دوست محمد خان والی کابل (متوفی ۱۸۶۳ء)

پائندہ خان کا بیسواں فرزند تھا۔ افغانستان میں بارک زئی حکومت کا حقیقی بانی ہے۔ اس کو موسس افغانستان بھی کہا جاتا ہے۔ ۱۸۲۶ء میں کابل کا حکمراں ہوا۔ ۱۸۳۴ء میں امیر کا لقب اختیار کیا۔ جون ۱۸۶۳ء میں وفات پائی۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیں: دائرہ معارف اسلامیہ، ج۹، ص ۴۵۷-۴۵۸)

شاہ عبدالغنی مجددیؒ (۱۸۱۹ء-۱۸۷۸ء)

شاہ ابو سعید مجددیؒ کے فرزند ارجمند محدث جلیل، نسبت مجددی کے حامل اور شیخ کامل تھے۔ حدیث میں استاذ العرب والعجم اور شیخ وقت تھے۔ آپ کے حلقۂ درس سے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے علماء اعلام تیار ہوئے۔

۲۵ر شعبان ۱۲۳۴ھ (۹ر جون ۱۸۱۹ء) کو محلہ مغلپورہ دہلی میں ولادت ہوئی۔ تاریخی نام "مظاہر حلیم" ہے۔ علوم ظاہری مولانا حبیب اللہ اور باطنی علوم والد گرامی سے حاصل کیا۔ حدیث کی کتابیں شاہ محمد اسحٰقؒ سے پڑھیں۔ نیز حرمین شریفین میں شیخ محمد عابد سندھیؒ اور شیخ اسماعیل رومیؒ سے حدیث کی اعلیٰ سند حاصل کی۔ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کے فتوے پر آپ کے بھی دستخط ہیں۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد بڑے بھائی شاہ احمد سعیدؒ کے ہمراہ ہندوستان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہوئے اور مدت العمر خدمت حدیث میں مشغول رہے۔ ۷ر محرم ۱۲۹۶ھ (۳۱ر دسمبر ۱۸۷۸ء) کو مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔

(تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: مقامات خیر، ص ۲۷۳ تا ۲۸۱، مرتبہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی)

مولانا الٰہی بخش عظیم آبادی (۱۲۰۱ھ-۱۲۷۵ھ)

مولوی الٰہی بخش ولد ہدایت علی ساکن مہداواں عظیم آباد ۱۲۰۱ھ میں پیدا

ہوئے۔ سلسلۂ نسب حضرت جعفر طیار سے ملتا ہے۔ آپ عظیم آباد کے روسا عظام میں تھے۔ اسی کے ساتھ عقل و دانش اور فہم و فراست میں یگانۂ زمانہ تھے۔ اقرباء کی نگہداشت اور غریبوں کی غمخواری و ہمدردی امتیازی وصف تھا۔ سیّد صاحبؒ کے پٹنہ تشریف آوری کے موقع پر پورے قافلہ کی دعوت کی۔ مولانا ولایت علیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر اپنا سب کچھ تحریکِ جہاد کے حوالہ کر دیا۔ آپ کے چاروں فرزند تحریک میں شامل ہوئے اور اسی میں فنا ہو گئے۔ آپ کا ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۸ء) میں انتقال ہوا۔ جمعہ مسجد محلہ نمو ہیہ میں مزار ہے۔ (تفصیل ملاحظہ فرمائیں: تذکرۂ صادقہ، ص ۲۱ تا ۴۳)

مولانا فیاض علی عظیم آبادی

مولانا الٰہی بخش کے فرزند تھے۔ ولادت اور نشو و نما عظیم آباد میں ہوئی۔ تعلیم بڑے بھائی سے حاصل کی اور حدیث کی سند مولانا ولایت علیؒ سے حاصل کی۔ علوم و فنون کے ساتھ فنونِ سپہ گری میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی۔ مولانا ولایت علیؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کے ساتھ سرحد گئے۔ غزوات میں ان کے مشیر و وزیر رہے۔ ان کے وصال کے بعد پٹنہ واپس آ گئے۔ پھر تمام اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے سرحد گئے وہیں گلوتو پوڑی کے مقام پر وفات ہوئی۔ (مزید حالات کے لیے دیکھیں: تذکرہ صادق، ص ۶۱ تا ۶۳)

مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی (۱۸۲۲ء-۱۸۶۸ء)

مولانا یحییٰ علی خلف مولانا الٰہی بخش ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۲ء) کے قریب پیدا ہوئے۔ بڑے بھائی احمد اللہ سے علومِ ظاہری کی تکمیل کی۔ پھر مولانا ولایت علی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور انھیں کے ہو رہے۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ اور ایثار و قربانی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ بہترین واعظ و مقرر اور اعلیٰ درجہ کے متکلم تھے۔

مشہور انبالہ سازش کیس میں ۵ مارچ ۱۸۶۴ء کو گرفتار ہوئے۔ مختلف جیلوں میں رہے۔ پھر کالے پانی انڈمان بھیج دیے گئے۔ ۱۱ جنوری ۱۸۶۸ء کو وہاں پہنچے۔ دو سال ایک ماہ نو دن گذار کر ۲۶ شوال ۱۲۸۴ھ (۲۰ فروری ۱۸۶۸ء) کو اسی وادیٔ غربت میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ (مزید حالات کے لیے ملاحظہ کریں: تذکرۂ صادقہ، ص ۲۳ تا ۷۹۔ سرگذشت مجاہدین، ص ۴۱۲ تا ۴۱۵)

مولانا اکبر علی عظیم آبادی

مولانا الٰہی بخش کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ درسیات کی تکمیل بڑے بھائی مولانا احمد اللہؒ سے کی اور بیعت مولانا ولایت علی سے ہوئے۔ ان کے ساتھ سرحد کا سفر کیا۔ غزوات میں شریک رہے، ان ہی کے ساتھ پٹنہ واپس آئے اور چند ہفتوں کے بعد بعارضہ ہیضہ انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت کل ۲۲ برس کے تھے۔ سخاوت، شجاعت میں نادرۂ روزگار تھے۔ (تذکرۂ صادقہ، ص ۸۰-۸۱)

جہاں داد خان والی امب (متوفی ۱۸۵۸ء)

نواب پائندہ خاں والی امب کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات ۱۸۴۰ء کے بعد جانشین ہوا۔ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں اس کا جھکاؤ انگریزوں کی طرف رہا۔ ۱۸۵۸ء میں وفات پائی۔ نو سالہ بیٹا نواب محمد اکرم خان جانشین ہوا جو ۱۹۰۷ء میں راہیٔ ملک بقا ہوا۔ (شخصیات سرحد، ص ۲۰۷، مرتبہ محمد شفیع صابر)

سیّد اکبر شاہ (متوفی ۱۸۵۷ء)

سیّد اکبر شاہ سرحد کا وہ غازی ہے جس نے حضرت سیّد احمد شہیدؒ سے تعلق وارادات کا جو رشتہ قائم کیا اس پر آخر تک قائم رہا۔ حادثۂ بالاکوٹ نے اس پیمان وفا کو کمزور کرنے کے بجائے اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ سیّد اکبر شاہ سیّد ضامن شاہ بانیٔ استھانہ کے پوتے تھے۔ آپ سادات ترمذی میں سیّد علی خواص المعروف پیر بابا کی اولاد

سے تھے۔ والد کا نام سید شاہ گل تھا۔

سید اکبر شاہ سخاوت، شجاعت، خدا پرستی میں یگانہ تھا۔ دین داری، اخلاص، ہمدردیٔ خلق اور ایثار و قربانی میں نمایاں تھا۔ اسی کے ساتھ پیر سباک اور ہزار ہو وغیرہ کارزار جہاد میں سرفروش مجاہدین کی قیادت کی تھی۔ ۱۸۶۰ء میں اس مجاہد کو سرحد کے علاقہ سوات وبلیتیر کا بادشاہ اور اخون صاحب سوات کو شیخ الاسلام بنا کر ایک شرعی و اسلامی حکومت قائم کی گئی جس کی برکت سے سارا علاقہ امن و امان کا گہوارہ ہو گیا۔ ۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء کو یہ غازیٔ اسلام وفات پا گیا۔ آپ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ آپ کے فرزند سید مبارک شاہ اس اسلامی حکومت کے سربراہ رہے۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی، ۳/۵۹، سرفروشان سرحد، ص ۹۳ تا ۱۰۷)

مولانا نور اللہ (متوفی ۱۸۶۰ء)

مولانا عنایت علی غازی کے بعد امیر شریعت منتخب ہوئے۔ آپ کا زمانۂ امارت دو سال رہا۔ کابل جاتے ہوئے بلاسہ (داوی چملہ) پہنچے تو بخار آیا۔ اسی میں فوت ہو گئے۔ "بلاسہ" ہی کی سرزمین پر آرام فرما ہیں۔ غالباً سن وفات ۱۸۶۰ء ہے۔ مزید حالات کا علم نہ ہو سکا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۳، ص ۱۷۱، سرگذشت مجاہدین، ص ۳۰۲)

میر مقصود علی (متوفی ۱۸۶۲ء)

میر مقصود علی داناپور پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ خاندان صادق پور سے قرابت تھے۔ وہ جمادی الاخریٰ ۱۲۷۵ھ (جنوری ۱۸۵۹ء) میں پٹنہ سے روانہ ہوئے۔ میرٹھ میں گرفتار ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد رہا ہو کر ۱۸۶۰ء میں سرحد پہنچے۔ مولانا نور اللہ کی وفات کے بعد مجاہدین نے ان کو امیر بنا لیا۔ آپ کے زمانۂ امارت میں انگریزی فوجوں سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی، مگر ابھی دو سال پورے نہ ہوئے تھے کہ ۱۸۶۲ء میں سفر آخرت پیش آ گیا۔ مزید حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۳، ص ۱۷۱-۱۷۲، سرگذشت مجاہدین، ص ۳۰۳)

مولانا عبداللہ صادق پوری (۱۸۳۱ء-۱۹۰۲ء)

خانوادۂ صادق پور کا یہ بطل جلیل مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ کا جانباز سپوت۔ ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۱ء) میں پیدا ہوا۔ جہاد حریت کی آب و ہوا میں پرورش ہوئی۔ مولانا فیاض علی عظیم آبادیؒ اور والد گرامی سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ عنفوان شباب سے جہاد و قتال میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ۱۸۶۲ء میں امارت کی باگ ڈور سنبھالی جس پر اپنی وفات شعبان ۱۳۲۰ھ (نومبر ۱۹۰۲ء) تک فائز رہے۔ آپ کے دور امارت میں بار بار انگریزی فوجوں کو خاک و خون سے کھیلنا پڑا۔ آپ سے خط و کتابت کے جرم میں سیکڑوں محبان وطن گرفتار ہوئے۔ انبالہ، پٹنہ، مالدہ سازش کیس آپ ہی کے زمانہ میں چلائے گئے۔ اس میں ماخوذ مجاہدین کو پھانسی اور عبور دریائے شور کی سزائیں ہوئیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: سرگذشت مجاہدین، تذکرہ صادقہ، علماء ہند کا شاندار ماضی جلد سوم)

مولانا عبدالکریم (۱۲۵۵ھ-۱۳۳۳ھ)

مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ کے دوسرے جانباز فرزند ہیں۔ ۱۲۵۵ھ یا ۱۲۵۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آٹھ نو سال کی عمر میں والد کے ہمراہ سرحد چلے گئے تھے۔ وہیں جہاد حریت کی فضا میں پرورش ہوئی۔ جنگ امبیلہ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۹۷ء تک تمام مہموں میں شریک رہے۔ مولانا عبداللہ صادق پوریؒ کے بعد مجاہدین کے امیر منتخب ہوئے۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (۱۱ فروری 1915ء) کو اسمست کے مقام پر وفات ہوئی، وہیں مدفون ہوئے۔ (سرگذشت مجاہدین، ص ۴۷۱ تا ۴۷۷)

مولانا نعمت اللہ (متوفی ۱۹۲۱ء)

مولانا عبداللہ صادق پوریؒ کے فرزند مطیع اللہ کے صاحبزادے تھے۔ دادا

اور مولانا عبدالکریمؒ کے زیر سایہ تعلیم وتربیت ہوئی۔ ان کے ابتدائی عہد امارت میں انگریزوں سے پانچ لڑائیاں ہوئیں۔ ۱۹۱۷ء میں انگریزوں سے ایک گونہ مصالحت کرلی جس سے مجاہدین کو ناراضگی ہوئی اور ان ہی میں سے ایک شخص نے ۲۶ر شعبان ۱۳۳۹ھ (۴ر مئی ۱۹۲۱ء) کو انھیں قتل کردیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: سرگذشت مجاہدین، ص ۴۷۸ تا ۴۸۷)

مولانا رحمت اللہ غازی

آپ مولانا عبداللہ کے دوسرے فرزند امان اللہ کے سپوت ہیں۔ ان کی تربیت امیر عبداللہ اور امیر عبدالکریمؒ کے آغوش میں ہوئی۔ ۱۸۸۸ء سے آگ و خون کے معرکوں میں شریک رہے۔ ان کی سیرت وعادات کے متعلق متضاد اقوال ہیں۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ وہ زہد و تقویٰ، ایثار و قربانی اور سادگی و بے نفسی کا ایک مثالی نمونہ تھے۔ جبکہ مولانا محمد علی قصوریؒ نے اس کے برعکس اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ (سرگذشت مجاہدین، ص ۵۱۴ تا ۵۱۹)

مولانا فرحت حسین (۱۸۱۱ء–۱۸۵۸ء)

مولانا فرحت حسین ولد مولانا فتح علی عظیم آبادی ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ء) میں پیدا ہوئے۔ بیشتر تعلیم والد سے حاصل کی۔ سندِ حدیث بڑے بھائی مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ سے حاصل کی۔ فنونِ حرب کے بھی ماہر تھے۔ ۴۸ برس کی عمر میں ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۸ء) میں وفات ہوئی۔ مشہور مجاہد و مصنف مولانا عبدالرحیم صادق پوریؒ آپ کے فرزند دلبند تھے۔ (تذکرہ صادقہ، ص ۱۳۱ تا ۱۳۵)

مولانا مبارک علی

آپ اطراف حاجی پور ضلع مظفر پور کے رہنے والے تھے۔ مولانا احمد اللہ عظیم آبادی کی گرفتاری کے بعد مرکز صادق پور کے نگران مقرر ہوئے۔ مجاہدین پر

انبالہ سازش کیس ۱۸۶۵ء کے سلسلہ میں دائر شدہ مقدمات کی پیروی میں کافی مدد کی۔ آخر ۱۸۶۸ء میں کالے پانی کی سزا ہوئی لیکن قید میں اتنی تکلیفیں دی گئیں کہ انڈمان جانے سے پہلے ہی جاں بحق ہوگئے۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد سوم، ص ۹۳، ۹۴، ۱۳۱، ۱۳۲)

منگل پانڈے (متوفی ۱۸۵۷ء)

بنگال کا وہ انقلابی فوجی جوان جس نے ۱۸۵۷ء میں سب سے پہلے کلکتہ میں "دین دین" کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو انگریزوں کے خلاف لڑنے کے لیے اکسایا جس کی پاداش میں ۸؍اپریل ۱۸۵۷ء کو اسے تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۸۶-۸۵)

مفتی مظہر کریم دریا آبادی (متوفی ۱۸۷۳ء)

مفتی مظہر کریم بن مخدوم بخش بن کریم بخش قدوائی دریا آبادی ایک جید فقیہ عالم تھے۔ مولانا عبدالحکیم فرنگی محلیؒ سے اکتساب علم کیا جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء کے وقت شاہجہانپور میں کلکٹری میں سررشتہ دار تھے۔ آپ کے مکان پر مجاہدین جمع ہوکر جہاد کے منصوبے بناتے تھے۔ انگریزی اقتدار و تسلط کے بعد بغاوت کا مقدمہ چلا۔ اسپیشل کمشنر شاہجہانپور کی عدالت سے نو سال کی سزا عبور دریائے شور کی ہوئی۔ جزیرۂ انڈمان میں کسی انگریز کی فرمائش پر عربی کی مشہور کتاب "مراصد الاطلاع فی اسماء الامکنہ والبقاع" کا اردو ترجمہ کیا جس کے صلہ میں سزا میں تخفیف ہوئی اور پورے سات سال جلاوطن رہ کر ۱۸۶۵ء میں رہائی ہوئی۔ بقیہ عمر دریا آباد میں عبادت اور فتویٰ نویسی میں گذاری۔ ۱۸۷۳ء میں وصال ہوا۔ پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔ چھوٹے بیٹے مولوی عبدالقادر مرحوم مشہور عالم اور انشا پرداز مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے والد تھے۔ (آپ بیتی، ص ۲۸-۲۹، مولانا دریا آبادی، ماہنامہ آجکل، جولائی ۱۹۷۰ء)

قاضی سرفراز علی (۱۸۱۲ء-۱۸۷۶ء)

قاضی سرفراز علی بن سید امانت علی ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ء) میں شاہجہانپور کے محلہ خلیل میں پیدا ہوئے۔ امروہہ و دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا۔ حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ جزائر انڈمان سے دس بارہ سال بعد رہائی ہوئی۔ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) میں انتقال ہوا۔ (مزید حالات کے لیے دیکھیں: تاریخ شاہجہانپور، ص ۳۶۶-۳۶۸ اور تلامذۂ غالب، ص ۲۹۷ تا ۲۹۹)

امام المجاہدین مولانا سرفراز علی دوسری شخصیت کا نام ہے جو گورکھپور کے رہنے والے تھے اور سیّد احمد شہیدؒ کے خلفاء میں سے تھے جن کے مریدوں میں سے جنرل بخت خان بھی تھا۔ ان کے مزید حالات معلوم نہ ہوسکے۔

بہادر شاہ ظفر (۱۷۷۵ء-۱۸۶۲ء)

ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفرؔ سلطنت مغلیہ کا آخری فرمانروا اکبر شاہ ثانی کا فرزند اکبر تھا۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۷۷۵ء کو لال قلعہ میں ایک ہندو رانی لال بائی کے بطن سے پیدا ہوا۔ حافظ محمد ابراہیم اور قاری محمد خلیل وغیرہ اساتذہ سے قرآن کریم اور مذہبی علوم کی تحصیل کی سیّد جلال الدین حیدر اور میر ابراہیم علی سے خوشنویسی سیکھی۔ اس کے علاوہ مختلف اساتذۂ فن سے تیر اندازی، تیغ زنی، نشانہ بازی اور شہسواری میں مہارت اور کمال حاصل کیا۔ اسی کے ساتھ شعر و شاعری کا خاص ذوق تھا۔ ظفرؔ تخلص تھا۔ شاعری میں ذوقؔ، غالبؔ اور شاہ نصیر وغیرہ سے تلمذ تھا۔

۲۸ر ستمبر ۱۸۳۷ء کو اکبر شاہ ثانی کے انتقال کے بعد دہلی کے پایۂ تخت پر جلوہ آرا ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کی جہاد آزادی آپ کی کمان میں لڑی گئی جس میں ناکامی کے بعد مقبرہ ہمایوں سے ۲۱ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے گرفتار کیا۔ شہزادوں کو تختۂ دار پر چڑھایا اور آپ پر بغاوت کا مقدمہ چلایا۔ ۲۷ر جنوری ۱۸۵۸ء کو مقدمہ کی

کارروائی شروع ہوئی۔ ۹؍مارچ ۱۸۵۸ء کو فیصلہ ہوا۔ آپ کو جلاوطن کر کے ملکہ زینت محل اور شہزادہ جوان بخت کے ساتھ رنگون بھیج دیا۔ چھ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کیا جس کو لینے سے انکار کر دیا اور چار سال نہایت عسرت و تنگدستی کے دن گذار کے ۷؍نومبر ۱۸۶۲ء کو زبان حال سے یہ کہتے ہوئے راہیِ ملک بقا ہو گئے:

کتنا بدنصیب ہے ظفر دفن کے لیے
دو گز زمیں بھی نہ مل سکی کوئے یار میں

(تفصیلات کے لیے مطالعہ کریں: بہادر شاہ ظفر، مؤلفہ امیر احمد علوی، بہادر شاہ ظفر کا مقدمہ، از خواجہ حسن نظامی، علامہ ذکا اب، از مالک رام)

جنرل بخت خان

بخت خان ایک روہیلہ جانباز ۱۸۵۷ء کی جہاد آزادی کا ہیرو اور علمبردار حق و صداقت کا ایک مردِ مجاہد تھا مگر افسوس کے ساتھ حیرت و تعجب کی بات ہے کہ اس کی زندگی کا آغاز و انجام دونوں ایسے پردہ میں ہیں کہ ابتک کوئی بھی تحقیق و تفتیش اس کو بے نقاب نہ کر سکی خود بخت خاں نے بہادر شاہ ظفر کو اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے اپنے متعلق بتلایا تھا۔

"میں بھی آپ کے خانوادہ سے ہوں۔ میں سلطان پور علاقہ لکھنؤ کا باشندہ ہوں۔ اودھ کے شاہی خاندان سے میری رشتہ داری ہے۔" اس کے علاوہ اس کے حالات سے جو کچھ معلوم ہو سکا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غلام قادر روہیلہ سے رشتہ داری تھی۔ والد کا نام عبداللہ خان تھا جو اپنی خوبصورتی اور بہادری میں منفرد زمانہ تھے جس کی وجہ سے شجاع الدولہ کے خاندان کی ایک شہزادی کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ اس طرح نوابان اودھ سے قرابت داری ہو گئی تھی۔ بخت خان نے تعلیم کی تکمیل کے بعد انگریزی فوج میں نوکری کر لی۔ جنگ افغانستان میں شریک ہوا اور توپ خانہ کا افسر مقرر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد غیرت و حمیت بیدار ہوئی۔ نوکری سے

دست بردار ہوا اور مولانا سرفراز علی گورکھپوری کے دست حق پرست پر بیعت جہاد کی پھر اس نے ایک جانباز مجاہد کی طرح ملک وملت کے لیے عظیم خدمات انجام دیں اور داستان سرفروشی کی ایک مثال قائم کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دہلی محاذ پر سپہ سالاری کی۔ دہلی پر انگریزوں کے تسلط کے بعد لکھنؤ کا رُخ کیا اور جب لکھنؤ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو مولانا احمد اللہ شاہ کے ہمراہ شاہجہانپور اس کے بعد "محمدی" کے محاذ پر بھی یہ جرنیل نظر آتا ہے لیکن اس کے بعد کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مولانا محمد میاںؒ لکھتے ہیں کہ: "غالب یہی ہے کہ حضرت محل وغیرہ کی طرح یہ بھی نیپال چلے گئے اور وہیں زندگی کے باقی دن پورے کردیے۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۵۵ تا ۴۶۱)

مولانا سیّد نذیر حسین محدث دہلویؒ (۱۸۰۵ء-۱۹۰۲ء)

مولانا سیّد نذیر حسین دہلویؒ ہندوستان کے نامور عالم اور جماعت اہل حدیث کے شیخ الکل تھے۔ آپ کا اصلی وطن قصبہ سورج گڈھ ضلع مونگیر صوبہ بہار تھا جہاں ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) میں پیدا ہوئے۔ خانوادہ علم وفضل اور دولت ووجاہت میں پہلے سے ہی ممتاز تھا۔ والد سیّد جواد علی فارسی زبان کے ماہر تھے۔ ابتدائی تعلیم انھیں سے حاصل کی۔ ۱۲۳۶ھ میں طلب علم کے لیے گھر سے نکلے۔ پٹنہ، غازی پور، الٰہ آباد کے اساتذہ سے علم حاصل کرتے ہوئے ۱۳ رجب ۱۲۴۳ھ کو دہلی پہنچے۔ مختلف اساتذہ سے علوم وفنون کی تکمیل کر کے شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ ۱۲۴۸ھ میں مولانا عبد الخالق دہلویؒ کی صاحبزادی سے عقد نکاح ہوا جو دہلی کی مستقل سکونت کا سبب بن گیا۔ تادم حیات دہلی میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے جس میں جماعت اہل حدیث کے اکابر علماء مولانا محمد حسین بٹالویؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسری، حافظ عبد اللہ غازی پوری، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی وغیرہ شامل ہیں۔ مسلکا اہل حدیث تھے۔

۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے فتویٰ پر آپ نے دستخط کیا۔ جن لوگوں نے انکار کیا وہ صحیح نہیں البتہ بعد میں آپ کی بعض خدمات کی وجہ سے انگریز حکومت نے جون ۱۸۹۷ء میں شمس العلماء کا خطاب دیا۔ پوری زندگی درس و تدریس تصنیف و تالیف میں گذار کر ۱۰ رجب ۱۳۲۰ھ (۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء) کو دہلی میں رہگزار عالم جاودانی ہوئے۔ (تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: الحیاۃ بعد المماۃ، مؤلفہ حکیم فضل حسین مظفر پوری، تاریخ اہل حدیث، ص ۴۲۵ تا ۴۳۵، مؤلفہ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مقدمہ عون المعبود وغیرہ)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی ؒ (۱۸۱۳ء-۱۸۹۱ء)

مولانا رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن عثمانی ایک مایہ ناز عالم، بلند پایہ مصنف، جہاد آزادی کے جانباز قائد، مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے بانی، اپنے عہد میں ردّ عیسائیت کے سب سے بڑے مناظر اور اسلام کے داعی و مبلغ تھے۔ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۲ھ (۱۸۱۳ء) میں کیرانہ کے مشہور عثمانی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم اپنے زمانہ کے اجلۂ اساتذہ سے لکھنؤ اور دہلی میں حاصل کی۔ شاہ عبدالغنی مجددی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ پھر تمام عمر درس و افادہ اور تصنیف و تالیف میں گذاری۔ آپ کا سب سے عظیم تجدیدی کارنامہ عیسائیت کے خلاف جدو جہد ہے جس کا آغاز ۱۸۵۴ء میں پادری فنڈر سے آگرہ میں مناظرہ سے ہوا جس کی وجہ سے ہندوستان میں پورے ملک کو عیسائی بنانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ عیسائیت کے خلاف آپ نے ایسا علمی استدلالی سرمایہ فراہم کر دیا ہے جس کی دنیائے اسلام میں کوئی نظیر نہیں جس میں اظہار الحق ایک شہرۂ آفاق کتاب ہے۔

۱۸۵۷ء کی جہاد آزادی میں حصہ لیا۔ فتویٰ جہاد پر دستخط کئے اور خود کیرانہ کے محاذ جنگ کی قیادت کی۔ جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔ وہاں ۱۲۹۰ھ میں مدرسہ صولتیہ قائم کیا اور درس و افادہ کا سلسلہ زندگی

پھر جاری رکھا۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بڑی طویل ہے جس میں دنیا بھر کے اعیان علم شامل ہیں۔ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ (یکم مئی ۱۸۹۱ء) کو مکہ معظمہ میں رحلت کی اور جنت المعلیٰ میں آسودۂ خواب ہوئے۔ (تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو: آثار رحمت، امداد صابری۔ ایک مجاہد معمار، مولانا محمد سلیم کیرانوی۔ بیس مردان حق، عبد الرشید ارشد، مقدمہ بائبل سے قرآن تک، (ترجمہ اظہار الحق) از مولانا محمد تقی عثمانی)

مفتی صدر الدین آزردہ (۱۷۸۹ء-۱۸۶۸ء)

مفتی صدر الدین بن شیخ لطف اللہ کشمیریؒ اپنے عہد کے ممتاز عالم شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ ۱۲۰۴ھ (۱۷۸۹ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم نقلیہ خانوادۂ ولی اللٰہی کے اساطین شاہ عبد القادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد العزیز رحمہم اللہ سے اور علوم عقلیہ مولانا فضل امام خیر آبادی سے حاصل کیا۔ پھر مدت العمر درس و تدریس کا مقدس فرض ادا کیا۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ، مولانا ذوالفقار دیوبندیؒ، مولانا محمد منیر نانوتویؒ، مولانا مظہر نانوتویؒ، نواب صدیق حسن خان اور سرسید جیسے مشاہیر شامل ہیں۔ دہلی کے مدرسہ دار البقاء کو از سر نو زندہ کیا جس میں طلبہ کی کفالت خود کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ ۱۸۲۷ء میں صدر الصدور اور مفتی دہلی کے عہدہ پر فائز ہوئے جس پر ۱۸۵۷ء تک رہے۔ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں حصہ لیا۔ فتویٰ جہاد پر دستخط کیے۔ ناکامٔ جنگ کے بعد گرفتار ہوئے۔ جائداد ضبط کر لی گئی اور عہدۂ صدر الصدور سے معزول کر دیا گیا۔ چھ ماہ بعد رہائی ہوئی اور بڑی کوششوں سے نصف جائداد واگذار ہوئی۔ فتویٰ جہاد پر بالجبر دستخط کی بات ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ (۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء) کو دہلی میں انتقال ہوا۔ (تفصیلی حالات کے لیے مطالعہ فرمائیں: مفتی صدر الدین آزردہ، مرتبہ عبد الرحمن پرواز اصلاحی)

مفتی اکرام الدین دہلویؒ

مفتی اکرام الدین بن نظام الدین دہلویؒ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۱۹۰ھ یا ۱۱۹۱ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی اور مولانا محمد کاظم دہلوی، شیخ محمد فائق دہلوی، سید محمد اللہ دین شاہجہانپوریؒ وغیرہ اساتذہ علم وفن سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ آپ علم وعمل کے جامع تھے۔ شعر وادب کا بھی ذوق تھا۔ صاحب تصنیف بھی تھے۔ اس کے علاوہ دہلی میں صدر امین کے منصب پر فائز تھے۔ ترلبا بیرام خان کے پاس پھاٹک مفتیان ہے یہ آپ کے زمانہ میں تعمیر ہوا۔ اس میں آپ کے خاندان کے لوگ رہتے تھے۔ اس کو محلہ مفتی محمد اکرام الدین بھی کہا جاتا تھا۔ آپ کے صاحبزادے مولوی احسان الحق تھے جن کے صاحبزادوں میں خان بہادر مولوی انوار الحق صاحبؒ اور سیف الحق ادیب تھے۔ (مزید کے لیے دیکھیں: نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۶۹-۷۰۔ دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۶۹، امداد صابری)

مولانا عبد القادر دہلویؒ

آپ دہلی کے مشہور عالم مولانا عبد الخالق دہلوی کے فرزند، مولانا عبد الرب واعظ دہلویؒ کے بھائی، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے برادر نسبتی مشہور مصنف مولانا راشد الخیری کے دادا تھے۔ اپنے دور کے ممتاز علماء اور اہل فتویٰ میں سے تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلویؒ کے استاذ اور خسر تھے۔ محلات شاہی کے امام اور بیگم ولی عہد کے استاذ تھے۔ قلعہ میں بڑی عزت تھی۔ ۱۸۵۷ء کے فتویٰ جہاد پر عبد القادر کے نام سے جو دستخط ہے غالباً آپ ہی کے ہیں کیونکہ دہلی پر انگریزوں کے تسلط کے بعد گرفتار ہوئے۔ پھانسی کی سزا ہوئی جو ایک انگریز میم کی سفارش پر ختم ہوئی جس کی آپ نے جان بچائی تھی اور اس کے زخموں کا علاج کیا تھا۔ (دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۱۴۔ دہلی کی آخری بہار، ص ۴۸ تا ۵۰، راشد الخیری)

اسی دور میں دہلی میں عبدالقادر نامی ایک عالم اور بھی تھے جو منشی کرم علی لدھیانوی کے فرزند اور نواب قطب الدین کے شاگرد تھے۔ کالی مسجد میں درس اور فتویٰ نویسی میں مشغول رہتے تھے۔ رجب ۱۳۲۳ھ (دسمبر ۱۹۰۵ء) میں وفات ہوئی۔ (وصال الجمیل، ص ۱۲، شاہ امان الرحمٰن دہلوی بحوالہ سہ ماہی احوال و آثار، کاندھلہ، ص ۹۷، ربیع الثانی تا جمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ)

شاہ احمد سعید احمدیؒ (۱۸۰۲ء۔۱۸۶۰ء)

آپ خانوادہ مجدد الف ثانیؒ کے چشم و چراغ اپنے زمانہ کے مشہور عالم اور شیخ طریقت تھے۔ یکم ربیع الثانی ۱۲۱۷ھ (۳۱ جولائی ۱۸۰۲ء) کو شاہ ابو سعید مجددیؒ کے گھر رام پور میں پیدا ہوئے۔ "مظہر یزدان" تاریخی نام ہے۔ رامپور، لکھنؤ اور دہلی کے اساتذہ علم و فن سے تعلیم حاصل کی۔ حدیث کی اجازت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے حاصل تھی۔ سلوک میں والد ماجد اور شاہ غلام علی نقشبندیؒ دونوں سے اجازت تھی۔ شاہ غلام علیؒ کے خلیفہ و جانشین تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور تذکیر و اصلاح میں گذاری۔ ۱۸۵۷ء کے فتویٰ جہاد پر آپ کے بھی دستخط تھے۔ انگریزوں کے تسلط و اقتدار کے بعد دہلی کو خیرباد کہہ کر مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ وہاں دو سال قیام رہا۔ ۲ ربیع الاوّل ۱۲۷۷ھ (۱۸ ستمبر ۱۸۶۰ء) کو مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔ جنت البقیع میں سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ کی قبر مبارک کے پہلو میں جگہ ملی۔ "عاش سعیداً مات شہیداً" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: مقالات خیر، ص ۸۲ تا ۹۴، از شاہ ابوالحسن زیدؒ)

مولانا کریم اللہ دہلوی (متوفی ۱۲۹۰ھ)

آپ دہلی کے مشہور بزرگ شیخ نور الدین ملک یار پرانؒ کی اولاد سے تھے۔ والد گرامی قاضی لطف اللہ (م ۱۲۳۴ھ) تھے۔ آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث

دہلویؒ، مولانا رشید الدین خان دہلویؒ اور مولانا محمد کاظم دہلویؒ سے اکتسابِ علوم کیا۔ سیّد آل احمد مارہروی عرف اچھے میاں سے بیعت کی اور خلافت پائی۔ شاہ عبد العزیزؒ نے آپ کی صلاحیت، ذہانت و فراست کے پیش نظر جوانی ہی میں افتاء کی اجازت دے دی تھی جو آخری عمر تک انجام دیتے رہے۔ اسی کے ساتھ آپ بہترین واعظ بھی تھے۔ چوک حوض قاضی دہلی کی قدیمی مسجد کی موجودہ تعمیر آپ ہی کی کرائی ہوئی ہے۔ سر سیّد نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"جامع فنون ہیں۔ خصوصاً دینیات میں دستگاہ کامل ہے۔ توکل و قناعت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے باوجود عیالداری اور تاہل کے اہل دنیا کی طرف کم رجوع کرتے ہیں۔ بیشتر اوقات گرامی کو تدریس طلبۂ شائق میں مصروف اور عنانِ ہمت افادۂ طالبین کی طرف معطوف رکھتے ہیں۔"

آپ صاحبِ تصانیف تھے۔ نوّے سال کی عمر میں ۴؍ شوال ۱۲۹۰ھ کو دہلی میں فوت ہوئے اور قبرستان خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا محمد یعقوب امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے استاذ تھے۔ (دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۳۰۵-۳۰۶، امداد صابری، نزہۃ الخواطر، ج۷، ص ۳۹۸-۳۹۹)

مولانا فرید الدین شہید دہلویؒ (متوفی ۱۸۵۷ء)

مولانا فرید الدین اپنے زمانہ کے ممتاز عالم اور دہلی کے شاہی واعظ تھے۔ آپ کو بہادر شاہ ظفر نے جامع مسجد دہلی میں وعظ کہنے کے لیے مامور کیا تھا۔ دہلی میں نشو و نما ہوئی۔ مولانا کریم اللہ دہلوی، شیخ شیر محمد قندھاری سے اکتسابِ علوم کیا اور شیخ حاجی محمد قاسم سے حدیث کی تحصیل کی۔ شیخ عبد العزیز الٰہی بخش دہلوی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور ایک عرصہ تک ان کی خدمت میں رہے۔ شیخ نے اپنی بیٹی کا عقد بھی آپ سے کر دیا۔ آپ نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا۔ فتویٰ جہاد پر علماء کے ساتھ آپ نے بھی دستخط کیے۔ جنگ آزادی کی ناکامی کے

بعد ایک روز انگریزی فوج نے گھر میں گھس کر شہید کر دیا۔ آپ صاحب تصنیف تھے۔ آپ کی ایک کتاب "سیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسول" ہے۔ آپ کے صاحبزادہ شاہ محمد عمر خواند جی بھی دہلی کے مشہور بزرگ تھے۔ فراشخانہ میں اخوند جی گلی اسی خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ (دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۳۳۳، امداد صابری)

مولانا سیّد محبوب علی جعفریؒ (۱۷۸۵ء-۱۸۶۴ء)

مولانا محبوب علی بن سیّد مصاحب علی بن حسن علی حسینی دہلی کے نامور عالم، فاضل اور شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے تلمیذ رشید تھے۔ یکم محرم ۱۲۰۰ء (۱۷۸۵ء) کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبد القادرؒ اور شاہ عبد العزیزؒ سے جملہ علوم و فنون کی تحصیل کی۔ حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ جہاد کے لیے یاغستان گئے مگر وہاں کے حالات سے غیر مطمئن ہو کر واپس آگئے اور درس و تدریس، وعظ و تذکیر میں زندگی گذار دی۔ ۱۸۵۷ء کے فتویٰ جہاد پر آپ کے بھی دستخط ہیں۔ جنگ میں ناکامی کے بعد دہلی سے بھوپال چلے گئے۔ کچھ دن وہاں رہے، حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ علاقہ میوات میں تبلیغ و تذکیر کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۴ء) میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ دہلی میں چھتہ شیخ منگلو میں رہتے تھے۔ چھتہ شیخ منگلو کی مسجد آپ نے ہی بنوائی تھی جس کے دروازہ پر "مسجد میر محبوب علی" لکھا ہوا ہے۔ (نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۴۰۶، دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۳۰۔ اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، ص ۹۷-۹۸، پروفیسر محمد ایوب قادری)

مولوی حفیظ اللہ خان (متوفی ۱۳۲۴ھ)

آپ دہلی کے مشہور واعظ تھے۔ والد کا نام گاما خاں تھا جو شاہ عبد القادر دہلوی کے مرید تھے۔ آپ نے نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کے بعد کچھ کتابیں مولانا عبد الخالق دہلوی اور کچھ فارسی و عربی کی کتابیں شاہ محمد اسحٰق دہلوی

سے پڑھیں۔ فقہ، حدیث، تفسیر کی تکمیل مولانا سیّد نذیر حسین سے کی۔ آپ اپنے استاذ کے ہم مسلک تھے۔

دربار شاہی میں آپ کو بڑی عزت و وقعت حاصل تھی۔ آپ کو قلعہ میں لے جانے کے لیے لال قلعہ سے پالکی آیا کرتی تھی۔ بہادر شاہ ظفر آپ کی توقیر و عظمت کرتے تھے۔ نہر سعادت خان دہلی پر آپ کے والد گاما خاں نے ایک مسجد تعمیر کی تھی جس میں ہر دوشنبہ کو فجر کے بعد آپ وعظ فرماتے تھے۔ آپ اپنی وضع کے بڑے پکّے تھے۔ طبیعت میں انتہائی سادگی تھی۔ ۱۳۲۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ مولانا نذیر حسین محدث کے قریب شیدی پورہ کے قبرستان میں آرام فرما ہیں۔ (دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۱۳-۱۱۴)

مفتی رحمت علی دہلوی

مفتی سیّد رحمت علی حسینی دہلوی ایک حنفی فقیہ، عالم اور دار السلطنت دہلی کے مفتی تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے آپ کو سراج العلماء وضیاء الفقہاء اور خاقان بہادر کا لقب دیا تھا۔ سرسیّد کے رشتہ داروں میں تھے۔ انتہائی حلیم، متواضع، ملنسار اور حسن اخلاق کے پیکر تھے۔ ۱۸۵۷ء کے فتویٰ جہاد پر آپ کے بھی دستخط ہیں۔ تاریخ وفات کا علم نہ ہو سکا۔ (نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۱۷۳)

قاضی عنایت علی تھانویؒ (متوفی ۱۹۱۰ء)

قاضی عنایت علی پسر قاضی سعادت علی ولد نجابت علی خان تھانہ بھون کے معزز رئیس، بااختیار قاضی اور ۱۸۵۷ء کے جانباز مجاہد تھے۔ آپ کا خاندان عہدِ شاہجہانی سے عہدہ قضا پر مامور تھا۔ بائیس گاؤں جاگیر میں ملے ہوئے تھے۔ آپ پابند شریعت اور بڑے صادق القول تھے۔ فنونِ حرب اور شہسواری میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ آپ کے بھائی قاضی عبدالرحیم کی پھانسی کے بعد اکابر دیوبند نے تھانہ بھون میں جہاد کا اعلان

کیا۔ تھانہ بھون اور شاملی کے معرکوں میں حضرت اکابر کے ساتھ مردانہ وار حصہ لیا۔ اس کے بعد بجنور اور بندیل کھنڈ میں بھی اپنی جواں مردی کے جوہر دکھلائے۔ ۱۸۵۹ء تک یہ سلسلہ جاری رکھا پھر جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر کے بھوپال میں اقامت اختیار کر لی۔ جب وہاں آپ کی شہسواری کا جوہر کھل گیا اور لوگوں کی مشکوک نگاہیں پڑنے لگیں تو جودھپور چلے گئے پھر وہاں سے ریاست الور کے قصبہ تجارہ میں ایک شمشیر ساز دوست کے یہاں خاموشی سے پوری زندگی گذار دی۔ ۱۹۱۰ء میں وفات ہوئی۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۵۰۴-۵۰۵)

قاضی عبد الرحیم تھانویؒ (متوفی ۱۸۵۷ء)

آپ قاضی عنایت علی کے چھوٹے بھائی انتہائی سعید، شریف الطبع اور نیک انسان تھے۔ دونوں بھائیوں میں غیر معمولی محبت اور بے حد اعتماد تھا۔ جون ۱۸۵۷ء میں جب ہر چہار جانب جہاد کا چرچا تھا، تیاری جہاد کے سلسلہ میں (جیسا کہ مولانا محمد میاں صاحبؒ کی رائے ہے) سہارنپور ہاتھی خریدنے کے لیے گئے، جس کو سامانِ جنگ میں اس وقت وہی حیثیت حاصل تھی جو ہمارے زمانہ میں ٹینک بکتر بند گاڑی یا فوجی ٹرک کو حاصل ہے۔ کسی نے مخبری کر دی۔ مجسٹریٹ سہارنپور مسٹر اسپنکی نے گرفتار کر لیا اور بغیر تفتیش حال مع چند ساتھیوں کے گولیوں کا نشانہ بنا دیا جس نے شیدائیانِ حریت کے لیے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ پھر اعلانِ جہاد کر دیا گیا۔ تھانہ بھون اور شاملی میں میدانِ کارزار گرم ہوا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۲، ص ۲۷۰-۵۰۰)

سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۸۱۸ء-۱۸۹۹ء)

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا شمار عالم اسلام کے اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی ذات گرامی بلند پایہ علماء و مشائخ کا مرجع تھی۔ آپ کے زمانے کے تقریباً تمام مستند عالم آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔

آپ ۲۲ر صفر ۱۲۳۳ھ (۱۸ر اپریل ۱۸۱۸ء) کو نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا

ہوئے۔ وطن تھانہ بھون تھا۔ نسباً فاروقی تھے۔ والد کا نام محمد امین عمریؒ تھا۔ مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادیؒ، مولانا ابو الحسن کاندھلویؒ، مولانا عبد الرزاق جھنجھانوی، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مولانا عبد الرحیم نانوتویؒ، مولانا رحمت علی تھانویؒ سے علوم ظاہری کی تحصیل کی اور مولانا سیّد نصیر الدین دہلویؒ کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کیں۔ پھر شیخ نور محمد جھنجھانویؒ کی خدمت میں عرصۂ دراز تک رہ کر خلافت حاصل کی اور سلسلۂ رشد و ہدایت جاری کیا۔ آپ کے فیوض سے ہندوستان ہی نہیں سارا عالم فیض یاب ہوا۔ آپ کے خلفاء میں ہندوستان کی تقریباً تمام عظیم شخصیتیں شامل ہیں۔ ان میں قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ اور حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کو امتیازی مقام حاصل ہے جبکہ آپ کے مریدین کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے جنھوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوکر سعادت دُنیوی و نجاتِ اُخروی کی راہ پائی۔

۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں شاملی و تھانہ بھون کے محاذ پر آپ امیر جہاد تھے۔ آپ کی امارت و قیادت میں اکابر دیوبند نے میدانِ کارزار گرم کیا۔ جنگ میں ناکامی کے بعد مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے۔ وہاں چودہ سال مقیم رہے۔ یہ پوری مدت مریدوں کی تربیت باطنی و افادہ میں گزری۔ آپ وسیع المشرب اور تشدد و تعصب سے دُور تھے۔ بلاشبہ آپ امامِ وقت اور جماعتِ حقہ کے سرخیل تھے۔

۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ (۱۸ر اکتوبر ۱۸۹۹ء) کو سرزمین مکہ المکرمہ میں واصل اللہ ہوئے اور جنت المعلیٰ میں آخری آرام گاہ پائی۔ آپ کی چند عمدہ تصانیف بھی ہیں جو سب کی سب معرفت و تصوّف میں ہیں۔ ان میں ضیاء القلوب، ارشاد مرشد، جہادِ اکبر، غذائے رُوح شامل ہیں۔ اکثر کتابیں منظوم ہیں۔ (تفصیلی حالات کے لیے مطالعہ کریں: شمائم امدادیہ، کرامات امدادیہ، امداد المشتاق، حیات امداد، مؤلفہ انوار الحسن شیرکوٹی، بیس بڑے مسلمان، عبد الرشید ارشد۔ علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد ۴، نزہۃ الخواطر ۸/ ۷۰ تا ۷۲۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء، از ڈاکٹر قاری فیوض الرحمن)

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۸۳۲ء-۱۸۸۰ء)

آپ تاریخ کی بلند پایہ عظیم عبقری شخصیات میں سرفہرست ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے علماء کے سرخیل، جماعت دیوبند کے سربراہ، عظیم متکلم اسلام اور ارباب فضل وکمال کے مسلمہ امام تھے۔ ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "خورشید حسن" ہے۔ ابتدائی تعلیم مولانا مہتاب علی دیوبندیؒ اور مولوی محمد نواز سہارنپوریؒ وغیرہ سے حاصل کر کے ۱۲۶۰ھ میں دہلی کا سفر کیا۔ وہاں استاذ العلماء مولانا مملوک علی نانوتویؒ اور صدر الصدور مفتی صدر الدین دہلویؒ سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ مولانا شاہ عبد الغنی مجددیؒ اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ سے حدیث کا درس لیا۔ سیّد الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ ذریعۂ معاش کے لیے مطبع احمدی دہلی اور مطبع مجتبائی میرٹھ میں تصحیح کتب کا مشغلہ اختیار کیا۔ ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ کے حلقۂ درس سے فیضیاب ہونے والوں میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ، مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، مولانا عبد العلی میرٹھیؒ جیسے اساطین فضل وکمال شامل ہیں۔

۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔ معرکۂ شاملی میں مجاہدین کی قیادت کی۔ جنگ میں ناکامی کے بعد آپ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا اور انعام کا اعلان بھی، مگر برطانوی پولیس اپنی تمام تر تگ ودو کے باوجود گرفتار نہ کر سکی جبکہ صرف تین دن روپوش رہے۔ البتہ دو سال متعدد دیہات اور شہروں میں گذارے۔ ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۰ء) میں حج بیت اللہ کا پہلا سفر کیا۔ ۱۲۸۵ھ اور ۱۲۹۴ھ میں دوسری اور تیسری بار یہ سعادت حاصل کی۔

درس و تدریس، تصنیف و تالیف کے ساتھ عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے کامیاب مناظرے کیے اور اسلام کے خلاف اُٹھنے والے ہر فتنہ کا سدِ باب کیا۔

۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند، اس کے بعد مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی، مدرسہ شاہی مراد آباد، مدرسہ قاسمیہ نگینہ اور دوسرے مدارس قائم کرائے، ان کی سرپرستی کی جن سے ہزاروں اسلام کے داعی، مبلغ، غازی اور مجاہد تیار ہوئے۔ منجملہ اوصاف وکمالات کے شعر کا اعلیٰ ذوق تھا۔ اردو فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ کلام کا زیادہ تر حصہ حمد و نعت پر مشتمل ہے۔ "آبِ حیات"، "حجۃ الاسلام"، "تقریر دلپذیر"، "تصفیۃ العقائد"، "انتصار الاسلام" وغیرہ آپ کی بلند پایہ علمی تصانیف ہیں جن کا اسلوبِ نگارش متکلمانہ ہے۔

۴ر جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ (۱۵ر اپریل ۱۸۸۰ء) کو دیوبند میں یہ آفتاب علم و عمل غروب ہو کر قیامت تک کے لیے روپوش ہوگیا۔ (تفصیل کے لیے مطالعہ کریں: سوانح قاسمی، مولانا مناظر احسن گیلانی۔ انوار قاسمی، پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی۔ بانی دارالعلوم، از مولانا سرفراز خاں صفدر۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند، سیّد محبوب احمد رضوی)

قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۸۲۹ء-۱۹۰۵ء)

قطب الارشاد مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد انصاری گنگوہی ان نادرۂ روزگار ہستیوں میں سے ہیں جن کی نظیر تاریخ میں خال خال ہی نظر آتی ہے۔ آپ بیک وقت عظیم محدث، بلند پایہ فقیہ، مرشد برحق، قطب عالم اور علماء دیوبند کے سرخیل و پیشوا تھے۔

۶ر ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۹ء) کو گنگوہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے ماموں مولوی محمد تقی اور مولوی محمد بخش رام پوری سے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ کر عازم دہلی ہوئے۔ وہاں چند کتابیں قاضی احمد الدین جہلمی اور مفتی صدر الدین آزردہؒ سے اور بیشتر علوم و فنون کی کتابیں استاذ العلماء، مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے پڑھیں۔ حدیث کی سند مولانا شاہ عبد الغنی مجددیؒ سے حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت

کی۔ کچھ عرصہ مرشد کی خدمت میں رہ کر سلوک و معرفت کی تمام منزلیں طے کرلیں اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ پھر گنگوہ میں بیٹھ کر ۱۲۶۵ھ سے ۱۳۱۴ھ تک تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا۔ اس کے بعد بصارت جاتی رہی تو وفات تک درس و تدریس کے بجائے اصلاحِ باطن و تربیت مریدین میں مشغول رہے۔ آپ کے درس حدیث سے تین سو سے زائد جید علماء فیضیاب ہوئے جنھوں نے ملک و بیرونِ ملک علم حدیث کی اشاعت کی۔ آپ کی زندگی سراپا سنت تھی۔ اتباع سنت، عمل بالعزیمت اور استقامت علی الشریعت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں معرکۂ شاملی کے علمبردار رہے جس کی پاداش میں گرفتار ہوئے۔ چھ ماہ مظفر نگر جیل میں رہ کر رہا ہوئے۔ تین بار ۱۲۸۰ھ، ۱۲۹۴ھ اور ۱۲۹۹ھ میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے وصال کے بعد آپ دارالعلوم کے سرپرست ہوئے بلکہ آپ کی ذات پورے طبقہ کے لیے مرجع و ماویٰ بن گئی۔ تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دی تاہم چند وقیع تصانیف یادگار ہیں۔ آپ کے درسی افادات کو مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ نے قلم بند کرلیا تھا جو ان کے جلیل القدر فرزند شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے مرتب کر کے "لامع الدراری"، "الکوکب الدری" اور "الحل المفہم" کے نام سے شائع کردی ہیں۔ ۸ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ (۱۱ر اگست ۱۹۰۵ء) کو گنگوہ میں یہ آفتاب عالمتاب بھی غروب ہوگیا۔ (تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو: تذکرۃ الرشید از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

مولانا محمد منیر نانوتویؒ (پیدائش ۱۸۳۱ء)

آپ مولانا محمد مظہر شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور اور مولانا محمد احسن نانوتویؒ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۸۳۱ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد حافظ لطف علیؒ سے حاصل کی پھر دہلی پہنچ کر مولانا مملوک علی نانوتویؒ، مفتی

صدر الدین آزردہ اور شاہ عبد الغنی مجددیؒ سے جملہ علوم کی تکمیل کی۔
جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے ایک اہم سرگرم کارکن اور مجاہد تھے۔ شاملی اور تھانہ بھون کے معرکوں میں شریک رہے اور خوب دادِ شجاعت دی۔ جنگ میں ناکامی کے بعد روپوش ہوگئے۔ عام معافی کے بعد اپنے بھائی مولانا محمد احسن نانوتویؒ کے پاس بریلی چلے گئے۔ وہاں ۱۳ر مئی ۱۸۶۱ء کو بریلی کالج میں ملازم ہوگئے۔ ۱۸۷۷ء میں بریلی کالج سے ریٹائر ہوئے۔ مطبع صدیقی بریلی کے مہتمم رہے۔ اسی زمانہ میں امام غزالیؒ کی مشہور کتاب "منہاج العابدین" کا اردو ترجمہ "سراج السالکین" کے نام سے کیا۔ کچھ عرصہ مطبع مجتبائی دہلی سے بھی تعلق رہا۔ ۱۲۹۵ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ آپ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ سے جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے۔ آپ کے زمانۂ اہتمام میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے حضرات طالب علم تھے۔ ۱۳۲۱ھ تک حیات تھے۔ تاریخ وفات کا تذکرہ نہیں ملتا۔ (مزید کے لیے دیکھیں: تذکرہ مشائخ دیوبند، ص ۱۶۳ تا ۱۶۴، از مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری۔ تذکرہ مولانا محمد احسن نانوتوی، ص ۱۵۷ تا ۱۶۰، از پروفیسر محمد ایوب قادری)

قاضی عبد الجلیل شہیدؒ (۱۸۱۰ء-۱۸۷۵ء)

قاضی عبد الجلیل علی گڈھیؒ مولانا ریاض الدین اسرائیلی شارح قصیدہ بردہ کے فرزند شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کے تلمیذ رشید ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کے مجاہد، جامع مسجد علی گڈھ کے امام تھے۔ ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں شہر علی گڈھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا بزرگ علی مارہروی سے تعلیم پائی اور حدیث کی سند شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے حاصل کی۔ اور اپنے شہر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کردیا۔ ایک طویل مدت نواب محمود علی خان نواب چھتاری کے یہاں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر

سلوک ومعرفت کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۵۷ء کی جہاد آزادی میں علی گڑھ کے محاذ پر انگریزی فوجوں سے زبردست مقابلہ کیا۔ آخر تک ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ ۷ رمحرم ۱۲۷۳ھ کو اپنے ۲۷ ساتھیوں کے ساتھ جامِ شہادت نوش کیا۔ جامع مسجد علی گڈھ کے شمالی دروازہ کے قریب تدفین عمل میں آئی۔ جنگ کے بعد انگریزوں نے جوشِ انتقام میں آپ کے مکانات و جائداد کو کھدوا کر پھینک دیا۔ آپ کے صاجزادے مولانا محمد اسماعیلؒ کی تعلیم کے لیے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کچھ عرصہ علی گڈھ میں قیام کیا جنھوں نے علم سے آراستہ ہوکر اپنے باپ کے نام کو روشن کیا۔ (نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۲۳۸، علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۳۱۶-۳۱۷)

مولانا فیض احمد بدایونی (پیدائش ۱۸۰۸ء)

مولانا فیض احمد ابن حکیم غلام احمد عثمانی بدایونیؒ ۱۸۵۷ء کے نامور مجاہد تھے۔ ۱۲۲۳ھ (۱۸۱۸ء) میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والدہ کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت ہوئی۔ اپنے ماموں مولانا فضل رسول بدایونی سے اکتسابِ علم کیا۔ صرف چودہ سال کی عمر میں تمام علوم وفنون کو حاصل کرلیا اور آپ کو اجازت درس مل گئی۔ علوم ظاہری سے فراغت کے بعد اپنے نانا مولانا عبدالمجید بدایونی خلیفہ اچھے میاں مارہرویؒ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوکر علومِ باطنی کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد ایک عرصہ تک بدایوں میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر صدر نظامت آگرہ میں سرکاری ملازم ہوگئے۔ ملازمت کے دوران بھی طلبہ کو درس دیتے تھے۔ اسی زمانہ میں سرولیم میور نے آپ سے عربی پڑھی۔ ۱۸۵۴ء میں پادری فنڈر اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے درمیان جو معرکہ الآراء مناظرہ ہوا تھا جس نے عیسائیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر بند لگادی تھی اس میں ڈاکٹر وزیر خان کے ساتھ آپ بھی مولانا کیرانوی کے معین ومددگار تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جہاد آزادی میں جنرل بخت خان کے

ساتھ دہلی، لکھنؤ، شاہجہاںپور اور بدایوں کے محاذوں پر یہ مردانہ وار انگریزی فوجوں سے برسرِ پیکار رہے۔ گنگرالہ کے معرکہ کے بعد ایسے روپوش ہوئے کہ آپ کے ماموں مولانا فضل رسولؒ نے آپ کی تلاش میں قسطنطنیہ تک سفر کیا مگر کہیں سراغ نہ لگ سکا۔ صاحبِ نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے کہ ۱۲۷۳ھ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۳۸۰ تا ۳۸۲، علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۳۵۶ تا ۳۶۲)

مولانا کفایت علی کافیؔ شہیدؒ (متوفی ۱۸۵۸ء)

مولانا کفایت علی خانوادۂ سادات کے ایک رُکن، عالم فاضل طبیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔ کافیؔ تخلص تھا۔ مراد آباد وطن تھا۔ حضرت شاہ ابو سعید مجددیؒ سے علم حدیث کی تکمیل کی۔ اس علم شریف سے بے حد شغف تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے عشق تھا۔ اسی جذبہ عشق کا اظہار آپ کی شاعری میں ہے۔ ایک شعر میں کہتے ہیں:

بس آرزو یہی دلِ حسرت زدہ کی ہے — سنتا رہے شمائلِ احوالِ مصطفیؐ

آپ صاحبِ تصانیف عالم تھے۔ آپ کی تمام تر تصنیفات کا موضوع احادیث مقدسہ اور سیرتِ طیبہ ہے۔ بیشتر تصانیف نظم میں ہیں۔ بہار خلد، نسیم جنت، خیابانِ فردوس مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک حریت کے علمبرداروں میں تھے۔ نواب مجد الدین عرف نواب مجو خان کی آزاد حکومت میں صدر الشریعت تھے۔ جب مراد آباد میں نواب رام پور کی بالادستی قائم ہوئی تو انگریزوں کے خلاف ایک فتویٰ جہاد مرتب کیا۔ اس فتویٰ کو دیگر مقامات پر بھی پہنچایا۔ ۲۵/ اپریل ۱۸۵۸ء کو مراد آباد پر انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہوا تو یہ عظیم مجاہد ۳۰/ اپریل ۱۸۵۸ء (۱۶/ رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ) کو گرفتار کر کے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ جس وقت آپ کو پھانسی کے لیے لے جایا گیا تو آپ عشق رسولؐ میں ڈوبے ہوئے باآوازِ ترنم ایک نظم پڑھ رہے تھے جس کا ایک شعر یہ ہے:

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہؐ کا دینِ حسن رہ جائے گا

مولانا کافیؔ مرحوم کو جیل مراد آباد کے پاس مجمع عام میں پھانسی دی گئی۔ وہیں تدفین عمل میں آئی۔ (نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۳۹۹۔ علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۲۶۷ تا ۲۷۹)

مولوی وہاج الدین مراد آبادی (متوفی ۱۸۵۸ء)

مولوی وہاج الدینؒ خلف مولوی جمیل الدینؒ ابن مولوی وجیہ الدینؒ ابن مفتی شیر محمدؒ مراد آباد کے ممتاز، بااثر، قوم پرور اور جلیل القدر رئیس تھے۔ نہایت ہی فیاض، سیر چشم اور مہمان نواز تھے۔ مذہب کے معاملہ میں آہنی ستون، عبادت گذار اور شجاعت و بہادری میں بے مثال تھے۔ مولوی صاحبؒ کو عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ انگریزی زبان پر بھی پوری قدرت حاصل تھی۔

۱۸۵۷ء کی جہادِ آزادی میں ایک قائد کی حیثیت سے انتہائی سرگرمی سے کام کیا۔ آپ تین بھائی تھے جو جنگِ آزادی میں دوش بدوش رہے۔ ۱۹ رمئی ۱۸۵۷ء کو آپ کی قیادت میں مجاہدین کے جم غفیر نے جیل خانہ مراد آباد پر حملہ کر کے تمام قیدیوں کو رہا کرالیا۔ آپ دیہات دیہات دورہ کرتے اور جنگِ آزادی کی تحریک میں شمولیت کی دعوت دیتے رہے۔ جب انگریزوں نے نواب رام پور کی کثیر فوج لے کر مراد آباد پر حملہ کیا تو شاہزادہ فیروز شاہ کی سرپرستی اور آپ کی کمان میں مجاہدینِ آزادی نے نواب کی فوج اور انگریزوں سے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن ساز و سامان میں انگریزی فوج کا مقابلہ نہ کرسکے، شکست ہوگئی اور انگریز ۲۵ راپریل ۱۸۵۸ء کو شہر پر دوبارہ قابض ہوگئے پھر برسرِ اقتدار آتے ہی شمع حریت کے پروانوں کی ایک فہرست تیار کی گئی۔ گرفتاریاں شروع کردی گئیں اور محبانِ حریت پر ایک ایک کر کے سزائے موت کا حکم جاری کیا گیا۔ رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ (اپریل ۱۸۵۸ء) میں ایک دن عصر و مغرب کے درمیان ایک فوجی رسالہ آپ

کے دیوان خانہ میں داخل ہو کر آپ کو ایک ملازم سمیت گولیوں سے بھون ڈالا۔ کلمہ پڑھتے ہوئے آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی۔ محلہ کنجری سرائے کچہری روڈ پر نعل بندوں کی مسجد کے قریب آپ کا مزار ہے۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۲۷۹ تا ۲۸۵)

مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی (۱۲۰۴ھ-۱۲۷۵ھ)

عزم و ہمت، حمیت ملّی اور غیرتِ وطن کا وہ شعلۂ جوالہ جو "چنیا پٹن" سے اُٹھا، دہلی اور آگرہ میں چمکا۔ سرزمینِ اودھ میں پہنچا، روہیل کھنڈ میں شعلہ افشاں ہوا، پھر اسی کے ایک گوشہ میں محوِ سکون ہو گیا۔ اس کو ۱۸۵۷ء کی جان مضطرب کہا جائے یا شہداء ۱۸۵۷ء کا سر تاج دونوں درست۔ اپنے تو اپنے غیر بھی اس کے علم و عمل، قوتِ روحانی اور جرأتِ ایمانی کے معترف ہیں۔ ۱۲۰۴ھ میں نواب سیّد محمد علی نواب چنیا پٹن (مدراس) کے گھر پیدا ہوئے اور ۱۳/ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ (۵/جون ۱۸۵۸ء) کو جامِ شہادت نوش کیا۔ آپ کے کچھ حالات اور کارنامے کتاب میں ص ۶۴ تا ص ۶۸ مذکور ہیں۔ (مزید معلومات کے لیے علماء ہند کا شاندار ماضی، ص ۳۱۰ تا ۳۲۴ کا مطالعہ کریں)

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (۱۸۵۱ء-۱۹۲۰ء)

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ایک عظیم محدث، بے مثال مفسر، جلیل القدر شیخ، بلند پایہ عالم، مدبر قائد اور تحریکِ حریت و انقلاب کے امام تھے۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ، اخلاص و للّٰہیت، جرأت و ہمت، استقامت و عزیمت، تدبر و ذکاوت، جوشِ جہاد و جذبۂ حریت اور ایثار و قربانی میں اپنی پوری صدی میں یگانۂ روزگار تھے۔ بلاشبہ آپ چودھویں صدی ہجری کے سب سے عظیم انسان تھے۔ شیخ الہندؒ ہی نہیں بلکہ شیخ العالم تھے۔

آپ کی پیدائش ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) میں بریلی میں ہوئی جہاں آپ کے والد

مولانا ذوالفقار علیؒ بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ نشوونما دیوبند میں ہوئی جو آپ کا وطن اصلی تھا۔ ابتدائی تعلیم ایک دیندار بزرگ میاں جی منگلوری سے حاصل کی اور عربی کتابوں کا درس اپنے چچا مولانا مہتاب علی دیوبندیؒ سے شروع کیا۔ قدوری و تہذیب پڑھ رہے تھے کہ محرم ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۷ء) میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ آپ اس کے اوّلین طالب علم ہو کر داخل ہوئے اور مدرسہ کے اوّلین استاذ ملا محمود دیوبندیؒ و دیگر اساتذۂ عالی مقام سے اکتسابِ علوم و فنون کیا اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے دیوبند و میرٹھ میں رہ کر حدیث پاک اور دیگر اعلیٰ علوم کو حاصل کیا۔ کچھ کتابیں والد ماجد سے پڑھیں جو ایک متبحر عالم و بلند پایہ ادیب تھے۔ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں فارغ التحصیل ہو کر حضرت الاستاذ مولانا نانوتویؒ کے دست مبارک سے دستار فضیلت حاصل کی۔ ۱۲۹۱ھ میں دارالعلوم میں مدرس چہارم مقرر ہوئے۔ بتدریج ترقی کر کے ۱۳۰۸ھ میں صدارت تدریس کے منصب پر فائز ہوئے جس پر تادم حیات قائم رہے۔ آپ کے دورِ صدارت میں ۸۶۰ طلبہ نے دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے فراغت حاصل کی جبکہ آپ کے چشمۂ فیض سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ آپ کے حلقۂ تلامذہ میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، اور مفتی اعظم مفتی کفایت اللہؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیات شامل ہیں۔ آپ کے دورِ صدارت میں دارالعلوم کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔

سلوک و معرفت کی تحصیل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے کی اور دونوں کی طرف سے اجازت بیعت و خلافت حاصل ہوئی۔

تحریکِ آزادی ہند میں آپ کی خدمات عدیم النظیر اور کارنامے بے مثال ہیں۔ آپ کی جدوجہد آزادی کا زمانہ بڑا طویل ہے۔ آپ نے آزادی کی جدوجہد

اس وقت شروع کردی تھی، جبکہ انڈین نیشنل کانگریس وجود میں نہ آئی تھی۔ ۱۸۷۸ء میں "انجمن ثمرۃ التربیت" قائم کرکے جدوجہد کا آغاز کیا۔ ۱۹۰۹ء میں "جمعیۃ الانصار" ۱۹۱۳ء میں "نظارۃ المعارف القرآنیہ" پھر ۱۹۱۶ء میں "تحریکِ ریشمی رومال" کے نام سے آپ کی انقلابی سرگرمیاں ظاہر ہوئیں۔ استخلاص وطن کا ایسا انقلابی منظم منصوبہ بنایا تھا۔ اگر وہ کامیابی سے ہمکنار ہوجاتا تو شاید پوری دنیا سے انگریزوں کا وجود مٹ جاتا آپ کی تحریکِ انقلاب کا دائرہ ہندوستان سے روس، جرمنی، ترکی، افغانستان اور بلادِ عرب تک پھیلا ہوا تھا مگر وائے ناکامی تدبیر تحریک کا راز فاش ہوگیا۔ وابستگان تحریک برطانوی قید خانوں میں نظر بند کردیے گئے۔ آپ کو بھی چار رفقاء سمیت مکہ معظمہ سے قید کرکے مصر و مالٹا کے قید خانہ میں ڈال دیا جہاں تقریباً ساڑھے تین سال گذار کر جون ۱۹۲۰ء میں ہندوستان آئے۔ ابھی چھ ماہ ہی گذرے تھے کہ ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء (۱۸ر ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ) کو دہلی میں طویل علالت کے بعد عازم سفر آخرت ہوئے۔ دیوبند لاکر اس گنجینۂ علم و سیاست کو دفن کردیا گیا۔ اسارت مالٹا سے واپسی کے بعد علالت کے ایام میں بھی آزادیٔ ہند کی مساعی جاری رہیں۔ فتویٰ ترک موالات، علی گڈھ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی سنگِ بنیاد، دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاسِ عام کی صدارت ان ہی دنوں کے کارنامے ہیں۔ (تفصیل کے لیے مطالعہ کریں: نقش حیات، سفر نامہ اسیر مالٹا، از شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، علماء حق، تحریک شیخ الہند، اسیران مالٹا از مولانا محمد میاں، تذکرۂ شیخ الہند از مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری، مقامِ محمود (مقالات شیخ الہند سمینار) شیخ الہند حیات اور علمی کارنامے، از ڈاکٹر اقبال حسن خان)

مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ (۱۸۵۰ء-۱۹۱۲ء)

مولانا سیّد احمد حسن خلف سیّد اکبر حسین رضوی امروہویؒ اپنے عہد کے ممتاز عالم اور جلیل القدر محدث تھے۔ حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے نامور شاگردوں میں سے تھے۔ امروہہ کے رضوی سادات گھرانے میں ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰ء) میں پیدا

ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن کے اساتذہ سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد علم طب کی تحصیل کی۔ اس کے بعد قاسم العلوم والمعارف حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں میرٹھ پہنچ کر ان کے دریائے فضل و کمال سے فیضیاب ہوئے۔ حضرت نانوتویؒ نے تمام علوم و فنون کی تعلیم دے کر ایک دو سال کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیج دیا۔ وہیں ۱۲۹۰ھ میں اپنے دستِ مبارک سے دستارِ فضیلت عطا کی۔ سلوک و معرفت کی تعلیم اوّلاً حضرت نانوتویؒ سے حاصل کی۔ پھر ۱۲۹۴ھ میں سفرِ حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے شرف بیعت حاصل کیا اور اجازت بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ قاسمیہ خورجہ، جامع مسجد سنبھل، مدرسہ عبد الرب دہلی میں درس و تدریس کی خدمات انجام دے کر ۱۲۹۶ھ میں مدرسہ شاہی مراد آباد کے پہلے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ ذیقعدہ ۱۳۰۳ھ تک اس منصب پر رہ کر اپنے وطن امروہہ آگئے پھر تاحیات جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں مصروفِ تدریس رہے۔ آپ کے باکمال تلامذہ کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے جس میں مفسرِ قرآن مولانا عبد الرحمٰن امروہوی، مولانا محمود حسن سہسوانی جیسے ماہرین علم و فن شامل ہیں۔ درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی رہا اور اسلام کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں کے خلاف بھی سینہ سپر رہے۔ گلاوٹھی، نگینہ اور رام پور میں اہل باطل سے کامیاب مناظرے کیے۔ آپ علومِ قاسمیہ کے امین اور تصویر تھے اور شیخ الہندؒ کی انجمن ثمرۃ التربیت کے بانی ارکان میں سے تھے اور موتمر الانصار مراد آباد کی صدارت کی۔

آپ مرض طاعون میں مبتلا ہو کر ۲۹/ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ (۱۸/مارچ ۱۹۱۲ء) کو امروہہ میں واصل الی الحق ہوئے۔ "شہیدِ اعظم" مادۂ تاریخ وفات ہے۔ جامع مسجد امروہہ کے صحن میں جانبِ جنوب آسودۂ خواب ہیں۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیں: مقدمہ مکتوبات سید العلماء، ص ۱۸ تا ۶۲، ندائے شاہی تاریخ شاہی نمبر، ص ۲۹۰ تا ۳۰۱، ماہنامہ دارالعلوم دسمبر ۱۹۵۳ء تا ستمبر ۱۹۹۴ء، ۹ قسطوں پر مشتمل مضمون مولانا نسیم احمد فریدیؒ)

مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ (متوفی ۱۸۹۸ء)

مولانا فخر الحسن بن عبد الرحمٰن خلف حبیب الرحمٰن گنگوہیؒ حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ گنگوہ وطن تھا۔ ابتداء میں وہیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے تعلیم پائی۔ ۱۲۸۴ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ شیخ الہندؒ اور مولانا احمد حسن امروہویؒ کے ہم درس تھے۔ حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں رہ کر ان کے دریائے فیض سے مالا مال ہوئے۔ ۱۲۹۰ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ دار العلوم سے فراغت حاصل کر کے دستارِ فضیلت حاصل کی۔ فراغت کے بعد ایک عرصہ تک حضرت نانوتویؒ کے ساتھ سفر و حضر میں رہے۔ مناظرہ میں کمال تھا۔ مباحثہ شاہجہانپور آپ ہی کا مرتب کردہ ہے۔ مدرسہ قاسمیہ خورجہ اور مدرسہ عبد الرب دہلی میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں، خورجہ کے مدرسہ میں صدر مدرس رہے۔

آپ نے سنن ابوداؤد کا حاشیہ "التعلیق المحمود" کے نام لکھا۔ اسی طرح ابن ماجہ شریف کا حاشیہ تحریر فرمایا۔ ہر دو حواشی مطبع مجیدی کانپور سے طبع ہوئے۔ آپ نے حضرت نانوتویؒ کی ایک مفصل سوانح لکھی تھی جو قیام کانپور کے زمانہ میں گھر میں آگ لگنے کی وجہ سے خاکستر ہوگئی۔ اخیر زمانہ میں کانپور میں قیام تھا۔ مطب ذریعۂ معاش تھا، وہیں ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۸ء) میں وفات پائی۔ (مزید معلومات کے لیے دیکھیں: فخر العلماء مرتبہ ڈاکٹر اشتیاق اظہر کراچی)

مولانا فتح محمد تھانوی (متوفی ۱۳۲۲ھ)

مولانا فتح محمد تھانویؒ دار العلوم دیوبند کے ابتدائی فضلاء میں ایک جید عالم، فقیہ اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ولادت اور نشو و نما تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم حاصل کر کے ۱۲۸۴ھ میں دار العلوم میں داخل

ہوئے۔ مختصر المعانی سے دورۂ حدیث تک تعلیم ملا محمود دیوبندی اور استاذ العلماء مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے حاصل کر کے ۱۲۸۵ھ میں فراغت حاصل کی۔ مولانا قطب الدین دہلوی، مولانا عبدالرحمٰن محدث پانی پاتی اور مولانا احمد علی سہارنپوریؒ سے سند حدیث حاصل کی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تکمیل کی۔ آپ انتہائی حلیم، متواضع، عابد، زاہد اور بہترین مجوّد اور قاری تھے۔ فراغت کے بعد تھانہ بھون میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں بھی استاذ رہے۔ اسی زمانہ میں مولانا عبدالحیؒ حسنی لکھنوی صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ سے اصول الشاشی اور شرح جامی کا درس لیا۔ ستر سال کی عمر میں ۱۳۲۲ھ کو تھانہ بھون میں وفات ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۳۵۲، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء، ص ۶۰-۶۱، از قاری فیوض الرحمٰن، مشاہیر علماء دار العلوم، ص ۲۳-۲۴)

مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھویؒ (متوفی ۱۳۴۴ھ)

مولانا عبداللہ بن انصار علی انبیٹھویؒ حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے شاگرد و داماد اور استاذ العلماء مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے نواسہ تھے۔ ولادت اور نشو و نما انبیٹھہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وطن میں پائی۔ ۱۲۸۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے حدیث شریف پڑھ کر ۱۲۸۷ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ، مولانا عالم علی نگینویؒ اور مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ سے بھی مختلف اوقات میں حدیث کی سند حاصل کی۔ ایک عرصہ تک مکہ مکرمہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پاس حاضر رہ کر مثنوی مولانا روم کا درس لیا اور سلوک کی تکمیل کی اجازت و خلافت حاصل ہوئی۔

فراغت کے بعد مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی میں صدر مدرس ہوئے۔ ۱۳۱۱ھ میں سرسید نے علی گڈھ کالج میں ناظم دینیات کے عہدہ پر فائز کیا۔ وہاں وعظ و

نصیحت اور خطابت کا سلسلہ رہا۔ حضرت نانوتویؒ کی بڑی صاحبزادی آپ سے منسوب تھیں۔ تحریکِ شیخ الہند کے مشہور مجاہد مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ آپ کے فرزند ارجمند اور ہندوستان کے مشہور عالم، ادیب اور صحافی مولانا حامد الانصاری غازی آپ کے پوتے تھے۔ ۱۳۴۴ھ کے لگ بھگ بمبئی میں آپ کی وفات ہوئی۔

(نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۲۸۵-۲۸۶، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء، ۱۴۳، مشاہیر علماء دارالعلوم، ص ۲۴، از مفتی ظفیر الدین مفتاحی)

مولانا مفتی محمد مراد مظفر نگریؒ (۱۸۴۵ء-۱۹۱۴ء)

مولانا مفتی محمد مراد مظفر نگریؒ دارالعلوم دیوبند کے دورِ اوّل کے ممتاز فاضل حضرت نانوتویؒ کے شاگرد تھے۔ آپ کا وطن موضع امپ تحصیل پاک پٹن ضلع منٹگمری (ساہیوال) پنجاب تھا وہیں ۱۸۴۵ء (۱۲۶۲ھ) میں پیدا ہوئے، نسباً فاروقی بابا فریدالدین شکر گنج کی اولاد میں تھے۔ چار سال کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ والدہ اور ماموں کے زیرِ سایہ تعلیم حاصل کی۔ اردو فارسی کی تعلیم لاہور میں ہوئی اور ابتدائی عربی تعلیم دہلی میں حافظ غلام رسول ویران سے حاصل کی۔ اس کے بعد علی گڈھ میں مفتی لطف اللہ علی گڈھیؒ اور رام پور میں مولانا ارشاد حسین رام پوری کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر اکتسابِ علوم کیا۔ ۱۲۸۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ پانچ سال زیرِ تعلیم رہ کر ۱۲۹۲ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا سیّد احمد دہلویؒ اور ملا محمود دیوبندیؒ وغیرہ خاص طور پر شامل ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ سے بھی استفادہ کیا نیز آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت حاصل کی۔ فراغت کے بعد تمام وقت آپ کی خدمت میں گذارے۔

۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) میں علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ کر کے حضرت نانوتویؒ نے آپ کو حوض والی مسجد کھالاپار مظفر نگر میں ایک مدرسہ قائم کر کے

درس کے لیے بٹھادیا۔ تادم حیات اسی جگہ علم و معرفت کی روشنی پھیلاتے رہے۔ ۳؍رجب ۱۳۳۲ھ (۲۸؍مئی ۱۹۱۴ء) کو میں جمعہ کی اذان کے وقت وفات پائی۔ وسط شہر کی مسجد شاہ اسلام میں مدفون ہوئے۔ آپ کے چھوٹے صاحبزادے محمد رشید فریدی صاحب، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے داماد تھے جو تقسیم ملک کے وقت پاکستان چلے گئے تھے۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، جنوری ۱۹۷۲ء، ص ۴۳-۴۴، مضمون محمد رشید فریدی)

مولانا عبدالعلی میرٹھی (متوفی ۱۳۴۷ھ)

آپ فریدی خانوادہ کے چشم و چراغ، شیخ نصیب علیؒ کے صاحبزادہ باکمال اور حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے عاشق زار تلمیذ خاص تھے۔ عبد اللہ پور میرٹھ میں ولادت اور نشو و نما ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے وقت کے اکابر علم و فضل حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری وغیرہ سے اعلیٰ علوم کی تکمیل کی۔ آپ کو تمام علوم عقلیہ و نقلیہ پر عبور اور ادب و حدیث میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ تحصیل علوم کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور تاعمر قائم رکھا۔ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مراد آباد، مدرسۃ العلوم حسین بخش دہلی اور مدرسہ مولوی عبد الرب مرحوم دہلی میں پچاس سال سے زائد درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔ آپ کے حلقۂ تلامذہ میں حکیم الامت حضرت تانوتویؒ، محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ، قطب ارشاد حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ جیسے حضرات اکابر شامل ہیں۔ آپ کا زہد و ورع مثالی تھا۔ حضرت نانوتویؒ کے ساتھ فنائیت اور عشق کے درجہ کا تعلق تھا۔ آپ کا مشہور مقولہ ہے "قاسمی ہو جاؤ بھوکے ننگے نہ رہو گے" آخر عمر میں فالج کا حملہ ہو گیا تھا جو کئی سال رہا۔ اس حال میں جماعت کی نماز اور درس حدیث کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

۱۳؍جمادی الاوّل ۱۳۴۷ھ کو مدرسہ عبد الرب دہلی میں وصال ہوا۔ مہندیان میں تدفین عمل میں آئی۔ (مزید کیلئے دیکھیں: ماہنامہ ندائے شاہی، تاریخ شاہی نمبر، دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ۳۰۴-۳۱۶)

مولانا عبد اللہ شاہ جلال آبادیؒ (متوفی ۱۹۲۴ء)

آپ اپنے زمانہ کے متبحر عالم اور سلسلۂ قادریہ کے عظیم المرتبت شیخ تھے۔ اپنے آبائی وطن جلال آباد ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشو و نما ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مولانا فتح محمد جلال آبادی سے حاصل کی۔ منطق و فلسفہ مراد آباد میں اس فن کے متبحر علماء سے حاصل کیا۔ ۱۲۸۳ھ میں دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تو یہاں داخل ہو کر ۱۲۸۵ھ تک اکتسابِ علوم و فنون کیا۔ تکمیل حدیث مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ سے کی۔ ۱۲۸۷ھ میں مولانا قطب الدین دہلویؒ سے بعض کتب حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ دہلی میں قیام کے دوران حکیم ہشام الدین عرف حکیم منجھلے سے علم طب کی تحصیل کی۔ حضرت شاہ عبد الرحیم سہارنپوریؒ سے بیعت ہو کر مقاماتِ سلوک و معرفت حاصل کیے۔ پھر مرشد کی طرف سے قطبیت کرنال پر مامور ہوئے۔ شیخ و مرشد کے ارشاد پر کرنال کو اپنا وطن ثانی بنالیا۔ پھر تاعمر یہیں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور علم و معرفت کی شمع روشن کی۔ وعظ و نصیحت، تزکیہ و تبلیغ کے ساتھ تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ دی۔ تعلیمات رحیمی، قطرات، الختم الکامل، التوحید آپ کے علمی رسائل ہیں۔ ۲۱؍ شوال ۱۳۴۳ھ (۱۶؍مئی ۱۹۲۴ء) کو کرنال میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ دار العلوم دیوبند کے مشہور خطاط اور عالم مولانا اشتیاق احمدؒ آپ ہی کے سلسلہ کے بلند پایہ بزرگ تھے۔ (مزید حالات کے لیے دیکھیں: حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفاء، ص ۱۹۴ تا ۲۰۷، مرتبہ قاری فیوض الرحمٰن)

مولانا کرامت اللہ دہلویؒ (۱۸۴۸-۱۹۲۷ء)

مولانا کرامت اللہ دہلی کے مشہور واعظ اور بزرگ تھے۔ آپ کا خاندان رام پور

کا تھا۔ آپ کے دادا رام پور سے دہلی آئے۔ آپ محلہ سوئیوالان دہلی میں ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ تیرہ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور بیس سال کی عمر میں تمام علوم سے فراغت حاصل کرلی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے علم حدیث کی سند حاصل کی۔ معقولات کی کتابیں مولانا محمد حسن سنبھلیؒ اور مولانا عبدالعلی رام پوریؒ سے پڑھیں۔ فراغت کے بعد پانچ سال مدرسہ حسین بخش دہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ رکھا۔ ۱۳۰۵ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور اسی موقع پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت کی اور خلافت و اجازت بیعت حاصل ہوئی۔ حج سے واپسی کے بعد پیری مریدی کا سلسلہ جاری کیا اور باڑہ ہندو راؤ کی مسجد شیخان میں روزانہ فجر کے بعد مثنوی مولانا روم کا درس دینا شروع کیا۔ اسی کے ساتھ ہر جمعہ کو مسجد مدرسہ حسین بخش میں وعظ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ پھر یہ سلسلہ وعظ کوچہ قابل عطار کی مسجد میں منتقل ہوگیا۔ آپ کا وعظ موثر اور دل گداز ہوتا تھا۔ دنیا سے بے رغبتی و بے نیازی آپ کا خاص وصف تھا اور کسی کا دل دکھانی بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ آپ کا حلقہ ارادت دہلی کے علاوہ بمبئی، کلکتہ اور اطراف و اکناف تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ ۱۱-۱۲ر ستمبر ۱۹۲۷ء کی درمیانی شب میں اپنے مکان باڑہ ہندو راؤ پر واصل الی اللہ ہوئے اور احاطہ خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہوئے۔ (مزید کے لیے دیکھیں: دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۳۶۰ تا ۳۶۲، امداد صابری، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء، ص ۲۶۷ تا ۲۶۹)

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ (۱۸۷۲ء - ۱۹۴۴ء)

مولانا سندھیؒ ایک نابغۂ عصر عالم، محقق، مفسر، مدبر سیاستدان، فلسفۂ ولی اللہی کے شارح اور شیخ الہندؒ کی تحریک انقلاب کے ہیرو تھے۔ تحریک آزادیٔ ہند میں آپ کی خدمات محتاجِ تعارف نہیں۔ لیلائے آزادی کے حصول میں ۲۴ سال ملکوں ملکوں بادیہ پیمائی کی۔

آپ ۱۲ ارمارچ ۱۸۷۲ء کو چیانوالی ضلع سیالکوٹ پنجاب کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اسکول کی تعلیم کے زمانہ میں اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا، تحفۃ الہند اور تقویۃ الایمان وغیرہ کتابوں کے مطالعہ سے اسلام کی صداقت و حقانیت اس درجہ دل میں راسخ ہو گئی کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر کوٹلہ رحم شاہ پہنچے اور ۱۵ ار اگست ۱۸۸۷ء کو قبولِ اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد چند ماہ سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ حافظ محمد صدیق بھرچونڈی کی صحبت میں رہے جس کی برکت سے اسلام آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔ کوٹلہ رحم شاہ، اور دین پور میں مختلف اساتذہ سے عربی تعلیم حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے چشمۂ علم و عرفان دیوبند پہنچے اور یہاں حضرت شیخ الہند اور دیگر اساتذہ سے تمام علوم و فنون کی تحصیل کی حدیث کی ایک کتاب سنن ابی داود قطب عالم حضرت گنگوہیؒ سے پڑھی، اور بھی چند اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ ۱۳۰۸ھ میں تعلیم سے فراغت ہوئی تو حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو اپنی تحریک اور مشن کا رازدار ممبر بنا کر سندھ واپس بھیج دیا جہاں آپ درس و تدریس اور دیگر علمی مشاغل کے ساتھ اس تحریک کے عزائم و مقاصد کو بروئے کار لانے میں مصروف رہے۔ ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) میں دیوبند بلا کر جمعیۃ الانصار کی ذمہ داری سپرد کی۔ ۱۳۳۱ھ (۱۹۱۳ء) میں دہلی بھیج کر نظارۃ المعارف القرآنیہ کا کام سپرد کیا۔ ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم کے شعلے بھڑک اٹھنے کے بعد آپ شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل پہنچے اور فرنگیوں کے خلاف اسلامی سلطنتوں کو متحد کرنے کی کوشش کی وہاں آزاد ہند حکومت قائم کی۔ مختلف ملکوں کا دورہ کیا۔ عالمی سیاست دانوں سے تبادلۂ خیال کیا۔ ماسکو اور جرمنی تک آزادیٔ ہند کی تلاش میں پہنچے۔ ادھر تحریک شیخ الہندؒ کے ناکام ہو جانے پر آپ کے لیے جلاوطنی کا حکم صادر ہوا۔ ملک میں تمام رہنما جیلوں سے آزاد ہو گئے مگر آپ کی جلاوطنی ختم نہ ہوئی۔ ۱۹۳۷ء میں کانگریسی وزارتوں کا قیام ہوا تو پابندی اٹھائی گئی۔ ۲۴ سال بعد وطن کی سرزمین پر قدم رکھا۔ کچھ عرصہ دہلی اور لاہور میں قیام رہا۔ طویل جلاوطنی و مسافرت نے توانائیوں کو مضمحل کر دیا تھا۔

پھر بھی کچھ نہ کچھ سرگرمیاں جاری رہیں۔ آپ ۲۲/ اگست ۱۹۴۴ء کو رحمتِ حق سے جا ملے اور دین پور میں مدفون ہوئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: نقشِ حیات، جلد دوم۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۳۰۴ تا ۳۱۲۔ تاریخ سندھ، ج ۳، ص ۱۹۷ تا ۲۰۴، اعجاز الحق قدوسی۔ تحریک شیخ الہندؒ، مولانا محمد میاںؒ۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور ان کے ناقد، از مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ (۱۸۷۹ء-۱۹۵۷ء)

شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ ایک عظیم محدث، اولو العزم مجاہد اور بلند پایہ شیخ طریقت تھے۔ ان کی ذات گرامی محتاجِ تعارف نہیں کیونکہ اس آفتاب عالمتاب کی ضیاپاشی سے ہندوستان ہی نہیں پورا عالم منور ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹/ شوال ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) کو بانگر مئو ضلع اُناؤ میں ہوئی جہاں والد گرامی سیّد حبیب اللہؒ بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن مالوف الٰہ داد پور ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں ہوئی اور درس نظامی کی مکمل تعلیم ۱۳۰۹ھ سے ۱۳۱۶ھ تک حضرت شیخ الہندؒ کی آغوشِ تربیت میں رہ کر دار العلوم دیوبند میں حاصل کی۔ روحانی کمالات کا اکتساب قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی فیض صحبت میں کیا۔ ۱۳۱۶ھ میں والد ماجد اور پورے اہل خانہ کے ساتھ عازم مدینہ منورہ ہوئے۔ حج کی سعادت سے مشرف ہو کر محرم ۱۳۱۷ھ کی ابتدائی تاریخوں میں مدینہ منورہ میں شرف حضور حاصل ہوا جہاں ۱۳۳۵ھ تک قیام رہا۔ اس عرصہ میں تین بار ہندوستان کا سفر ہوا جس میں چار سال صرف ہوئے۔ کم و بیش چودہ سال مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں درس کی سعادت حاصل رہی پھر حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ اسیر مالٹا ہوئے۔ اسارت مالٹا سے واپسی کے بعد امروہہ، کلکتہ اور سلہٹ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۴۶ھ میں دار العلوم دیوبند کے منصبِ صدارت تدریس اور مسند شیخ الحدیث پر فائز ہوئے۔ تاحیات اس پر قائم رہے۔ اس عرصہ میں تین ہزار آٹھ سو چھبیس طلبہ نے دورۂ حدیث شریف

کی تکمیل کی۔ وعظ وارشاد، بیعت وتلقین کے ذریعہ لاکھوں افراد کی اصلاح ہوئی۔ ۱۶۷ حضرات آپ کی طرف سے اجازت بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے اور سینکڑوں افراد آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ صدہا مدارس قائم کیے اور ان کی سرپرستی فرمائی۔ ہندوستان کی تحریک آزادی میں تحریک ریشمی رومال، تحریکِ خلافت اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے قائدانہ کردار ادا کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد ملّی قیادت کا فریضہ انجام دیا اور ان کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ لیلائے آزادی کے حصول کے لیے چار بار قید و بند کی آزمائش سے ہمکنار ہوئے اور تقریباً ساڑھے سات سال اسیر فرنگ رہے۔ ۱۹۲۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں اس کی صدارت کا منصب سپرد ہوا جس پر تادم زیست فائز رہے۔ ۱۳ر جمادی الاوّل ۱۳۷۷ھ (۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء) کو علم وعمل اور زہد و تقویٰ کا یہ آفتاب عالمتاب دیوبند کے اُفق پر غروب ہوگیا۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیں: نقشِ حیات، الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر، علماء حق جلد دوم، تذکرہ شیخ مدنی، سیرت شیخ الاسلام، مآثر شیخ الاسلام، چراغ محمد، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، از فرید الوحیدی، شیخ الاسلام حیات وکارنامے (مقالات شیخ الاسلام سیمنار)

مولانا ابو سراج غلام محمد دین پوریؒ (۱۸۳۵ء-۱۹۳۶ء)

حضرت مولانا غلام محمد دین پوریؒ اپنے عہد کے بلند پایہ مشائخ میں سے تھے۔ آپ کا سلسلۂ رشد و ہدایت نہایت وسیع تھا۔ آپ کی ولادت موضع عالے خاں شرقی ضلع جھنگ میں ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ء) میں ہوئی۔ والد کا نام سردار حاجی نور محمد تھا جو ایک فقیر منش اور فقیر دوست انسان تھے۔ بستی مولویان میں تعلیم حاصل کی۔ ظاہری تعلیم شرح جامی تک تھی۔ قرآن کریم حفاظ کی طرح پختہ یاد تھا۔ البتہ باطنی علوم میں درجۂ امامت پر فائز تھے۔ سلسلۂ قادریہ کے مشہور بزرگ سید العارفین حافظ محمد صدیق بھرچونڈی شریف کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر انتہائی ریاضت و

مجاہدہ کیا اور ان کے خلیفۂ اوّل ہوئے۔ ریاست بہاولپور کے علاقہ خان پور میں "دین پور" کے نام سے ایک بستی بسائی جس کو اسلامی معاشرہ کا ایک مثالی نمونہ بنایا۔ حضرت مولانا سندھیؒ اور حضرت مولانا لاہوریؒ کے پیر و مرشد تھے اسی کے ساتھ تحریک شیخ الہندؒ کے اہم رکن تھے۔ اس سلسلہ میں گرفتار ہوئے چھ ماہ نظر بند رہے۔ آپ کے اعزہ احباب اور مریدین نے بھی اس تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے بقول آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے اہم پایہ بزرگ تھے۔ ۳۰/ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ (۲۴/ مارچ ۱۹۳۶ء) کو سو سال کی عمر میں وصال ہوا۔ (تفصیلی حالات کیلئے دیکھیں: ید بیضا، مرتبہ حاجی عبیدی، بیس مردانِ حق، ص ۲۲۳ تا ۵۲۴، جلد اوّل، مرتبہ عبدالرشید ارشد)

مولانا سیّد تاج محمود امروٹیؒ (۱۸۵۹ء-۱۹۲۹ء)

مولانا سیّد تاج محمود امروٹیؒ سندھ کے عظیم روحانی پیشوا، عظیم المرتبت شیخ، مجاہد بزرگ اور سیاسی و سماجی رہنما تھے۔ گوٹھ دیوانی ضلع خیرپور سندھ کے مشہور خانوادۂ سادات میں ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ والد محترم سیّد عبدالقادر شاہؒ اور مولانا عبدالقادر پھلواریؒ سے تعلیم حاصل کی۔ سیّد العارفین حافظ محمد صدیق بھرچونڈی شریف سے بیعت ہو کر کسبِ فیض کیا اور ان کے خلیفۂ دوم ہوئے۔ آپ کی زندگی اشاعتِ اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ سے عبارت تھی۔ تبلیغِ دین زندگی بھر وظیفہ رہا۔ سات ہزار غیر مسلم آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جذبۂ جہاد سے آپ کا سینہ ہمہ وقت سرشار رہتا تھا۔ آزادیٔ ہند کی تمام تحریکات میں نمایاں حصہ لیا۔ تحریک شیخ الہندؒ کے اہم ممبر تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں سے تھے۔ جمعیۃ علماء سندھ کے ہمیشہ سرپرست رہے۔ تحریکِ خلافت کے پرجوش لیڈر تھے۔ ۶/ ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس آپ کی صدارت میں ہوا جس میں سب سے پہلے ترکِ موالات کی تجویز پاس ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ سندھی کے قادر الکلام شاعر اور بہترین انشاپرداز تھے۔ سندھی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ آپ کی عظیم یادگار

ہے۔ ۵؍ نومبر ۱۹۲۹ء کو واصل بحق ہوئے۔ (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ید بیضا، ص ۶۰-۶۴، از حافی عبیدی، تاریخ سندھ، ج ۳، ص ۱۹۶-۱۹۷، اعجاز الحق قدوسی، نقش حیات، ج ۲، ص ۱۹۶)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۸۶۳ء-۱۹۴۳ء)

آپ کی ذات محتاج تعارف نہیں آپ کی ذات ستودہ صفات آفتاب عالمتاب کی طرح روشن ہے۔ بلاشبہ آپ اپنے وقت کے مجدد اور حکیم الامت تھے۔ ۵؍ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۳ء) کو تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم تھانہ بھون اور میرٹھ میں ہوئی۔ ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ پانچ سال مشغول تعلیم رہ کر ۱۳۰۱ھ میں فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا سید احمد دہلویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ وغیرہ اکابر آپ کے اساتذہ ہیں۔ سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر اکتساب فیض کیا۔ اور ان کے عظیم المرتبت خلیفہ ہوئے۔ ۱۵؍ سال کانپور میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم رکھا۔ اس کے بعد پوری زندگی تبلیغ و تذکیر اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ اصلاح عقائد و عمال و ابطال رسوم و بدعات کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جس کی کوئی نظیر ماضی قریب کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپ کی اصلاحی و تربیتی سرگرمیوں سے ہزاروں انسانوں کو فیض پہنچا۔ کثرت تصانیف میں چودھویں صدی ہجری میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں۔ مختلف موضوعات پر تقریباً ایک ہزار تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کے خلفاء و مجازین بیعت کی تعداد ۱۶۴ ہے، جن کے ذریعے آپ کا فیض چار دانگ عالم میں پھیلا اور آج بھی جاری ہے۔ سیاسیات میں آپ اپنے استاد شیخ الہندؒ کے قافلہ میں شریک نہ رہے۔ پھر بھی جمعیۃ الانصار کے اجلاس میرٹھ کی صدارت فرمائی۔ ۱۹-۲۰؍ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب میں اس دنیائے فانی کو الوداع کہا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور تھانہ بھون کے قبرستان

"عشق بازاں" میں تدفین عمل میں آئی۔ (تفصیل کیلئے دیکھیں: اشرف السوانح، حکیم الامت نقوش و تاثرات، بیس بڑے مسلمان)

نواب وقار الملک (۱۸۴۱ء-۱۹۱۷ء)

آپ کا نام مشتاق حسین تھا۔ ۲۴ر مارچ ۱۸۴۱ء کو سراوہ ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ کنبوہ خاندان سے تعلق تھا۔ چھ ماہ کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والدہ کے زیر سایہ امروہہ میں تعلیم حاصل کی جہاں والد نے سکونت اختیار کرلی تھی، کچھ عرصہ مراد آباد وغیرہ میں ملازمت کی پھر حیدر آباد چلے گئے جہاں ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر بیش بہا خدمات انجام دیں۔ "وقار الملک" اور "وقار الدولہ" جیسے خطابات حاصل ہوئے۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قیام پر اس کے آنریری سکریٹری منتخب ہوئے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے لیے بھی آپ کی خدمات بے نظیر ہیں۔ اس کے اعلیٰ ذمہ داروں میں سے تھے، اسی کے ساتھ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کے سرپرست اور مختلف دینی و ملی اداروں کے ممبر تھے۔ علماء حق سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ سے خاص طور پر عقیدت تھے۔ ۲۷ر جنوری ۱۹۱۷ء کو امروہہ میں وفات ہوئی۔ وہیں آسودۂ خواب ہیں۔ آپ کے صاحبزادے مشتاق علی کامیاب بیرسٹر تھے۔ (تفصیلی حالات و خدمات کیلئے ملاحظہ کریں: وقار حیات، مرتبہ محمد امین زبیری)

مسیح الملک حکیم اجمل خان (۱۸۶۴ء-۱۹۲۷ء)

مسیح الملک حکیم حافظ اجمل خان شیدا دہلوی تحریکِ آزادی کے علمبردار اور دنیائے طب و حکمت کے شہنشاہ تھے۔ ۱۷ر شوال ۱۲۸۴ھ (۱۱ر فروری ۱۸۶۴ء) کو دہلی کے مشہور شریفی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حسبِ دستور گھر پر ہوئی۔ پھر دہلی کے اساتذۂ علم و فن پیر جی صدیق احمد دہلویؒ، مولانا عبد الحق حقانیؒ، مولانا

حکیم جمیل الدین نگینویؒ سے مروّجہ علوم و فنون کی تکمیل کی۔ والد گرامی حکیم محمود خان اور برادر بزرگ حکیم عبد المجید خانؒ سے طب کی تعلیم حاصل کر کے شہرۂ آفاق طبیب ہوئے۔ حکومت نے "حاذق الملک" کا خطاب اور "تمغہ قیصرِ ہند" عطا کیا جس کو آپ نے تحریک ترکِ موالات کے موقع پر واپس کر دیا۔ آزادیٔ ہند کی ہر تحریک میں آپ کا قائدانہ رول ہے۔ تحریکِ خلافت ہو یا ترکِ موالات، مسلم لیگ ہو یا جمعیۃ علماء، کانگریس ہو یا اور کوئی تحریک، جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام دہلی منعقدہ ۱۹۲۰ء کے آپ صدر استقبالیہ تھے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پہلے امیرِ جامعہ آپ ہی ہوئے۔ آپ جامعہ کے امیر ہی نہیں بلکہ کفیل بھی تھے۔ طبیہ کالج دہلی آپ کی عظیم یادگار ہے۔ ملک کے دیگر دینی و ملّی اداروں کے ترقی و استحکام میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔ انسان دوستی اور انسانی ہمدردی آپ کا فطری جوہر تھا۔ سیکڑوں غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کے مسیحا تھے۔

اسی کے ساتھ خوش گو شاعر اور باکمال نثر نگار بھی تھے۔ آپ کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔ تصنیفات میں "حاذق" انتہائی مشہور ہے۔ ۲۸-۲۹ر دسمبر ۱۹۲۷ء کی درمیانی شب میں ملک و ملت کا یہ مسیحا اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ رامپور میں وفات ہوئی اور دہلی کی مشہور درگاہ سیّد حسن رسول نما میں آخری آرام گاہ بنی۔ (مزید حالات کے لیے ملاحظہ ہو: ہندوستان کے مشہور اطباء، ص ۹۶ تا ۱۲۹، مرتبہ حکیم حبیب الرحمٰن، روزنامہ الجمعیۃ دہلی، ۲۹ر دسمبر ۱۹۷۶ء، ص ۲، حیات اجمل، از قاضی عبد الغفار)

مولانا محمد علی جوہرؔ (۱۸۷۸ء-۱۹۳۱ء)

محمد علی جوہرؔ ہندوستان کے اس عظیم انسان کا نام ہے جو انگریزی کا زبردست انشا پرداز، اردو کا قادر الکلام شاعر، آتش بیان مقرر، ماہر سیاستدان، تحریک آزادی کا علمبردار اور بے لوث رہنما تھا۔

۲۵ر ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ (۱۰ر دسمبر ۱۸۷۸ء) کو رام پور میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم بریلی ہائی اسکول میں ہوئی۔ علی گڈھ اور آکسفورڈ میں اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہوئے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ سے شرفِ ارادت حاصل کی۔ انھوں نے اپنے مدرسہ نظامیہ سے "مولانا" کی اعزازی سند عطا کی جس کی بنا پر آپ مسٹر کے بجائے مولانا سے مشہور ہوئے۔ آپ جنگِ آزادی کے عظیم جرنیل اور مجاہد تھے۔ تحریکاتِ آزادی میں آپ کی خدمات عدیم النظیر ہیں۔ اپنے انگریزی ہفت روزہ "کامریڈ" اور اردو روزنامہ "ہمدرد" کے ذریعہ تحریکِ آزادی کو پروان چڑھایا۔ مشہور مقدمۂ کراچی کے اصل ہیرو آپ ہی تھے۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ہمراہ دو سال کراچی جیل میں رہے وہاں حضرت شیخؒ سے درسِ قرآن لیا۔ اس سے قبل جنگِ عظیم کے موقع پر ساڑھے چار سال نظر بند رہ چکے تھے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی داغ بیل آپ ہی نے ڈالی تھی۔ ۴/ جنوری ۱۹۳۱ء کو لندن میں انتقال ہوا۔ جسدِ خاکی کو بیت المقدس لاکر دفن کیا گیا۔ (مزید حالات و خدمات کے لیے ملاحظہ ہو: سیرت محمد علی، مصنفہ رئیس احمد جعفری ندوی، محمد علی کی ذاتی ڈائری، از مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء-۱۹۵۸ء)

ہندوستان کے عظیم المرتبت قائد، جنگِ آزادی کے سپہ سالار، صاحبِ طرز انشاء پرداز اور ایک عہد آفریں انسان تھے۔ ۸/ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ (۱۷/ اگست ۱۸۸۸ء) کو مکہ معظمہ (زادہا اللہ شرفاً و عظمۃً) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام خیر الدین تھا جو ایک جید عالم اور صوفی باعمل تھے۔ کلکتہ میں نشو و نما ہوئی اور ساری تعلیم گھر پر ہوئی۔ مجتہدانہ دماغ کے مالک تھے۔ علوم و فنون پر گہری نظر تھی، اسی کے ساتھ سحر بیان خطیب و مقرر بھی تھے۔ آپ نے اپنے زبان و قلم سے ہزاروں لاکھوں سینوں میں آزادیٔ وطن کی آگ لگادی۔ آپ کے اخبار "الہلال" نے ملک کے چپہ چپہ میں آزادی کا بگل بجادیا۔ ۱۹۱۵ء میں آپ کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے حکومتِ بنگال نے جلاوطن کرکے رانچی میں نظربند کردیا۔ اس کے بعد بھی لیلائے

آزادی کے حصول میں بار بار قید و بند کے مرحلوں سے گذرنا پڑا تقریباً ۱۶ر سال جیل کی سلاخوں میں رہے۔ ابتدا ہی سے جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے۔ اجلاس عام لاہور (۱۹۲۱ء) اور اجلاسِ عام کراچی ۱۹۳۱ء کے صدر رہے۔ آزادی سے پہلے سات سال کانگریس کے صدر رہے۔ آزادی کی مشہور تحریک "کوئٹ انڈیا" ۱۹۴۲ء میں آپ کی قیادت میں چلائی گئی آزادی کے بعد کانگریس وزارت میں وزیر تعلیم رہے۔

آپ کی علمی وسیاسی اور ادبی وصحافتی خدمات پر اس قدر لکھا گیا ہے کہ اگر صرف ان کا اشاریہ تیار کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہوسکتی ہے۔ ۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء کو یہ آفتابِ علم وسیاست غروب ہو کر جامع مسجد دہلی کے سامنے ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگیا۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں: تذکرہ خودنوشت سوانح، آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی، الجمعیۃ آزاد نمبر وغیرہ)

حاجی صاحب ترنگزئیؒ (۱۸۵۸ء۔ ۱۹۳۷ء)

حاجی صاحب ترنگزئیؒ صوبہ سرحد میں تحریکِ حریت کے قافلہ سالار، عظیم انقلابی رہنما اور روحانی پیشوا تھے۔ آپ کا اصل نام فضل واحد تھا۔ ۱۸۵۸ء میں ترنگ زئی پشاور کے مشہور سادات خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی فضل احد تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں سیّد ابو بکر صاحبؒ سے حاصل کی۔ مزید تعلیم پشاور کے نواحی گاؤں تہکال پایاں کی درسگاہ میں حاصل کی جس کے مہتمم تحریک ولی اللّٰہی سے وابستہ تھے۔ مشہور مجاہد اور نامور عالم حضرت نجم الدین ہڈہ ملا صاحبؒ کے ہاتھ پر طریقہ قادریہ میں بیعت کی۔ ان کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ ۱۲۹۴ھ میں حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ اکابر کے ہمراہ سفر حج کیا۔ اس موقع پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی۔ ۱۹۰۸ء میں دوبارہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

آپ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک انقلاب سے وابستہ ہی نہیں بلکہ اس کے قائدین میں سے تھے۔ مرکز یاغستان کے امیر تھے۔ سامراجی فوجوں سے ہمیشہ برسر پیکار رہے۔ ۱۸۹۷ء میں اپنے پیر و مرشد ہڈہ ملا صاحب کی قیادت میں مالا کنڈ، ٹ خیلہ اور چکدرہ وغیرہ متعدد محاذوں پر انگریز فوجوں سے ٹکرلی اور جنگِ عظیم کے اعلان کے بعد آزاد قبائل میں پہنچ کر انگریزی فوج کی چھاؤنیوں پر چھاپے مار رپلٹنوں کی پلٹن صاف کر دیں۔ آپ کی کوشش سے پچاس سے زائد آزاد قومی رسے قائم ہوئے جنھوں نے پورے صوبہ میں انگریزوں کے خلاف ذہنی بیداری یدا کی اور آزادیٔ وطن کے مجاہد تیار کیے۔ ۴ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو اکیاسی سال کی عمر ں یہ مردِ مجاہد واصل بحق ہو گیا۔ آپ کے صاحبزادہ بادشاہ گل صاحب بھی مجاہد ر قومی لیڈر تھے۔ (تفصیل کیلئے دیکھیں: نقشِ حیات، ج ۲، ص ۲۳۰-۲۳۸ (طبع جدید) فرو شانِ سرحد، ص ۲۲۱-۲۳۶، از محمد شفیع صابر)

مولانا سیف الرحمٰن کابلی (۱۸۶۰-۱۹۵۰ء)

مولانا سیف الرحمٰن ایک مجاہد عالم، مدبر سیاستدان اور اعلیٰ پایہ کے مقرر تھے۔ صلاً قندھاری افغان تھے، مگر آپ کے آباو اجداد وہاں سے منتقل ہو کر پشاور کے شہور قصبہ شب قدر کے نواحی گاؤں متھرا میں رہنے لگے تھے۔ آپ اسی گاؤں میں ۱۸۵۲ء کے قریب پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندوستان کا سفر کیا۔ ٹونک میں رہ کر تعلیم کی تکمیل کی اور حدیث شریف حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ایک عرصہ تک ریاست ٹونک میں تعلیم و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں شیخ الحدیث و صدر مدرس کے منصب پر فائز ہوئے۔ دہلی کے زمانہ قیام میں حضرت شیخ الہندؒ سے رابطہ ہوا۔ ان کی تحریک انقلاب کے سرگرم ممبر بن گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑ کر یاغستان گئے وہاں

حاجی صاحب ترنگ زئی سے مل کر جہاد کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا اور حاجی صاحب کی قیادت میں محاذ جنگ میں مردانہ وار حصہ لیا۔ برٹش حکومت نے ۲۹/ اگست ۱۹۱۵ء کو آپ کی تمام جائداد غیر منقولہ ضبط کرلی اور آپ کے نام وارنٹ گرفتاری جاری کردیئے۔ آپ افغانستان چلے گئے، وہاں قید کرلیے گئے۔ امان اللہ خاں کے دور میں آزادی ملی پھر افغانستان حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ افغانستان کے قاضی القضاۃ اور روس و سعودی عرب میں افغانستان حکومت کے سفیر رہے۔ قیام پاکستان کے بعد وطن واپس آگئے۔ آپ کی جائداد واگذار کردی گئی۔ ۷/ رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ کو اپنے گاؤں متھرا میں وفات پائی۔

(مزید حالات کیلئے دیکھیں: نقشِ حیات، ج ۲، ص ۲۳۸-۲۳۹ (طبع جدید) سرفروشانِ سرحد ص ۲۹۷ تا ۳۰۱، حیات صدر المدرسین، ص ۴۷ تا ۵۰ از محمد ابراہیم فانی)

امیر حبیب اللہ والی افغانستان (۱۸۷۲ء-۱۹۱۹ء)

امیر حبیب اللہ والی افغانستان امیر عبد الرحمٰن کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات یکم اکتوبر ۱۹۰۱ء کے بعد افغانستان کا حکمراں ہوا۔ اسی کے عہدِ حکمرانی میں "آزاد حکومت موقتہ ہند" بنی جس کے صدر راجہ مہندر پرتاپ تھے۔ باپ کی طرح صائب الرائے اور پختہ عزم کا مالک نہ تھا۔ ۲/ فروری ۱۹۱۹ء کو قتل کردیئے گئے۔ (تفصیل کیلئے دیکھیں: دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۷، ص ۸۸۶ تا ۸۸۸)

مولانا محمد میاں منصور انصاری (متوفی ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۵ء)

مولانا محمد میاں منصور انصاری، مولانا عبد اللہ انصاریؒ ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے فرزند ارجمند، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نواسے تھے۔ انبیٹھ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں حاصل کی جہاں آپ کے والد صدر مدرس تھے۔ پھر دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۱ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت

حاصل کی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے تلمیذ رشید تھے۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ معینیہ اجمیر میں صدارت تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ پھر حضرت شیخ الہندؒ نے ترجمہ قرآن میں مدد کے لیے دیوبند بلالیا۔ ۱۳۲۷ھ میں جمعیۃ الانصار کے نائب ناظم مقرر ہوئے۔ تحریک شیخ الہند کے قابلِ اعتماد رکن تھے۔ انھوں نے تحریک کے کاموں کو نہایت رازداری سے انجام دیا۔ شیخ الہندؒ کے آخری سفر حج میں ساتھ رہے۔ غالب نامہ کو حجاز سے ہندوستان اور آزاد قبائل میں پہنچانے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ سی آئی ڈی کو اس کی خبر ہو گئی۔

اس نے آپ کی گرفتاری کی بہت کوشش کی مگر آپ روپوش ہو کر یاغستان پہنچ گئے۔ وہاں کچھ عرصہ رہ کر کابل چلے گئے۔ امیر حبیب اللہ کے اخیر زمانہ میں کابل سے یاغستان روانہ کر دیئے گئے۔ امیر امان اللہ خان کے عہد میں واپسی ہوئی اور اپنی اعلیٰ علمی صلاحیت کی وجہ سے اعلیٰ علمی وسیاسی عہدوں پر فائز رہے۔ ماسکو کے سیاسی مشن میں سیاسی مشیر کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ آپ نے متعدد رسائل تصنیف کیے۔ افغانستان کے شہر جلال آباد میں ۶ر صفر ۱۳۶۵ھ کو وفات ہوئی۔ مشہور صحافی عالم مولانا حامد الانصاری غازی آپ کے صاحبزادے تھے۔ (نقشِ حیات، ج ۲/ ۲۳۹ تا ۲۴۱، مشاہیر علماء دار العلوم دیوبند، ص ۶۳، مفتی ظفیر الدین مفتاحی)

ملا بابڑہ صاحبؒ (پیدائش ۱۸۸۵ء)

صوبہ سرحد کے عظیم روحانی پیشوا تھے۔ زندگی بھر فرنگی سامراج سے برسرپیکار رہے۔ آپ کا اصل نام سیّد امیر جان تھا۔ قوم سالارزئی کے چشم وچراغ تھے۔ وادی چارمنگ کے گاؤں لبنائی میں ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت نجم الدین ہڈہ ملا صاحبؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ عوام میں بابڑہ ملاؔ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اپنے پیر ومرشد کی طرح ساری عمر انگریزوں کے خلاف جہاد میں گذار دی۔ مہمند اور باجوڑ کے معرکوں میں شجاعت وجوان مردی کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح ۱۹۱۵ء میں حاجی

صاحب ترنگ زئی کے ساتھ انگریزوں کے مورچوں پر حملے کیے۔ جمعیۃ حزب اللہ کی طرف سے سلطان ترکی کو جو مراسلہ بھیجا گیا تھا اس پر آپ کے بھی دستخط ہیں۔ حضرت نجم الدین ہڈہ ملا صاحبؒ کی رحلت کے بعد ۱۹۰۲ء میں ان کے جانشیں منتخب ہوئے۔ اور اصلاحِ معاشرہ و تبلیغ دین کے ساتھ زندگی کی آخری سانس تک مصروف جہاد بھی رہے۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ (مزید حالات کے لیے ملاحظہ ہو: سرفروشانِ سرحد، ص ۱۴۵ تا ۱۵۱، محمد شفیع صابر)

مولوی عبدالعزیزؒ

مولوی عبدالعزیز اتمان زئی کے مجاہد عالم تھے۔ حاجی صاحب ترنگ زئی کی قیادت میں ہمیشہ مصروف جہاد رہے۔ حاجی صاحب اور مولانا سیف الرحمٰن کابلیؒ کی طرح آپ کے خلاف بھی بغاوت کے مقدمات قائم کیے گئے۔ جمعیۃ حزب اللہ کے مراسلہ بنام سلطان ترکی پر آپ کے بھی دستخط ہیں۔ آپ کے حالات کا علم نہ ہو سکا۔

مولانا فضل ربیؒ پشاوری

مولانا فضل ربیؒ سواتی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا محمودؒ سے حاصل کی جو اپنے علاقہ کے مشہور عالم تھے۔ مزید تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند آئے جہاں سے ۱۹۱۰ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص شاگرد تھے۔ آپ کی تحریک میں شامل ہو کر کارہائے نمایاں انجام دیے۔ آپ کے حکم سے یاغستان کے آزاد قبائل میں پہنچے اور وہاں اپنی سحر انگیز جوشیلی تقریروں سے لوگوں کو جہاد کے لیے تیار کیا۔ خود بھی حاجی صاحب ترنگ زئی کے زیر قیادت شریک جہاد رہے۔ برٹش حکومت نے آپ کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے تاہم گرفتار نہ کر سکی۔ البتہ آپ کے بھائی مولانا فضل الٰہی اور عزیز مولانا گل حسن کو گرفتار کر لیا۔ آپ کے بھائی کو طویل قید کاٹنی

پڑی۔ آپ کابل چلے گئے اور اپنی علمی استعداد اور اعلیٰ قابلیت کی بنا پر علمی ڈیپارٹمنٹ میں ملازم ہو کر اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۲۹ء میں غازی امان اللہؒ نے آپ کو جاگیر اور انعام واکرام سے بھی نوازا۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی۔ (نقشِ حیات، ج ۲، ص ۲۴۹ (طبع جدید) شخصیات سرحد، ص ۲۹۹، از محمد شفیع صابر)

مولانا برکت اللہ بھوپالی (۱۸۶۲ء-۱۹۲۷ء)

مولانا برکت اللہ بھوپالی جنگِ آزادی کے عظیم مجاہد، حکومت موقتہ کے وزیر اعظم، غدر پارٹی کے بانی اور تحریکِ شیخ الہند کے جانباز سپاہی تھے۔ ۱۸۶۲ء یا ۱۸۶۳ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولوی شجاعت اللہ خان تھا۔ مدرسہ سلیمانیہ بھوپال میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۷۸ء میں علوم رسمیہ سے فارغ ہو کر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ کچھ عرصہ بمبئی وغیرہ میں رہ کر انگلش کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۰ء میں انگلینڈ چلے گئے۔ پھر آزادیٔ وطن کے لیے ملکوں ملکوں خاک چھانی۔ یورپ و ایشیا کا چپہ چپہ چھان مارا۔ لندن، امریکہ، ترکی، فرانس، جرمنی، ڈنمارک، جاپان، روس، افغانستان اور عرب ممالک کا چھتیس سال لیلائے آزادی کے حصول میں چکر لگایا۔ زندگی کا بیشتر حصہ انقلابی مساعی میں اس طرح بسر ہوا کہ خود نذرِ انقلاب ہوگئے۔ ۲۷ر ستمبر ۱۹۲۷ء کو سان فرانسکو (امریکہ) میں اپنی جان جانِ آفریں کو سپرد کردی۔ (تفصیلی حالات کے لیے مطالعہ کریں: مولانا برکت اللہ بھوپالی، از سید عابد علی وجدی الحسینی)

شیخ عبدالرحیم سندھی

شیخ عبدالرحیم سندھی حیدرآباد سندھ کے باشندہ بھگوان داس زمیندار کے بیٹے تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ان کے مخلص ووفادار دوست اور ان کے مشن کے سرگرم ممبر تھے۔ عرصۂ دراز تک تعلیم یافتہ غیر مسلم

سندھیوں کو مسلمان بنانے میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ بہت سے لوگ ان کی مساعی سے مشرف باسلام ہوئے۔ ان میں ڈاکٹر شمس الدین بھی تھے، جن سے شیخ صاحب نے اپنی صاحبزادی کا عقد کر دیا تھا۔

شیخ الہندؒ کی تحریکِ انقلاب میں آپ کے کارنامے عظیم ہیں۔ مولانا سندھیؒ کو سرحد افغانستان تک پہنچانے میں بہت مدد کی۔ مولانا سندھیؒ کی خط و کتابت آپ کے ذریعہ ہی ہوتی تھی۔ جب خطوط گورنمنٹ کے ہاتھ لگ گئے اور راز فاش ہو گیا تو سی آئی ڈی نے آپ کو گرفتار کرنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ بھیس بدل کر پولیس کے چنگل سے نکل کر سرہند چلے گئے اور وہاں مزدوری کر کے زندگی گذارتے رہے۔ گمنامی کی حالت میں وفات پائی۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ (نقشِ حیات، ج ۲، ص ۲۲۵-۲۲۶ (طبع جدید) تاریخ سندھ، ج ۳، ص ۱۹۲-۱۹۳)

سردار رب نواز خان (۱۸۹۲ء-۱۹۶۰ء)

سردار رب نواز خان وہوا ضلع ڈیرہ غازی خان میں ۸ر فروری ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم گھر پر حاصل کی۔ درّانی پٹھانوں کے کھتارن قبیلہ کے تمندار (سردار) آنریری مجسٹریٹ درجہ اوّل، وائسریگل درباری اور امپریل بلوچی جرگہ کے ممبر تھے۔ پیشہ زمینداری تھا۔ ۷ر اگست ۱۹۶۰ء کو اپنے آبائی گاؤں وہوا میں انتقال کیا۔ (کلیات مکاتیب اقبال، ص ۸۲۰) یہی وہ کمزور کڑی ہے جس سے تحریکِ شیخ الہند کا راز فاش ہوا۔ اور اس کے صلہ میں انگریز حکومت نے مذکورہ اعزازات سے نوازا تھا۔

مولانا وحید احمد فیض آبادی (۱۸۹۴ء-۱۹۳۷ء)

آپ حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے بھتیجے، مولانا صدیق احمد مہاجر مدنی خلیفہ قطب عالم گنگوہیؒ کے فرزند ارجمند تھے۔ ۱۳۱۲ھ (۱۸۹۴ء) میں ٹانڈہ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ چار سال کی عمر میں خاندان کے ساتھ مدینہ

منورہ (زادہا اللہ شرفاً) حاضر ہوئے۔ وہاں گورنمنٹ اسکول میں عربی اور ترکی زبانوں میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۳۱ھ میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے ہمراہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کی نگرانی، تربیت اور شاگردی میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ حج میں ساتھ تھے۔ پھر مالٹا کی اسارت میں بھی حق رفاقت و خدمت ادا کی۔ نوعمری کے باوجود عزیمت و جوانمردی کا ثبوت دیا۔ مالٹا سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس رہے۔ مظفر نگر سے ماہنامہ "جمیل" جاری کیا۔ کچھ عرصہ بمبئی کے کسی اخبار میں صحافت کا کام کیا۔ پھر مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں حدیث، تفسیر، فقہ اور ادب کے استاذ ہوگئے۔ عمر کے آخری حصہ تک وہیں رہے۔ آپ مختلف زبانوں کے ماہر، اچھے انشا پرداز تھے۔ عربی، فارسی، انگریزی، ترکی، فرانسیسی، جرمن، ہندی، اردو، پشتو اور بنگالی زبانوں میں بول اور لکھ پڑھ سکتے تھے۔ شعر و ادب کا بھی ستھرا اور اعلیٰ ذوق تھا۔ یکم شعبان ۱۳۵۶ھ (نومبر ۱۹۳۷ء) کو اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ مولانا سیّد فرید الوحیدی، ڈاکٹر مولانا رشید الوحیدی اور ڈاکٹر سعید الوحیدی آپ کے فرزند ہیں اور پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی آپ کے داماد تھے۔

(تفصیلات کیلئے دیکھیں: شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، ص ۷۹ تا ۸۵) از فرید الوحیدی اسیر مالٹا، ص ۳۰۶ تا ۳۰۸، از مولانا محمد میاںؒ)

مولانا عزیز گل (۱۸۹۳ء-۱۹۸۹ء)

مولانا عزیز گل پشاوری حضرت شیخ الہندؒ کے تلمیذ رشید، خادم خاص ان کی تحریک کے اہم رکن، سرمایہ و مالیہ کے خزانچی و معتمد تھے۔ ۱۳۱۰ (۱۸۹۳ء) کے قریب زیارت کاکا صاحب تحصیل نوشہرہ پشاور میں جناب محمد شاہد گل صاحبؒ کے گھر پیدا ہوئے۔ مشہور بزرگ شیخ رحمکارؒ کی اولاد سے تھے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند پہنچے جہاں مختلف علوم و فنون کی

تحصیل کی اور ۱۳۳۲ھ میں شیخ الہندؒ سے دورۂ حدیث شریف پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی۔ استاذ سے ایسا تعلق ہوگیا کہ پھر ان ہی کے ہو رہے۔ تحریکِ انقلاب کے رازدار ممبر ہوئے، تحریک کے انتہائی اہم اور خطرناک کام آپ کے سپرد ہوتے۔ حضرت شیخ الہند پہاڑی اور سرحدی علاقوں میں ہدایات و خطوط آپ کے ذریعہ بھیجتے۔ سی آئی ڈی مستقل پیچھے لگی رہتی لیکن آپ بھیس بدل کر آتے جاتے رہے، گرفتار نہ ہو سکے۔ شیخ الہندؒ کے سفر حجاز و اسارت مالٹا میں ہم رکاب و ہم سفر رہے۔ مالٹا سے واپسی کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر مقیم رہے۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں خلافت کمیٹی دیوبند کے صدر رہے۔ کچھ عرصہ راندیر اور نوا کھالی میں تدریسی فرائض انجام دیئے پھر حضرت شیخ الاسلامؒ کے حکم اور مشورہ پر مدرسہ رحمانیہ رُوڑکی میں صدر مدرس ہو کر تشریف لے گئے جہاں ۱۹۴۵ء تک رہے پھر اپنے وطن چلے گئے اور ستاکوٹ میں اقامت اختیار کرلی جہاں پوری زندگی ذکر و فکر اور مطالعہ وغیرہ میں گذاردی۔ مالٹا سے واپسی کے بعد دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ کی بھانجی کی لڑکی سے آپ کا عقد ہوا تھا جن سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ رُڑکی کے زمانہ قیام میں ایک نو مسلمہ انگریز عورت سے شادی کی جس نے آپ کے تعاون سے انگریزی میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی ہے۔

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ (۱۵ نومبر ۱۹۸۹ء) کو طویل علالت کے بعد اپنے وطن ستاکوٹ میں واصل الی اللہ ہوئے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر، ص ۵۳۹ تا ۵۴۸، نقشِ حیات، ج ۲، ص ۲۴۱-۲۴۲ (طبع جدید) ماہنامہ دارالعلوم، وفیات نمبر، ص ۱۰۴ تا ۱۰۷، اپریل تا جولائی ۹۶ء اسیران مالٹا، ص ۲۹۷ تا ۳۰۵)

مولانا حکیم سیّد نصرت حسین کوڑہ جہاں آبادی (متوفی ۱۹۱۷ء)

آپ کوڑہ جہاں آباد ضلع فتح پور کے ایک زمیندار سادات گھرانے کے فرد تھے۔ لاہور، کانپور، دہلی وغیرہ میں تعلیم حاصل کی اور دارالعلوم دیوبند میں حضرت

شیخ الہندؒ سے دورہ حدیث شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دورۂ حدیث میں آپ کے ساتھی تھے۔ جلسہ دستار بندی ۱۳۲۷ھ میں آپ کی دستار بندی ہوئی۔ اسی موقع پر حضرت شیخ الہند سے بیعت ہوئے۔

دارالعلوم میں تکمیل علم کے بعد لکھنؤ وغیرہ میں طب کی تعلیم حاصل کی۔ گھر پر زمینداری کے انتظام کے ساتھ مطب بھی کرتے تھے۔ ۱۳۳۳ھ میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ میں حضرت شیخ الہند کی معیت ورفاقت حاصل ہوگئی جو تادم حیات قائم رہی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ گرفتار ہو کر مصر و مالٹا میں رہے۔ شیخ الہندؒ اور دیگر رفقا کے بغیر رہائی کے لیے تیار نہ ہوئے جبکہ اس کا موقع تھا۔ اسارت مالٹا کے زمانہ میں ۸/ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۷ء) کو مولائے حقیقی سے جاملے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی شہادت ہے کہ ہماری جماعت بلکہ مالٹا کے تمام قیدیوں میں حضرت شیخ الہندؒ کے علاوہ کوئی بھی باوقات شب خیز تہجد گزار آپ سے زیادہ نہ تھا۔ اسی کے ساتھ اسلام اور قوم کی محبت رگ رگ میں پیوست تھی۔ (اسیران مالٹا، ص ۳۰۹ تا ۳۱۵)

ڈاکٹر مختار انصاری (۱۸۸۰ء-۱۹۳۶ء)

ڈاکٹر انصاری تحریکِ آزادی کے عظیم مجاہد، مدبر سیاستداں، اپنے عہد کے نامور ڈاکٹر اور طبیب تھے۔ ۲۵/ دسمبر ۱۸۸۰ء کو یوسف پور ضلع غازی پور کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی حاجی عبدالرحمٰن اور والدہ کا شمس النساء نام تھا۔ گھر پر اور گاؤں کے مکتب میں مذہبی تعلیم حاصل کی اور مڈل اسکول یوسف پور سے مڈل کر کے غازی پور اسکول میں داخل ہوئے۔ وہاں سے میٹرک پاس کیا۔ ایم سی کالج الہ آباد سے ایف ایس سی کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن گئے۔ ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۸ء تک اڈنبرا یونیورسٹی میں پڑھا، میڈیسن اور ماسٹر آف سرجری کی ڈگری حاصل کی پھر وہیں دو سال چیرنگ کراس ہاسپٹل میں ہاؤس سرجن اور رجسٹرار رہے۔ ۱۹۱۰ء میں ہندوستان آکر دہلی میں اپنا مطب قائم کیا اور تادم حیات

یہیں رہ کر ملک وملت کے لیے اعلیٰ خدمات انجام دیں۔ خدانے آپ کے ہاتھ میں ایسی شفادی تھی کہ شاید ہی ایسا کوئی مریض ہو جو آپ کے علاج سے شفایاب نہ ہوا ہو۔ غریبوں کا علاج خاص توجہ اور بلامعاوضہ کرتے۔ گاندھی جی ان کو غریبوں کا مسیحا کہتے تھے۔

اسی کے ساتھ آزادیٔ وطن کے جذبہ سے دل سرشار تھا۔ آزادی کی ہر تحریک اور جدوجہد میں دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس راہ میں قید وبند کی منزل سے بھی گذرے۔ آپ کی کوٹھی آزادیٔ ہند کے رہنماؤں اور رضاکاروں کی فرودگاہ تھی۔ تحریک خلافت میں پرجوش حصہ لیا۔ شیخ الہند کی تحریک انقلاب کے لیے آپ کی قربانیاں بے مثال ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کو سفر حجاز کا مشورہ آپ نے ہی دیا تھا اور اخراجات کا بندوبست بھی آپ نے ہی کیا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ آخری بیماری میں آپ کے زیر علاج تھے۔ آپ کی کوٹھی پر وفات بھی ہوئی۔

آپ ایک عرصہ تک آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری رہے۔ ۱۹۲۷ء میں اس کے صدر بھی ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ حکیم اجمل خان کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ کے چانسلر ہوئے اور اس کو ترقی کے بامِ عروج پر پہنچایا۔ ۱۰؍مئی ۱۹۳۶ء کو دہرہ دون سے دلی آتے ہوئے ٹرین میں ملک وملت کا یہ غمخوار اور غریبوں کا مسیحا اللہ کو پیارا ہوگیا۔ جامعہ ملیہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ (مزید حالات کے لیے دیکھیں: جدید ہندوستان کے معمار، ص ۷۶-۷۷، نقشِ حیات، ج ۲، ص ۲۵۰ تا ۲۵۴، گنج ہائے گرانمایہ، ص ۱۱۱ تا ۱۱۷، از رشید احمد صدیقی، دلی والے، ج ۱، ص ۳۲۱ تا ۳۲۵)

مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ (۱۸۷۸ء-۱۹۲۶ء)

آپ خانوادۂ فرنگی محل کے ایک ممتاز عالم اور سیاسی رہنما تھے۔ آپ کا پورا نام قیام الدین محمد عبدالباریؒ ہے۔ ۱۰؍ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ (۱۳؍اپریل ۱۸۷۸ء) کو

لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ علوم عربیہ کی تکمیل اپنے ہی خانوادہ کے بزرگوں سے کی۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ کے حقیقی خالہ زاد بھائی اور شاگرد رشید تھے۔ ان کے علاوہ مولانا عبدالباقی فرنگی محلیؒ اور مولانا عین القضاۃ لکھنویؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ آپ نے ۱۸۹۵ء میں ایک درسگاہ مدرسہ نظامیہ کے نام سے قائم کی اور خاندانی دستور کے مطابق درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ۱۹۱۱ء میں درس و تدریس اور ارشاد وہدایت کے گوشہ سے نکل کر ملکی سیاست کے میدان میں قدم رکھا بلکہ سیاسی تحریکوں میں قائدانہ حصہ لیا۔ ۱۹۱۴ء میں انجمن خدام کعبہ قائم کی۔ ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس میں اہم کردار ادا کیا۔ خلافت کمیٹی میں پیش پیش رہے۔ علی برادران کے پیر و مرشد اور گاندھی جی کے دوست تھے۔ علماء دیوبند سے مسلک میں اختلاف کے باوجود انتہائی ادب و احترام سے پیش آتے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک سے بھی وابستہ تھے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ کرنل تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کا پہلا اجلاس امرتسر آپ کی صدارت میں ہوا۔ دینی حمیت، مذہبی غیرت، اظہار حق میں جرأت، فیاضی اور مہمان نوازی آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔ ۴؍رجب ۱۳۴۴ھ (۱۹؍جنوری ۱۹۲۶ء) کو علم و عمل کا یہ ستارہ غروب ہو گیا۔ (مزید حالات کے لیے دیکھیں: جمعیۃ علماء پر ایک تاریخی تبصرہ، ص ۷۸ تا ۸۱، معاصرین، ص ۸۴ تا ۸۷، تذکرہ علماء فرنگی محل اور حسرۃ الآفاق)

مہاتما گاندھی (۱۸۶۹ء-۱۹۴۸ء)

پورا نام موہن داس کرم چند گاندھی ہے۔ پوربندر کاٹھیاواڑ میں ۲؍اکتوبر ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ راجکوٹ اور بھاؤنگر کے اسکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۸۷ء میں میٹرک پاس کیا۔ ۱۸۸۸ء میں انگلستان گئے جہاں سے ۱۸۹۱ء میں بیرسٹری کا امتحان دیا۔ ۱۸۹۳ء میں ہندوستان واپس آئے اور تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۱۷ء میں چمپارن (بہار) سے پہلی بار ستیہ گرہ کیا۔ ۱۹۱۹ء میں

ہندوستانی سیاست میں ایک عظیم لیڈر کی حیثیت سے اُبھرے۔ پھر کانگریس نے ان کی قیادت میں آزادی کی لڑائی لڑی۔ خود بھی متعدد بار جیل گئے۔ جب ملک آزاد ہوگیا تو ۳۰؍ جنوری ۱۹۴۸ء کو اپنے ایک ہم مذہب جنونی فرقہ پرست کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ سیاسی لیڈر ہونے کے ساتھ بڑے درجہ کے انگریزی کے صحافی و انشاپرداز بھی تھے۔ ان کی تمام تحریروں کو حکومت ہند نے ۹۲ جلدوں میں شائع کردیا ہے۔ (خودنوشت سوانح، تلاش حق، مترجمہ ڈاکٹر عابد حسین ملاحظہ ہو)

مفتی اعظم مفتی کفایت اللہؒ (۱۸۷۵ء-۱۹۵۲ء)

آپ ہندوستان کے مفتی اعظم اور مدبر اعظم ہی نہیں قافلہ فضل و کمال کے درشہوار اور قافلۂ حریت کے قافلہ سالار تھے۔ آپ کی ذات گرامی مجموعۂ کمالات تھی۔ آپ بیک وقت محدث، مفسر، فقیہ، ادیب، شاعر، ریاضی داں، سیاستداں اور مجاہد سب کچھ تھے۔

آپ شاہجہانپور کے ایک غریب خانوادہ میں ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اعزازیہ شاہجہانپور میں ہوئی اس کے بعد دو سال جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد اور تین سال ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں جلیل القدر اساتذہ سے تمام علوم و فنون حاصل کرکے ۱۳۱۵ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ بائیس برس کی عمر میں غریب خانوادہ کا چشم و چراغ بزم شیخ الہندؒ کا ایک دانائے راز بن گیا۔ اپنی خداداد ذہانت و ذکاوت اور اساتذۂ باکمال کی فیض صحبت سے معاصرین میں وہ امتیازی مقام اور تبحر علمی و جامعیت کی وہ شان حاصل کرلی جو شاید باید کسی کو نصیب ہو۔ علوم عقلیہ و شرعیہ میں کوئی ایسا علم نہ تھا جس میں آپ کو مہارت تامہ و ملکۂ راسخہ حاصل نہ ہو۔ قطب عالم حضرت گنگوہیؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر سلوک و معرفت کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد تقریباً پانچ سال مدرسہ عین العلم شاہجہانپور میں درس افتاء

کی خدمات انجام دیں اور شوال ۱۳۲۱ھ میں دہلی تشریف لائے۔ مدرسہ امینیہ دہلی کے صدر مدرس و مفتی کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ ۱۳۳۸ھ میں مولانا امین الدین بانی مدرسہ کے وصال کے بعد اہتمام کا منصب بھی سنبھالا، پھر تادم زیست ان خدمات کو انجام دیا۔ ۵۵ سالہ زمانۂ تدریس میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں اربابِ فضل و کمال تیار ہوئے جن میں شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ، فقیہ وقت مفتی مہدی حسنؒ، سحبان الہندؒ مولانا احمد سعیدؒ جیسے عبقری علماء شامل ہیں۔

درس و افتاء کے علاوہ ملی، قومی اور سیاسی تحریکات میں بھی آپ کی خدمات بے مثال ہیں۔ تحریک شیخ الہند میں حصہ لیا۔ ۱۹۱۷ء میں انجمن اعانت نظر بندان اسلام قائم کرائی۔ جمعیۃ علماء ہند کا قیام بھی آپ کے حسن تدبر کا نتیجہ ہے۔ بیس سال اس کے صدر رہے۔ آپ کے عہدِ صدارت میں جمعیۃ علماء ہند نے آزادیٔ ہند کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ خود آپ بھی اس راہ میں دوبار گرفتار ہوئے۔ پہلی بار ۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی میں ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو گرفتار ہو کر چھ ماہ گجرات جیل میں رہے۔ دوسری بار جمعیۃ علماء ہند کے ڈکٹیٹر کے طور پر ۳۱/ مارچ ۱۹۳۲ء کو ایک لاکھ افراد کے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار ہوئے اور اٹھارہ ماہ ملتان جیل میں رہے۔

اس کے علاوہ تحریکِ ارتداد کا مقابلہ، ۱۹۲۶ء میں شاہ سعود کی موتمر اسلامی اور ۱۹۳۸ء میں فلسطین کانفرنس قاہرہ میں شرکت و رہنمائی آپ کی عظیم القدر خدمات کے چند عنوان ہیں۔ ۳۱/ دسمبر ۱۹۵۲ء کو دہلی میں وصال ہوا اور درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے جوار میں مدفون ہوئے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: الجمعیۃ مفتی اعظم نمبر، مفتی اعظم کی یاد از مولانا حفیظ الرحمٰن واصف، تاریخ شاہی نمبر، ص ۵۳۲ تا ۵۴۴)

راجہ محمد علی خان آف محمود آباد (متوفی ۱۹۳۱ء)

راجہ محمد علی خان ولد امیر حسن خان ریاست محمود آباد کے راجہ اور نواب تھے۔

مذہب ان کا امامیہ تھا لیکن نسلاً شیخ صدیقی تھے۔ سیاسی تحریکات میں حصہ لیا۔ ہر پارٹی کے پرجوش کارکن ہوتے۔ دامے درمے مدد کرتے۔ کونسلوں میں مسلمانوں کے لیے الگ حق نمائندگی کے زبردست داعی و حامی تھے۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ بڑے فیاض، مہمان نواز خورد نواز اور شریف پرور تھے۔ ۱۹۱۷ء میں انجمن اعانت نظربندانِ اسلام قائم ہوئی تو اس کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں دفعتاً انتقال ہوا۔ (معاصرین، مولانا عبدالماجد دریابادی، ص ۱۱۰ تا ۱۱۴)

مولانا شوکت علی (۱۸۷۳ء - ۱۹۳۳ء)

مولانا شوکت علی تحریکِ خلافت کے عظیم لیڈر، انجمن خدامِ کعبہ کے بانی، مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی تھے۔ ۱۰ر مارچ ۱۸۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بریلی ہائی اسکول میں پائی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے ۱۸۹۵ء میں بی اے پاس کیا۔ گریجویٹ ہونے کے بعد ایک عرصہ سرکاری محکمہ افیون میں اچھے عہدہ پر رہے۔ سر آغاخان کے پرائیوٹ سکریٹری بھی رہے۔ پھر ملکی وملی خدمات کے لیے پنشن لے لی۔ آزادی کی تحریک میں مردانہ وار حصہ لیا۔ پہلی دفعہ ۳۰ر مئی ۱۹۱۵ء کو گرفتار ہوئے۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں نظربندی سے رہائی ہوئی۔ پھر تحریک خلافت کے موقع پر مشہور مقدمہ کراچی میں سزایاب ہوئے اور دیگر رفقاء کے ہمراہ دوسال کراچی جیل میں رہے۔ اسی زمانہ میں دونوں بھائی "علی برادران" کے نام سے مشہور ہوئے اور ملک کے گلی کوچوں میں بچہ بچہ کی زبان پر یہ شعر چڑھ گیا:

بولی اماں محمد علی کی — جان بیٹا خلافت پہ دے دو

آپ کی ملی خدمات کے پیشِ نظر آپ کے پیر و مرشد مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے "مولانا" کی اعزازی سند دے دی اور پھر مولانا ہی سے مشہور ہوئے۔ جب تحریکِ خلافت نے دم توڑ دیا تو مسلم لیگ میں شامل ہوگئے تھے۔ ۲۶ر نومبر ۱۹۳۳ء کو دہلی میں انتقال ہوا۔ جامع مسجد کے شرقی دروازہ کے سامنے چھوٹی مسجد

میں آسودۂ خواب ہیں۔ (معاصرین مولانا عبدالماجد دریابادی، ص ۴۵ تا ۴۷)

ڈاکٹر سیف الدین کچلو (۱۸۸۸ء-۱۹۶۳ء)

ڈاکٹر کچلو پنجاب کے مشہور بیرسٹر، جنگِ آزادی کے مجاہد تھے۔ ۱۸۸۸ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، کیمبرج یونیورسٹی لندن میں تعلیم حاصل کی اور جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ امرتسر میں وکالت کرتے تھے۔ پنجاب میں مارشل لا نافذ ہوا تو اس کی سخت مخالفت کی۔ بطور بیرسٹر دہلی اور میرٹھ میں چلائے جانے والے ہندوستانیوں کے خلاف سازش کیسوں کی پیروی کی۔ ۱۰ر اپریل ۱۹۱۹ء کو گورنر پنجاب نے اپنے گھر مدعو کر کے گرفتار کرلیا اور دھرم شالہ میں نظر بند کر دیا جس کے ردِّ عمل میں جلیانوالا باغ کا سانحہ رونما ہوا۔ اپنی پریکٹس چھوڑ کر عدم تعاون تحریک میں شامل ہوگئے۔ کراچی کیس میں سزایاب ہوئے۔ دو سال جیل میں رہے۔ اس کے بعد متعدد مرتبہ آزادی کے حصول کے لیے جیل گئے۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً ۱۴ر سال جیل کی سلاخوں میں رہے۔ جب ملک آزاد ہوا تو اس مجاہد کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں امرتسر سے لاہور (پاکستان) گئے۔ ان کی تمام جائیداد پر پنجاب کے ہندو سکھ قابض ہوگئے۔ لاہور میں ان کی جان کے لالے پڑگئے۔ مردولا سارابھائی کسی طرح بچا کر دہلی لائیں۔ زندگی کے آخری ایام یہیں گذرے۔ ۱۹۶۳ء میں انتقال ہوا۔ (مسلمان مجاہدین، ص ۷۲، میوارام گپت، اب جن کے دیکھنے کو......، ص ۶۷ تا ۷۴، از بیگم انیس قدوائی)

پیر غلام مجدد جان سرہندی (۱۸۸۳ء، ۱۹۵۸ء)

پیر غلام مجدد سرہندی ایک جید عالم اور سجادہ نشین بزرگ تھے۔ ۶ر رجب ۱۳۰۰ھ (۱۳ر مئی ۱۸۸۳ء) کو سندھ کے مشہور شہر ٹیاری میں پیدا ہوئے۔ اپنے قصبہ میں مولوی حاجی حسین اللہ پاتائی سے دینی تعلیم حاصل کی۔ والد محترم خواجہ

عبدالحلیم سرہندی کی وفات کے بعد ۱۹۱۳ء میں مسند سجادگی کو زینت بخشی۔ ۱۹۰۴ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ تحریک خلافت میں حصہ لیا۔ کراچی خلافت کانفرنس (منعقدہ ۸-۱۰ ر جولائی ۱۹۲۱ء) میں شریک ہو کر اس تجویز کی تائید میں تقریر کی جس میں مسلمانوں کو انگریزی فوج میں بھرتی ہونے کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ اس کی پاداش میں گرفتار ہوئے۔ دو سال کی سزا رتناگری جیل میں گذاری۔ ایام اسارت میں حفظ کلام اللہ کی دولت سے مالامال ہوئے۔ رتناگری جیل سے رہا ہونے کے بعد مختلف سیاسی و سماجی تحریکوں میں حصہ لیا۔ حیدر آباد سندھ میں ایک دینی درسگاہ "جامعہ عربیہ" کے نام سے قائم کی۔ آپ حسن اخلاق کے پیکر، نہایت مہمان نواز تھے۔ خدمت خلق شعار تھا۔ ۱۶ ر جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ (۱۹ ر جنوری ۱۹۵۸ء) کو مولائے حقیقی سے جا ملے۔ وفیات مشاہیر پاکستان میں تاریخ وفات ۷ ر جنوری ۱۹۵۸ء تحریر ہے۔

(ماخوذ تاریخ سندھ، ص ۲۵۰-۲۵۱، جلد ۳، جزء ۳، ص ۱۷۹، از اعجاز الحق قدوسی)

مولانا نثار احمد کانپوری (متوفی ۱۹۳۰ء)

مولانا نثار احمد کانپوری مشہور عالم اور بزرگ مولانا احمد حسن کانپوری کے دوسرے فرزند تھے۔ شاہ عبید اللہ، مولانا قاضی عبد الرزاق کانپوری اور اپنے خالو مولانا محدث سورتی سے درس نظامی پڑھا۔ سند تکمیل والد سے حاصل کی۔ پورے ملک میں آپ کی وعظ کی شہرت تھی۔ تحریک خلافت میں حصہ لیا۔ کراچی کے مشہور مقدمہ میں ماخوذ ہو کر دو سال کی سزا پائی۔ شاہی جامع مسجد آگرہ کے خطیب تھے۔ ۱۹۳۰ء میں حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے کہ جدہ میں انتقال ہو گیا۔ (تذکرہ علماء اہل سنت، ص ۲۵۴ بحوالہ مولانا عبد الشکور فاروقی حیات و خدمات، ص ۴۹۶، از مولانا عبد الحی فاروقی)

مفکر اسلام مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ (۱۸۸۱ء-۱۹۴۰ء)

مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ اپنے عہد کے نامور و ممتاز عالم، بے مثال مدبر و مفکر

تھے۔ آپ کو جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ بہار کا دماغ سمجھا جاتا تھا۔ آپ کی پیدائش ۱۲۹۹ھ (۱۸۸۱ء) میں موضع پنہسہ ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی حسن بخش اور بڑے بھائی مولوی احمد سجاد سے حاصل کی۔ اس کے بعد کانپور اور الٰہ آباد میں رہ کر مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا عبدالکافی الٰہ آبادی سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۷ء) میں دستار فضیلت مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد سے حاصل ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے حلقۂ درس سے بھی استفادہ کیا۔

فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ بہار شریف، مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد، مدرسہ انوار العلوم گیا میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیے۔ اسی کے ساتھ ملی تحریکات میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ امارت شرعیہ بہار کا قیام آپ کا سب سے عظیم کارنامہ ہے جس کے آپ مدت العمر نائب امیر رہے۔ اسی طرح جمعیۃ علماء ہند کے ابتداء قیام سے سرگرم ممبر رہے۔ ۱۹۳۲ء تحریک سول نافرمانی کے زمانہ میں جمعیۃ علماء کے ادارۂ حربیہ کے ذمہ دار آپ ہی تھے جس کے زیر انتظام جمعیۃ علماء کے رضاکار گرفتاریاں پیش کرتے تھے۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۴۰ء کو آپ جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ (اس سے پہلے متعدد بار مولانا احمد سعید دہلویؒ کی گرفتاری وغیرہ پر اس عہدہ پر فائز رہ چکے تھے۔) عمر نے وفا نہ کی اور آپ ۸ر نومبر ۱۹۴۰ء کو رحمت حق سے جا ملے۔ پھلواری شریف میں مدفون ہوئے۔ (تفصیلات کے لیے پڑھیں: محاسن سجاد، مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی، حیات سجاد، مولانا عبدالصمد رحمانی)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۸۸۵ء-۱۹۴۹ء)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک عظیم محدث، بلند پایہ مفسر اور محقق عالم تھے۔ جملہ علوم متعارفہ میں ید طولیٰ حاصل تھا اور حدیث فقہ وعلوم میں امتیازی شان کے مالک تھے۔ دیوبند کے عثمانی خانوادہ کے گل سرسبد تھے۔ ۷ر محرم ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۵ء) کو بریلی میں پیدا ہوئے جہاں والد گرامی مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ بسلسلۂ ملازمت مقیم

تھے۔ آپ کی پوری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ ۱۳۱۲ھ میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۵ھ میں تمام علوم وفنون سے آراستہ ہو کر فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد چند ماہ دارالعلوم میں درس دے کر مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی کے صدر مدرس ہوئے۔ ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم تشریف لائے۔ ۱۳۴۵ھ میں علامہ کشمیریؒ کے ہمراہ ڈابھیل چلے گئے۔ ۱۳۵۴ھ تا ۱۳۶۲ دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم رہے۔

درس وتدریس کے ساتھ سیاسیات سے بھی دلچسپی رہی۔ ملی تحریکات میں حصہ لیا۔ پہلے جمعیۃ علماء ہند کے سرگرم کارکن رہے۔ وہاں دستور ساز کمیٹی کے صدر تھے۔ کراچی میں قیام تھا۔ ۲۱ر صفر ۱۳۶۹ھ (۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء) کو بہاولپور میں آپ کی وفات ہوئی اور کراچی میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ اعلیٰ درجہ کے مصنف اور بے مثال خطیب بھی تھے۔ مسلم شریف کی شرح فتح الملہم اور حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن پر فوائد تفسیر آپ کا لازوال علمی کارنامہ ہے۔ (تفصیلات کے لیے مطالعہ کریں: حیات عثمانی، انوار عثمانی، تجلیات عثمانی، مرتبہ مولانا انوار الحسن شیر کوٹیؒ)

علامہ سیّد سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء-۱۹۵۳ء)

آپ بیسویں صدی کے عظیم عالم، ادیب، مورخ، سیاستداں، ماہر تعلیم، مترجم، شاعر، مفکر اور دانشور تھے۔ آپ کی ولادت ۲۳ر صفر ۱۳۰۲ھ (۲۲ر نومبر ۱۸۸۴ء) کو دیسنہ ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ آپ نسباً حسینی سادات میں سے تھے۔ والد محترم مولانا حکیم سیّد ابوالحسن ممتاز عالم دین تھے۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی اور بڑے بھائی سیّد ابو حبیب نقشبندی سے حاصل کی جو شاہ ابو احمد مجددی بھوپالیؒ کے ممتاز خلیفہ تھے۔ مزید تعلیم پھلواری شریف اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں حاصل کی۔ ۱۹۰۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ علامہ فاروق چریاکوٹی اور دیگر اساتذہ علم وفن سے تمام علوم وفنون متعارفہ کی تکمیل کر کے ۱۹۰۶ء میں سند فراغ حاصل کی۔ وہاں علامہ شبلی نعمانیؒ کی تربیت ونگہداشت کا ماحول میسر

آیا جس نے آپ کے ذوقِ علم و ادب میں مہمیز کا کام کیا۔ فراغت کے بعد الندوہ لکھنؤ اور الہلال کلکتہ سے وابستہ رہے۔ آپ کا مشغلہ زندگی بھر تصنیف و تالیف رہا۔ اہم کارنامہ علامہ شبلیؒ کی سیرت النبی کی تکمیل ہے۔ اس کے علاوہ ارض القرآن، سیرت عائشہؓ، حیاتِ شبلی، خطباتِ مدراس وغیرہ بلند پایہ علمی تصنیفات ہیں۔ اور مدت العمر دار المصنفین کے رسالہ "معارف" کے مدیر رہے۔ اسی کے ساتھ خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علماء ہند کے سرگرم رکن تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے ساتویں اجلاس عام کلکتہ کی صدارت کی۔ ایک عرصہ تک جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے۔ آخر میں سیاسیات سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ آپ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ و مجاز بیعت تھے۔ ۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے گئے تھے وہیں ۱۴؍ ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ (۲۲؍ نومبر ۱۹۵۳ء) کو علم و ادب کا یہ درخشندہ ستارہ غروب ہو گیا۔ (تفصیلات کے لیے مطالعہ کریں: حیاتِ سلیمان، مرتبہ مولانا معین الدین ندوی، یادگار سلیمان، مرتبہ عبد القوی دسنوی، سیّد سلیمان ندوی مرتبہ خلیق انجم)

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۸۷۵ء-۱۹۳۳ء)

آپ علم و فضل کے بحر ناپید کنار تھے۔ قوتِ حافظہ، تبحر علمی اور وسعتِ معلومات میں اپنی نظیر آپ تھے۔ اسی طرح تقویٰ و طہارت اور زہد و قناعت میں بے مثال تھے۔ آپ کی ذات گرامی اُن چند بلند پایہ ہستیوں میں سے ایک ممتاز ہستی تھی جو صدیوں میں پیدا ہوتی ہے اور صدیوں کو علم و فضل سے مالا مال کر جاتی ہے۔

آپ ۲۷؍ شوال ۱۲۹۲ھ (۱۶؍ اکتوبر ۱۸۷۵ء) کو اپنی ننھیال "دودان" نامی گاؤں میں پیدا ہوئے جو کشمیر کی وادیٔ لولاب میں واقع ہے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد مولانا معظم شاہؒ سے حاصل کی جو جید عالم اور خانقاہ نشین بزرگ تھے۔ کچھ کتابیں ہزارہ کے مدارس میں پڑھیں ۱۳۰۸ھ میں دار العلوم دیوبند تشریف لائے۔ یہاں حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر اساطین فضل و کمال سے تمام علوم متداولہ کی تحصیل کی اور

۱۳۱۴ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد قطب عالم حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر سند حدیث اور باطنی فیوض سے بالامال ہوئے۔ اس کے بعد پانچ سال مدرسہ امینیہ دہلی اور تین سال مدرسہ فیض عام کشمیر میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی دوران ۱۳۲۳ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۲۷ھ میں مرکز علم دارالعلوم دیوبند کی خدمت تدریس پر مامور ہوئے۔ ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے سفر حجاز کے موقع پر قائم مقام صدر مدرس اور پھر وصال کے بعد صدر مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۵ھ تک اس منصب پر رونق افروز رہے۔ اس بارہ سالہ مدت میں ۸۰۹ طلبہ نے آپ سے بخاری شریف و ترمذی شریف پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ ۱۳۴۶ھ میں ڈابھیل تشریف لے گئے جہاں ۱۳۵۱ھ تک تشنگانِ علوم نبوت کو سیراب کرتے رہے۔ آپ کے حلقۂ درس سے ایسے ذی علم اور باکمال فضلاء تیار ہوئے جنھوں نے ایک طرف ہندوپاک کی علمی مسندوں کو آباد رکھا تو دوسری طرف آپ کے علمی افادات کو مرتب کر کے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔

درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی رہا۔ متعدد وقیع تصنیفات منصۂ شہود پر آئیں اور آپ کا ایک عظیم کارنامہ فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی ہے جو آپ کا تجدیدی کارنامہ ہے اس سلسلہ میں متعدد معرکۃ الآراء کتابیں تحریر فرمائیں۔ مناظرے کیے۔ مشہور مقدمہ بھاولپور میں بیان دینے کے لیے ضعف و علالت کے باوجود طویل سفر کیا اور اس فتنہ کی سرکوبی و تعاقب کے لیے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت کو لگادیا۔ سیاسی میدان میں آپ کا کوئی نمایاں کردار نہیں تاہم جمعیۃ علماء ہند سے ہمیشہ وابستہ رہے۔ اس کے آٹھویں اجلاس عام پشاور کی صدارت فرمائی۔ علم و کمال کا یہ آفتاب ۲-۳ر صفر ۱۳۵۲ھ (۲۸-۲۹ر مئی ۱۹۳۳ء) کی درمیانی شب میں غروب ہو کر دیوبند کی سرزمین میں ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔ (تفصیلات کے لیے مطالعہ کریں: نفحۃ العنبر، مولانا محمد یوسف بنوری، نقش دوام،

(مولانا انظر شاہ، حیات انور، ازہر شاہ قیصر، الانور عبدالرحمٰن کوندو)

مجاہد ملّت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ (۱۹۰۱ء-۱۹۶۲ء)

حفظ الرحمان نام ہے ملّتِ اسلامیہ ہند کے اس بطلِ جلیل اور قائد بے مثل کا جس نے اپنا سرمایۂ حیات خدمتِ قوم و وطن کی راہ میں نچھاور کر دیا جس نے ۱۹۴۷ء کے سیلاب حوادث کا پامردی سے مقابلہ کیا اور ملت اسلامیہ کی ڈوبتی کشتی کو سہارا دیا جس کی زندگی سعی پیہم اور جہدِ مسلسل کی صحیح تعبیر تھی جو بیک وقت میدانِ سیاست کا علمبردار اور گلستانِ علم و ادب کا گل سرسبد تھا۔

۱۰ر جنوری ۱۹۰۱ء (۱۳۱۸ھ) کو سیوہارہ ضلع بجنور کے صدیقی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی "معزالدین" تھا مگر تاریخی نام "حفظ الرحمٰن" سے مشہور ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر والد ماجد مولوی شمس الدینؒ سے حاصل کی اور درس نظامی کی تقریباً تمام کتابیں مدرسہ فیض عام سیوہارہ میں پڑھیں۔ ۱۳۳۳ھ میں مدرسہ شاہی مراد آباد کے خوان علم سے بھی خوشہ چینی کی۔ ۱۳۴۱ھ میں مدرسہ فیض عام سے فراغت حاصل کر کے ازہر ہند دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ وہاں محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے چشمہ فیض سے خوب خوب سیرابی حاصل کی۔ ۱۳۴۲ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد پرنام بٹ مدارس، دارالعلوم دیوبند، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، جامعہ اسلامیہ امروہہ وغیرہ میں چند سال تدریسی خدمات انجام دیں مگر قدرت کو آپ سے ملک و ملّت اور قوم و وطن کی قیادت کا کام لینا تھا۔ مدرسہ سے نکل کر سیاست کی پرخار وادی میں قدم رکھا اور اس راہ سے ملک و ملّت کے لیے عدیم النظیر خدمات انجام دیں۔

آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز تحریکِ خلافت کے دور سے ہو گیا تھا جو آپ کی طالب علمی کا زمانہ تھا۔ ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم کو اپنی خدمات کا مرکز بنا کر اپنی زندگی کو خدمت ملک و ملّت کے لیے وقف کر دیا۔ ۱۹۳۲ء میں جمعیۃ علماء

ہند کی مجلس عاملہ کے رُکن ہوئے اور ۱۹۴۲ء میں نظامت عمومی کا منصب سپرد ہوا جس پر تادم زیست فائز رہے۔ آزادئ ہند کے سلسلہ میں تقریباً چھ بار قید و بند کی آزمائش سے دوچار ہوئے۔ آزادی کے بعد ۱۹۴۷ء کے سیلاب حوادث کا مقابلہ کیا پھر آپ ہی کی ذات ہندوستانی مسلمانوں کی مرجع امید بن گئی۔ زندگی کی آخری سانس تک ملّی زندگی کے ہر گوشہ میں مصروف عمل رہے۔ دارالعلوم دیوبند، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، مدرسہ شاہی مراد آباد کی مجالس انتظامیہ کے فعال ممبر رہے۔ اسی کے ساتھ آپ ایک کامیاب مصنف تھے۔ قصص القرآن، اسلام کا اقتصادی نظام اور اخلاق و فلسفۂ اخلاق جیسی وقیع تصنیفات علمی یادگار ہیں۔ ۲/اگست ۱۹۶۲ء کو اس مجاہد دوران کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کرگئی اور محدثین دہلی کے پہلو میں یہ آسودۂ خواب ہوگیا۔ (تفصیل کے لیے مطالعہ کریں الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر، ماہنامہ مشرب دیوبند مجاہد ملت نمبر)

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی (۱۸۸۸ء-۱۹۵۹ء)

آپ کا شمار ہندوستان کے مشاہیر علماء اور صف اوّل کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ آپ ہندوستان کے خوش بیان واعظ مقرر و مناظر اور جنگِ آزادی کے سپہ سالار تھے۔ آپ کا سن پیدائش ۱۳۰۶ھ (۱۸۸۸ء) ہے اور مولد و منشا کوچہ ناہر خان دریا گنج دہلی، والد کا اسم گرامی نواب مرزا تھا جو زینت المساجد (گھٹا مسجد) کے امام تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولوی عبدالمجید مصطفیٰ آبادی سے اور عربی کی ابتدائی تعلیم قاری محمد یٰسین سکندر آبادی رائے پوری سے حاصل کی۔ حفظ و قرآن کی تکمیل مدرسہ حسینیہ دہلی میں ہوئی۔ ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی میں داخل ہوئے۔ مفتی اعظم مفتی کفایت اللہؒ اور دیگر اساتذہ سے جملہ علوم و فنون کی کتابیں پڑھ کر ۱۳۳۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد ایک عرصہ تک مدرسہ امینیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی زمانے میں آریوں وغیرہ سے متعدد

مناظرے کیے۔ ترجمہ قرآن بیان کرنا زندگی بھر کا وظیفہ رہا۔

۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس میں آپ کا نمایاں کردار ہے۔ اسی کے ساتھ آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ بیس سال اس انقلابی جماعت کے ناظم اعلیٰ رہے اس کے بعد سترہ سال نائب صدر اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے وصال کے بعد دو سال صدر رہے۔ ملی و قومی خدمات میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ تحریکاتِ آزادی کے دور میں آٹھ مرتبہ قید و بند کی آزمائش سے دو چار ہوئے۔ پہلی بار اکتوبر ۱۹۲۱ء میں گرفتار ہو کر ایک سال میانوالی جیل میں رہے۔ آخری مرتبہ ۱۹۴۲ء کی تحریک میں نظر بند ہوئے اور تین سال دہلی، لاہور، فیروزپور اور ملتان جیل میں رہے۔ ان سیاسی ہنگامہ آرائیوں کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی مشغلہ رہا۔ کم و بیش بیس کتابوں کے مصنف ہیں۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔

۴؍دسمبر ۱۹۵۹ء (۳؍جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ) کو بعد نماز مغرب حرکت قلب بند ہو گئی اور آپ کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے جوار میں اپنے استاذ مفتی اعظمؒ کی پہلو میں آرام فرما ہوئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: مفتی اعظم کی یاد، ص ۱۸۴ تا ۲۲۴، مفتی حفیظ الرحمٰن واصف، دِتی والے، ج ۱، ص ۴۴ تا ۶۱ مرتبہ ڈاکٹر صلاح الدین)

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی (۱۸۹۲ء-۱۹۵۶ء)

آپ ہندوستان کے مشہور مذہبی و سیاسی رہنما مجلس احرار اسلام کے عظیم المرتبت قائد اور تحریک آزادی کے علمبردار تھے۔ ۱۱؍صفر ۱۳۱۰ھ (۳؍جولائی ۱۸۹۲ء) کو لدھیانہ کے مشہور علمی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان ۱۸۵۷ء ہی سے فرنگی اقتدار اور باطل طاقتوں سے نبرد آزما رہا ہے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اور روحانی تربیت آپ کے دادا مولانا شاہ محمدؒ نے فرمائی جو مشہور عالم اور مجاہد

تھے۔ قطب عالم حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ حافظ محمد صالح رائے پوری کے مدرسہ نکودر ضلع جالندھر اور مولانا نور احمد پسروری امرتسری خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مدرسہ امرتسر میں رہ کر درس نظامی کی بیشتر کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند آکر محدث عصر علامہ کشمیریؒ کے حلقہ درس سے اکتساب فیض کیا۔ دارالعلوم کی زمانہ طالب علمی میں ہی سیاسی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ تحریکاتِ آزادی کے سلسلہ میں بار بار گرفتار ہو کر قید و بند کے مصایب سے دوچار ہوئے۔ پہلی بار ۲۲ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو گرفتار ہوئے اور دو سال لدھیانہ، انبالہ اور میانوالی کے جیلوں میں رہے۔ آخری بار دسمبر ۱۹۴۰ء میں لاہور سے گرفتار ہوئے اور ۴ر جولائی ۱۹۴۵ء کو رہائی عمل میں آئی۔ آپ تقریباً پندرہ سال جیل کی سلاخوں میں رہے۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ کے بعد دہلی آکر سکونت اختیار کرلی۔ یہیں سے ۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء کو سفر آخرت اختیار فرمایا۔ (تفصیلات کے لیے مطالعہ کریں، رئیس الاحرار، رئیس الاحرار و دیگراں، مرتبہ عزیز الرحمٰن جامعی)

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ (۱۸۸۶ء-۱۹۶۲ء)

آپ اپنے دور کے مشہور مفسر اور بلند پایہ شیخ طریقت تھے۔ ۲ر رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۶ء) کو گوجرانوالہ کے قصبہ جلال میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والدہ ماجدہ کی آغوش اور مکتب کوٹ سعد اللہ میں ہوئی۔ زیادہ تر تعلیم امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی خدمت میں رہ کر حاصل کی۔ ۱۳۲۷ھ میں تمام علوم متداولہ کی تحصیل کر کے مدرسہ دارالارشاد گوٹھ پیر جھنڈا سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔ اس کے بعد اسی مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا سندھیؒ نے اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا۔ جمعیۃ الانصار اور نظارۃ المعارف القرآنیہ میں مولانا سندھیؒ کے رفیق و معاون رہے اور تحریک شیخ الہندؒ میں سرگرم حصہ لیا۔ تحریک کی ناکامی کے بعد قید و بند سے دوچار ہوئے۔ دہلی سے

جلاوطن ہو کر لاہور پہنچے۔ وہاں انجمن خدام القرآن اور مدرسہ قاسم العلوم قائم کر کے زندگی بھر درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے دورۂ تفسیر قرآن میں دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس کے فضلاء شریک ہوتے۔ اسی کے ساتھ آپ جمعیۃ علماء ہند کے عظیم رہنما اور اس کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ اس کی تحریکات میں سرگرم حصہ لیا۔ آزادیٔ ہند کے سلسلہ میں متعدد بار گرفتار ہوئے۔ پوری زندگی اعلاء کلمۃ اللہ میں گذاری۔ ۱۹۵۲ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں بھی قید و بند کی مصیبت برداشت کرنی پڑی۔ ۱۹۶۲ء میں آپ کا وصال ہوا۔ لاہور میں مدفون ہوئے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیں: خدام الدین لاہور، امام الاولیاء نمبر، بیس بڑے مسلمان، ص ۶۴۱ تا ۶۹۸، عبد الرشید ارشد)

امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (۱۸۹۱ء-۱۹۶۱ء)

آپ ہندوستان کے سحر بیان خطیب، تحریکِ آزادی کے قافلہ سالار، مجلس احرار اسلام کے بے باک لیڈر اور تحریکِ ختم نبوت کے امیر تھے۔ آپ ۱۸۹۱ء میں پٹنہ صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی ضیاء الدین احمد تھا۔ ابتدائی تعلیم پٹنہ میں حاصل کی، وہیں قرآن کریم کا دو سال میں حفظ مکمل کیا۔ سترہ برس کی عمر میں پنجاب آکر مولانا مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی، مولانا نور احمد امرتسریؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ وغیرہ سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے بیعت ہو کر سلوک و معرفت کی تکمیل کی۔

جنگ عظیم کے خاتمہ پر سیاست کی پرخار وادی میں قدم رکھا اور تحریکاتِ آزادی کے سلسلہ میں آٹھ مرتبہ گرفتار ہوئے اور تقریباً آٹھ سال فرنگی جیلوں میں رہے۔ اسی کے ساتھ مرزائیت کی تردید اور سرکوبی اپنی زندگی کا موضوع بنایا۔ پھر پوری زندگی اس میں صرف کر دی۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں تین بار پاکستانی جیلوں میں گئے۔ ۲۱/ اگست ۱۹۶۱ء کو کاروانِ آزادی کا یہ سالار موت کی

آغوش میں سوگیا۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیں: حیات امیر شریعت، جانباز مرزا، کاروانِ احرار، جانباز مرزا، بیس بڑے مسلمان، ص ۸۶۱ تا ۹۰۶)

مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ (۱۸۸۹ء-۱۹۷۰ء)

آپ دار العلوم دیوبند کے ممتاز فاضل، لدھیانہ کے مشہور خانوادہ علماء کے فرد فرید اور جمعیۃ علماء ہند کے صفِ اوّل کے رہنماؤں میں سے تھے۔ آپ مولانا عبد اللہ لدھیانویؒ کے فرزند تھے۔ تقسیم ملک سے پہلے جمعیۃ علماء پنجاب کے صدر رہے۔ تحریکِ آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔ ۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی میں ۵/ جولائی ۱۹۳۰ء کو لدھیانہ میں گرفتار ہوئے اور ۱۹۳۲ء میں جمعیۃ علماء ہند کے ساتویں ڈکٹیٹر کے طور پر ۹/ ستمبر ۱۹۳۲ء کو ایک عظیم الشان جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ اسی کے ساتھ قادیانیت کے خلاف زندگی بھر سینہ سپر رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان چلے گئے تھے۔ وہاں ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت میں شامل رہے۔ ۱۹/ دسمبر ۱۹۷۰ء میں ٹوبہ ٹیک سنگھ میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ (مشاہیر علماء دیوبند)

مولانا عبد الحلیم صدیقی (متوفی ۱۹۶۹ء)

مولانا عبد الحلیم صدیقی اپنے دور کے فصیح و بلیغ مقرر، عربی اور اردو کے بہترین شاعر اور جنگ آزادی کے ان سرفروش رہنماؤں میں سے تھے جنھوں نے حصول آزادی اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔

ولادت اور نشو و نما ملیح آباد لکھنؤ میں ہوئی اور تعلیم کی تکمیل مدرسہ سلیمانیہ بھوپال میں ہوئی فراغت کے بعد مختلف اوقات میں مدرسہ مجددیہ بسی سرہند، مدرسہ الٰہیات کانپور، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسہ عالیہ کلکتہ، جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل اور جامعہ اسلامیہ برن پور بنگال میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ادب و تفسیر آپ کا خصوصی موضوع تھا۔ اسی کے ساتھ تحریک خلافت کے دور میں

سیاست کی پر خار وادی میں قدم رکھا اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملک و ملت کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں لیلائے آزادی کی خاطر بار بار گرفتار ہوئے اور جیل کی آہنی سلاخوں میں برسہا برس گذارے ۱۹۲۲ء میں پہلی بار گرفتار ہوئے پھر ۱۹۳۰ء۔ ۱۹۳۲ء اور ۱۹۴۲ء کی تحریکوں میں بھی سنت یوسفی پر عمل کیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے ابتداء قیام سے اس کی منتظمہ اور مجلس عاملہ کے سرگرم ممبر رہے۔ مولانا احمد سعیدؒ کی گرفتاری کے موقع پر متعدد بار قائم مقام ناظم اعلیٰ رہے اور ۱۹۴۰ء میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے وصال کے بعد تقریباً دو سال ناظم اعلیٰ رہے شاہ ابن سعود کی عالمی موتمر اسلامی میں جمعیۃ علماء ہند کے وفد میں بطور پرائیوٹ سکریٹری شریک رہے، ۱۹۲۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کے شعبۂ تبلیغ و حفاظت اسلام کے ناظم بھی آپ تھے شدھی اور سنگٹھن تحریکوں کے مقابلہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ قرآن کریم کے ایسے جید حافظ تھے کہ گویا پورا قرآن آپ کے نوک زبان پر تھا۔ لال قلعہ کے سامنے سنہری مسجد میں تین یا پانچ دن میں تراویح میں ختم قرآن کا معمول برسہا برس رہا۔ آخری عمر میں اکثر اوقات قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ ۳ر جنوری ۱۹۶۹ء (ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ) کو ملیح آباد میں وفات ہوئی وہیں مدفون ہوئے۔ (مختلف اخبارات اور روئیدادوں سے یہ معلومات حاصل ہوئیں ہیں ضرورت ہے اس مجاہد کے حالات پر تفصیلی کام کیا جائے)

شیخ الحدیث مولانا سیّد فخرالدین مراد آبادی (۱۸۸۹ء۔۱۹۷۲ء)

آپ اپنے زمانہ کے عظیم محدث، جمعیۃ علماء ہند کے صف اوّل کے رہنما اور جلیل القدر عالم تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳۰۷ھ میں اجمیر (راجستھان) میں ہوئی۔ تعلیم کا آغاز گھر اور ننھیال سے ہوا۔ متوسطات کی کتابیں مولانا ماجد علی محدث جونپوریؒ اور مولانا کریم بخش سنبھلیؒ سے پڑھیں۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند جاکر حضرت شیخ الہندؒ سے حدیث پڑھی۔ ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) میں سندِ فراغت حاصل

کی۔ فراغت کے بعد ایک سال دارالعلوم دیوبند میں درس دیا۔ اس کے بعد شوال ۱۳۲۹ھ سے مدرسہ شاہی مراد آباد میں خدمتِ تدریس پر مامور ہوئے۔ مولانا محمود حسن سہسوانیؒ کے وصال کے بعد ۱۳۴۰ھ (۱۹۱۲ء) میں وہاں صدارت تدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۳۷۷ھ (۱۹۵۷ء) میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے وصال کے بعد ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) میں وہاں صدارت پر فائز ہو کر تشریف لائے۔ ۱۳۹۱ھ (۱۹۷۱ء) تک پندرہ سال محدثانہ شان سے بخاری شریف کا درس دیا۔ آخر کے پانچ سالوں میں صدارت تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ تقریباً پانچ ہزار علماء کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ ۵۲ سال مسلسل حدیث نبویؐ کی خدمت انجام دی۔ تحریکِ خلافت کے دور میں سیاست میں قدم رکھا اس کے بعد ساری زندگی علمی خدمات کے ساتھ ساتھ سیاسی جدوجہد جاری رہی۔ جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے سرگرم سیاست میں حصہ لیا۔ ۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی میں ۳/اکتوبر ۱۹۳۰ء کو مراد آباد میں گرفتار ہوئے۔ ایک سال کی سزا میرٹھ جیل میں کاٹی۔ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رُکن اور شیخ الاسلامؒ کے دورِ صدارت میں دوبار نائب صدر اور سحبان الہند مولانا احمد سعیدؒ کے انتقال کے بعد صدر منتخب ہوئے جس پر تاحیات فائز رہ کر عظیم خدمات انجام دیں۔ ۲۱/صفر ۱۳۹۲ھ (۶/اپریل ۱۹۷۲ء) کو مراد آباد میں آپ کا وصال ہوا، وہیں مدفون ہوئے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: تاریخ شاہی نمبر، ص ۳۲۹ تا ۳۴۱، کاروان رفتہ، ص ۲۰۹-۲۱۰، اسیر ادروی)

مولانا نورالدین بہاریؒ (پیدائش ۱۸۹۷ء)

مولانا نورالدین بہاری جنگِ آزادی کے مردِ مجاہد اور جمعیۃ علماء ہند کے صف اوّل کے رہنما تھے۔ آپ ۱۸۹۷ء میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد ماجد بائی اسکول میں مدرس تھے۔ وطن مہونی تھانہ استھانواں ضلع پٹنہ ہے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ اورنگ آباد میں ہوئی پھر مدرسہ جامع العلوم کانپور میں، اس کے بعد مولانا ماجد علی جونپوریؒ سے متعدد کتابیں پڑھ کر دیوبند تشریف لائے اور ۱۹۱۸ء میں دار العلوم دیوبند سے سند فراغت کی۔ محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ اورنگ آباد میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۱ء کی تحریک ترکِ موالات کی وجہ سے مدرسہ کی ملازمت چھوڑ دی کیونکہ یہ نیم سرکاری ادارہ تھا۔ پھر امارت شرعیہ کے مبلغ ہوئے، کچھ عرصہ بعد دہلی آئے۔ جمعیۃ علماء ہند کے نائب ناظم رہے دہلی کے زمانہ قیام میں صوبائی کانگریس کے صدر رہے۔ تحریکِ آزادیٔ ہند کے سلسلہ میں متعدد بار قید وبند کے مصائب سے دوچار ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں جمعیۃ علماء ہند کے چوتھے ڈکٹیٹر تھے۔ ۶/مئی ۱۹۳۲ء کو ایک عظیم الشان جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ دو سال کی قید بامشقت کی سزا تجویز ہوئی۔ ایام اسارت ملتان جیل میں گذارے۔ اسارت کے زمانہ میں آپ کی اہلیہ محترمہ کا یکم جولائی ۱۹۳۲ء کو وصال ہوا۔

ان سیاسی مشاغل کے ساتھ درسِ قرآن کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری رہا۔ آزادی کے بعد بھوپال کے قریب ایک زراعتی فارم حاصل کرکے وہیں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اسی کسب حلال کی جدوجہد میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔ تاریخ وفات ۱۶/اکتوبر ۱۹۵۶ء ہے۔ (ٹوٹے ہوئے تارے، ص ۳۱۲ تا ۳۳۴، از شاہ محمد عثمانیؒ)

سیّد الملّت مولانا سیّد محمد میاں دیوبندیؒ (۱۹۰۳ء-۱۹۷۵ء)

مولانا سیّد محمد میاں دیوبندیؒ ایک محدث، فقیہ، مورخ اور تحریکِ آزادی کے مجاہد تھے۔ دیوبند کے قدیم خاندان سادات رضویہ میں ۱۲/رجب ۱۳۲۱ھ (۱۴/اکتوبر ۱۹۰۳ء) کو پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا۔ نانی مرحومہ سے قرآن کریم پڑھا اور درجات فارسی سے دورۂ حدیث تک مکمل تعلیم دار العلوم دیوبند میں ہوئی۔ ۱۳۴۳ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ارشد تلامذہ

میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ فراغت کے بعد چند سال مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۸ء میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد تشریف لائے۔ یہاں سولہ سال طالبانِ علوم نبوت کو فیضیاب کیا۔ ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ علماء ہند کی خدمات کے لیے دہلی تشریف لائے۔ پھر دہلی کے ہورہے۔ درس و تدریس سے طویل انقطاع کے بعد ۱۹۶۲ء میں مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہو کر بخاری شریف کا درس شروع کیا جو تادم حیات جاری رہا۔

درس و تدریس کے ساتھ سیاسی سرگرمیاں بھی جاری رہیں اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی، آپ ایک کامیاب مصنف تھے۔ ۶۰ سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں جس میں "علماء ہند کا شاندار ماضی" اور "عہدِ زریں" جیسی وقیع کتابیں شامل ہیں۔ سیاسی تحریکات میں سرگرم حصہ لیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملک وملت اور قوم وطن کے لیے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔ آزادی کے اس مجاہد کو پانچ بار قید و بند کی آزمائش میں ڈالا گیا۔ مراد آباد، دہلی، میرٹھ، بریلی اور فیض آباد کی جیلوں میں رہے۔ ۱۹۳۲ء کی تحریکِ سول نافرمانی میں جمعیۃ علماء ہند کے نویں ڈکٹیٹر تھے۔ جمعیۃ علماء مراد آباد کی نیابت نظامت سے لے کر جمعیۃ علماء ہند کی نظامت علیا تک مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ یہ مدت نظامت تقریباً ۳۵ سال پر محیط ہے۔ آخری زمانہ میں جمعیۃ علماء ہند کے ادارہ مباحث فقہ کے مدیر اور جمعیۃ ٹرسٹ کے سکریٹری رہے۔ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۷۵ء (۱۶ر شوال ۱۳۹۵ھ) کو دہلی میں آپ واصل الی اللہ ہوئے۔ دہلی کے گورِ غریباں میں تدفین ہوئی۔ (مزید حالات کے لیے دیکھیں: تاریخ شاہی نمبر، ص ۳۸۳ تا ۴۰۲)

مولانا محمد صادق کراچی (۱۸۷۴ء-۱۹۵۲ء)

آپ جنگِ آزادی کے عظیم مجاہد، اپنے عہد کے ممتاز عالم حضرت شیخ الہندؒ کے تلمیذ رشید تھے۔ ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۴ء) میں محلہ کھڈہ کراچی میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم والد ماجد مولانا عبداللہ بن عبدالکریمؒ سے حاصل کی۔ کچھ عرصہ مولانا احمد اللہ دین چکوالیؒ سے اکتساب علوم کیا پھر دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ یہاں حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر اساتذہ سے تعلیم حاصل کر کے ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶ء) میں سندِ فضیلت حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ مظہر العلوم کراچی میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا اور مدرسہ کی ترقی میں کوشاں رہے۔ تدریسی مشاغل کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ کے ہاتھ پر سینکڑوں افراد شرف باسلام ہوئے۔ اسی کے ساتھ آزادیٔ وطن کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا۔ تحریکِ شیخ الہندؒ کے مرکز سندھ کے ذمہ دار تھے۔ آپ کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ کے حکم و ارشاد پر مینگل قبائل نے بغاوت کر دی۔ انگریزی فوج قط العمارۃ میں محصور ہو گئی جس میں سترہ ہزار فوجی مارے گئے۔ جب یہ راز کھلا تو آپ کو ۱۹۱۵ء میں گرفتار کر کے تین سال کاٹھیاواڑ میں قید کر دیا گیا۔ آپ جمعیۃ علماء ہند کے تاسیسی اجلاس سے تاعمر وابستہ رہے۔ جمعیۃ علماء سندھ کے صدر، جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رُکن اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے۔ ۱۸؍جون ۱۹۵۳ء کو کراچی میں وفات پا گئے۔ (تاریخ جمعیۃ علماء ہند پر ایک تبصرہ، ص ۱۱۹ تا ۱۲۱)

مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ (متوفی ۱۹۴۰ء)

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل، شیخ الہندؒ کے جلیل القدر شاگرد اور محدث وقت تھے۔ گوجرانوالہ کی جامع مسجد کے امام اور خطیب تھے۔ آپ نے صحاح اور مسانید کی متعدد کتابوں کی فہرست بطور اطراف مرتب کی ہیں جن میں بخاری شریف کی فہرست "نبراس الساری فی اطراف البخاری" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ مسند احمد بن حنبل کی بھی ایک فہرست تیار کی تھی جو اب تک شائع نہ ہو سکی۔ (کاروانِ رفتہ، ص ۲۷)
آپ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رُکن تھے۔ ۱۹۳۰ء کی تحریکِ سول نافرمانی کے موقع پر نومبر ۱۹۳۰ء میں گرفتار ہوئے۔ تین ماہ قید سخت اور پچاس روپے

جرمانہ کی سزا ہوئی۔ (سہ روزہ الجمعیۃ ۱۳ر نومبر ۱۹۳۰ء)

مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ (۱۸۹۹ء-۱۹۷۵ء)

آپ شعلہ بیان خطیب، مناظر اور جنگِ آزادی کے مجاہد تھے۔ ۱۸۹۹ء میں محلہ دیپاسرائے سنبھل میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند پہنچے اور محدث عصر علامہ کشمیریؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ شاہی مرادآباد مدرسہ چلہ امروہہ، مدرسہ تعلیم الدین آنند گجرات اور جامعہ اسلامیہ بنارس وغیرہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے جس میں طویل عرصہ ۱۳۴۴ھ سے ۱۳۶۶ھ تک مدرسہ شاہی میں قیام رہا۔ درس و تدریس کے ساتھ تبلیغ و مناظرہ کے میدان میں آپ کے کارنامے عظیم ہیں۔ سیاسی سرگرمیاں زمانہ طالب علمی سے شروع ہو گئی تھیں۔ تحریکِ خلافت میں حصہ لیا۔ ۲۲ر فروری ۱۹۲۲ء کو گرفتار کر کے دو سال قیدِ مشقت کی سزا دی گئی۔ ۱۹۳۲ء میں جمعیۃ علماء ہند کے آٹھویں ڈکٹیٹر منتخب ہوئے۔ ۸ر اکتوبر ۱۹۳۲ء کو جمعیۃ علماء ہند کے دفتر سے گرفتار کر کے چھ ماہ قید بامشقت اور پچاس روپے جرمانہ کی سزا تجویز ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۲ء میں بھی گرفتار ہو کر سزایاب ہوئے۔ آزادی کے بعد آپ یوپی اسمبلی کے لیے منتخب ہوئے۔ درس و تدریس اور سیاسی مشاغل کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی رہا۔ تین کتابیں ”مقاماتِ تصوف“، ”اخبار التنزیل“ اور ”تقلید ائمہ اربعہ“ علمی یادگار ہیں۔ ۲۳ر نومبر ۱۹۷۵ء (۱۸ر ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ) کو آپ کی وفات ہوئی۔ اپنے وطن سنبھل میں مدفون ہوئے۔

(الجمعیۃ ۲۵ر نومبر، ۲۸ر نومبر ۱۹۷۵ء۔ تاریخ شاہی نمبر ص ۲۴۰-۲۴۱)

مولانا مبارک حسین سنبھلیؒ (۱۲۹۶ھ-۱۳۶۱ھ)

آپ حضرت شیخ الہندؒ کے ممتاز شاگرد تھے۔ ۱۲۹۶ھ میں اپنے وطن سنبھل میں

پیدا ہوئے۔ متوسطات تک وہیں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند آئے، ۱۳۲۹ھ میں دورۂ حدیث پڑھا۔ فراغت کے بعد بہت دنوں تک شیخ الہندؒ کے ساتھ سفر و حضر میں رہے۔ ۱۳۳۴ھ میں میرٹھ میں ایک مدرسہ قائم کرکے تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر دارالعلوم میرٹھ بلالیے گئے۔ آپ کی وجہ سے مدرسہ کو کافی ترقی حاصل ہوئی۔ ۱۳۶۱ھ میں وفات پائی اور مدرسہ کے صحن میں تدفین ہوئی۔ بہت سارے علماء نے آپ سے فیض اُٹھایا۔ (مشاہیر علماء دارالعلوم، ص ۷۵، مفتی ظفیر الدین مفتاحی)

۱۹۳۲ء کی تحریک سول نافرمانی میں آپ جمعیۃ علماء ہند کے گیارہویں ڈکٹیٹر ہوئے۔ ۳؍فروری ۱۹۳۳ء کو ایک جلوس کی قیادت کی۔ گرفتار ہوئے، اسی روز ایک نوٹس دے کر دہلی سے خارج کردیا گیا۔ (الجمعیۃ ۵؍فروری ۱۹۳۳ء)

مولانا محمد قاسم شہاجہانپوریؒ (۱۹۰۱ء-۱۹۷۶ء)

آپ ایک حق گو مجاہد اور شعلہ بیان خطیب اور ایثار پیشہ انسان تھے۔ ۱۹۰۱ء میں ضلع سیتاپور کے قصبہ بانسرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قصبہ میں حاصل کی۔ پھر لہرپور میں مولانا فیض اللہ شاہ سے کسب علم کیا۔ کچھ دنوں مدرسہ عالیہ رامپور میں پڑھ کر دیوبند پہنچے۔ وہاں محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے دورۂ حدیث پڑھا اور سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد بھی کچھ مدت دارالعلوم میں درس دیا پھر تحریک خلافت اور جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہوکر تحریکات آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔ متعدد بار جیل گئے، تحریک مدح صحابہؓ کے سلسلہ میں بھی گرفتاری پیش کی۔ اپنی بے باکی اور حق گوئی کی بدولت آزادی کے بعد جیل گئے۔ زندگی کی آخری سانس تک جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ رہے۔ مرکزی مجلس عاملہ کے رُکن اور ایک طویل عرصہ تک جمعیۃ علماء اترپردیش کے ناظم اعلیٰ، کچھ عرصہ صدر بھی رہے۔ ۹؍دسمبر ۱۹۷۶ء کو فتح پور ضلع بارہ بنکی میں وفات ہوئی، وہیں مدفون ہوئے۔ (الجمعیۃ